

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا سوره الحشر
”اور رسول (ﷺ) تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ“

مشکوٰۃ الحدیث

جس میں

”مشکوٰۃ المصابیح“ کی منتخب صحیح احادیث کا آسان اردو ترجمہ و تشریح
مفصل مقدمہ، اشاریہ، فرہنگ الفاظ، صحاح ستہ کا تعارف
اور راویان حدیث کے مختصر حالات زندگی شامل ہیں

جلد اول: ایمانیات

پروفیسر مولانا محمد رفیق
العالی مدظلہ

DATA ENTERED

وَمَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا سورة الحشر

”اور رسول (ﷺ) تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رُک جاؤ۔“

مشکوٰۃ الحدیث

جس میں

”مشکوٰۃ المصابیح“ کی منتخب صحیح احادیث کا آسان اردو ترجمہ و تشریح

مفصل مقدمہ، اشاریہ، فرہنگ الفاظ، صحاح ستہ کا تعارف

اور راویان حدیث کے مختصر حالاتِ زندگی شامل ہیں

جلد اول : ایمانیات

پروفیسر مولانا محمد رفیق

مکتبہ قرآنیات لاہور



جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

۲۹۷۶۲۸
ر ۷۳۲
۱۰۹۲۱۱

مشکوٰۃ الحدیث

نام کتاب : بدلہ

پروفیسر مولانا محمد رفیق

مؤلف :

مکتبہ قرآنیہ، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ،

ناشر :

اردو بازار لاہور۔ پاکستان

فون: 5811297، موبائل: 0321-7724032
0333-4399812

اہتمام : حافظ تقی الدین

سن اشاعت : مارچ 2010ء

ارشادِ نبوی ﷺ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:
 فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ
 فَدَعُوهُ.

صحیح مسلم، رقم: 3257

نسائی، رقم: 2619

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب میں کسی چیز کے بارے میں تمہیں حکم دوں تو جس قدر تم سے ہو سکے اُس پر عمل کرو اور جب میں

کسی چیز سے تمہیں منع کروں تو اُسے چھوڑ دو۔“

ارشادِ نبوی ﷺ

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:

”نَصَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا، وَوَعَاَهَا وَأَدَّأَهَا...“

ترمذی، رقم: 2658

ابوداؤد، رقم: 3660

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ اُس بندے کو خوش و خرم رکھے جس نے میری حدیث سنی، اُسے یاد رکھا،

محفوظ کر لیا اور پھر آگے بیان کر دیا.....“



فہرست مضامین

- 11 مقدمہ ❁
- باب 1..... نیت اور اخلاصِ عمل
- 39 1- اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے
- 42 2- اللہ تعالیٰ ہماری شکلیں نہیں ہمارے دل دیکھتا ہے
- باب 2..... دین اسلام کا تعارف
- 43 3- حدیث جبرئیل علیہ السلام (اسلام، ایمان اور احسان)
- 62 4- اسلام کے بنیادی ارکان
- 65 5- ایک اعرابی (دیہاتی) کے لیے جنت کی خوش خبری
- 67 6- دین خیر خواہی کا نام ہے
- 69 7- ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے
- 71 8- دین کی سمجھ بوجھ (تفقہ فی الدین)
- 73 9- اسلام اور اعتدال پسندی
- باب 3..... توحید
- 76 10- صرف اللہ کو معبود جاننے والا جنت میں جائے گا
- 79 11- اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ
- 82 12- اللہ تعالیٰ کا ہاتھ خزانوں سے بھرا ہوا ہے
- 84 13- اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب سے بڑھ کر ہے
- 86 14- اللہ کی رحمت ہی سے جنت ملے گی
- 88 15- اللہ کی خاطر باہم محبت کرنے والوں کا درجہ
- 92 16- قیامت کے دن اللہ فرمائے گا میں بادشاہ ہوں
- 94 17- زمانے کو برانہ کہو

باب 4..... ایمان اور مومن

- 18- ایمان کی شاخیں 96
- 19- ایمان کامل کا معیار 101
- 20- ایمان کی حلاوت 103
- 21- ایمان کی حلاوت اور لذت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ 105
- 22- ایمان اور استقامت 106
- 23- مسلمان کی ایک تعریف 109
- 24- مسلمان کون اور اصلی مہاجر کون؟ 111
- 25- مومن گناہ کرتے وقت مومن نہیں ہوتا 113
- 26- مومن ایک سو راخ سے دو بار ڈسا نہیں جاتا 115
- 27- رائی برابر ایمان والے کو بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا 116

باب 5..... ایمان کے منافی امور

- 28- شرک سب سے بڑا گناہ ہے 117
- 29- شرک اور مشرک 120
- 30- سات مہلک گناہ 124
- 31- ایک غلط سوال کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ 126
- 32- دل میں وسوسے اور برے خیالات آنے پر گناہ نہیں 127
- 33- قیامت کے دن منافق سب سے برا شخص ہوگا 129
- 34- پکا منافق کون؟ 130
- 35- کافروں کے خلاف جہاد و قتال کا حکم 132
- 36- بدعت کی مذمت 134
- 37- بہترین کلام اللہ کا کلام ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے 140

باب 6..... نبوت و رسالت

- 38- حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان نہ لانے والا دوزخی ہے 142

- 39- بعثت نبوی ﷺ کی ایک مثال 144
- 40- حضور ﷺ کی بعثت بارش کی طرح ہے 146
- 41- نبی کریم ﷺ کا کام اُمت کو خبردار کرنا ہے 148
- 42- حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں 150
- 43- نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے 152
- 44- حضرت محمد ﷺ کے خصائص 157
- 45- حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ 160
- 46- نبی کریم ﷺ کی شان میں مبالغہ نہ کرو 161
- 47- حضور ﷺ اور قربِ قیامت 163
- 48- نبی کریم ﷺ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریبی تعلق 164
- 49- حضرت ایوب علیہ السلام اور سونے کی ٹڈیوں کا واقعہ 167

باب 7..... سنت کی پیروی

- 50- سنت کی پیروی لازمی ہے 169
- 51- سنت کی پیروی اور بدعت سے پرہیز 172
- 52- حضور ﷺ کی اطاعت نہ کرنے والا دوزخی ہے 174

باب 8..... قرآن مجید

- 53- تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے 175
- 54- قرآن پڑھنے والے مومن کی مثال 176
- 55- قرآن کے ماہر کی فضیلت 178
- 56- سورہ اخلاص قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ ہے 180
- 57- حضور ﷺ کا ایک صحابی سے قرآن سننا 182
- 58- قرآن کو یاد کرتے رہو کیونکہ یہ جلد بھول جاتا ہے 184
- 59- قرآن مجید..... اُمت کے عروج و زوال کا پیمانہ 185

باب 9..... تقدیر

60- انسانی تقدیر کیا ہے؟ 186

باب 10..... موت، قبر اور عالم برزخ

61- موت کی تمنانہ کرو 191

62- قبر کا عذاب 193

63- قبر میں ثواب و عذاب 195

64- مرنے کے بعد بھی صدقہ جاریہ 196

باب 11..... قرب قیامت کے فتنے

65- دجال کا فتنہ 198

66- مسلمان، یہودیوں اور عیسائیوں کی پیروی کریں گے 199

67- اسلام کی اجنبیت 201

باب 12..... قیامت کی نشانیاں

68- قیامت کی دس (10) بڑی نشانیاں 203

69- قیامت کے قریب علم اٹھالیا جائے گا 206

70- قیامت کی ایک نشانی، قتل و غارت کا عام ہونا 207

71- قیامت کی چند نشانیاں 209

72- عیسیٰ علیہ السلام کا نزول 211

باب 13..... میدان محشر اور شفاعت نبوی

73- قیامت کے دن لوگ ننگے اٹھیں گے 213

74- حضور ﷺ کی شفاعت 214

باب 14..... جنت

75- جنت کی عجیب و غریب نعمتیں 219

76- جنت میں داخل ہونے والا پہلا گروہ 221

77- جنت میں چابک رکھنے کی جگہ کی فضیلت 223

- 224 جنت کے درخت کا سایہ -78
 226 جنت کا سب سے ادنیٰ مقام -79
 227 اہل جنت سے اللہ تعالیٰ کا خطاب -80
 229 جنت میں کاشت کاری -81
 231 دوزخ سے نکل کر جنت میں جانے والا آخری شخص -82
 233 حوض کوثر -83
 234 جنت میں دیدارِ الہی -84

باب 15..... دوزخ

- 236 دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر (70) گنا زیادہ سخت گرم ہے -85
 238 دوزخ خواہشات نفسانی سے اور جنت ناگوار چیزوں سے ڈھانپ دی گئی ہے -86
 240 جنت اور دوزخ کے غوطے -87
 242 ابوطالب کے لیے دوزخ کا سب سے کم عذاب -88

باب 16..... دعوت و تبلیغ

- 243 نیکی یا برائی کی ترغیب دینے والے کے لیے جزا و سزا -89
 245 وعظ و نصیحت میں وقفہ کرنا -90
 247 حدیث کی تبلیغ کرنے والوں کے حق میں حضور ﷺ کی دعا -91
 250 جھوٹی حدیث بیان کرنے کا عذاب -92
 252 دین کی راہ میں آزمائشیں -93

باب 17..... اُمت مسلمہ، صحابہ کرام اور انصار

- 254 اُمت مسلمہ کی فضیلت -94
 256 امین الامت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ -95
 258 حواری رسول، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ -96
 260 انصار سے حضور ﷺ کی محبت -97
 261 انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے -98

باب 18..... متفرقات

- 99- اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ وہ نیک عمل پسند ہے جو ہمیشہ کیا جائے 263
- 100- کھجوروں کی پیوند کاری کا واقعہ 265
- 101- لوگ بھی کانوں (Mines) کی طرح ہیں 268
- 102- خوش قسمت کون اور بد قسمت کون؟ 269
- 103- اطاعت صرف معروف میں ہے معصیت میں نہیں 271
- 104- دو قابل رشک انسان 274
- 105- احکام شریعت کی پابندی پر بیعت 275
- 106- فضول سوالات اور اختلافات 278
- 107- ایک نیکی کا ثواب سات سو (700) گنا تک ہے 280
- 108- کم ہنسنا اور زیادہ رونا 284
- 109- علانیہ اور فخریہ گناہ کرنے والے کی بخشش نہ ہوگی 286
- 110- دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے 288
- ضمیمہ جات
- ضمیمہ 1: صحاح ستہ کا مختصر تعارف 290
- ضمیمہ 2: علم حدیث سے متعلق اصطلاحات (Terms) 294
- ضمیمہ 3: راویان حدیث کے مختصر حالات زندگی 313
- اشاریہ احادیث 'مشکوٰۃ الحدیث' 336
- فرہنگ (مشکل الفاظ کے معانی اور مادے) 340

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

خالق کائنات نے انسان کو اپنی بندگی اور عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔ اُسے اچھائی اور برائی کی تمیز بخشی۔ اُسے عقل و شعور کی نعمت سے نوازا۔ اُسے محدود صلاحیتیں اور کچھ اختیارات دیے۔ اُس کی زندگی کو امتحان کی عارضی مدت اور مہلت قرار دیا۔ اِس دُنیا کے بعد آخرت میں جزا و سزا رکھ دی کہ جو شخص اُس کی بتائی ہوئی راہِ ہدایت پر چلے گا اُسے آخرت میں ہمیشہ کے عیش و آرام کی جنت عطا ہوگی اور جو اِس راہِ ہدایت سے منہ موڑے گا اُس کے لیے دوزخ کا دائمی عذاب ہوگا۔ پھر اپنی راہِ ہدایت واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ملک میں نبی بھیجے اور اُن پر کتابیں نازل کیں تاکہ بندوں پر اُس کی حجت پوری ہو جائے۔

اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

(النحل: 36)

”اور ہم نے اُمت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر بھیجا کہ اے لوگو ایک اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (شیطان) سے بچو۔“

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ وَ أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ﴾ (البقرة: 213)

”ابتداء میں لوگ ایک ہی اُمت تھے۔ پھر اللہ نے اُن کی طرف نبی بھیجے جو خوش خبری دیتے اور خبردار کرتے تھے۔ اُن کے پاس اللہ کی نازل کی ہوئی برحق کتاب بھی ہوتی تھی تاکہ وہ اُن باتوں کا فیصلہ کر دے جن میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔“

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ لَعَلَّ يُكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (النساء: 165)

”اللہ نے رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجا تاکہ رسولوں کے

آنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت باقی نہ رہے۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ کی کتاب اور رسول کا اُسوہ دونوں ضروری ہیں اور ان دونوں ہی سے لوگوں پر اتمامِ حجت ہوتا ہے۔

لیکن آج دنیا میں اللہ تعالیٰ کی صرف ایک ہی کتاب موجود ہے جو اصل حالت میں محفوظ ہے اور وہ قرآن مجید ہے، اور صرف آخری نبی حضرت محمد ﷺ کا اُسوہ حسنہ ہی صحیح طریقہ پر محفوظ ہے۔

اگر صرف کتاب نازل کی جاتی اور کوئی رسول نہ بھیجا جاتا تو لوگ اس کتاب کی تعبیر (Interpretation) کے مطالب میں اختلاف کرتے اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہ ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھنے میں غلطی کرتے اور کوئی ان کو صحیح مفہوم بتانے والا نہ ملتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کرنے کے علاوہ ایک رسول بھی بھیجا جس نے احکامِ الہی کا صحیح منشاء سمجھ کر اُس کے مطابق عمل کر کے دکھایا تاکہ لوگ اس کے اُسوہ حسنہ کی پیروی کر سکیں۔

قرآن کی رُو سے رسول اللہ ﷺ کا مقام و منصب:

اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے اُس مقام و منصب کو، جسے قرآن نے بیان کیا ہے، جان لے تو وہ حدیث و سنت کی اہمیت و حجیت کو تسلیم کر لے گا۔

منکرینِ حدیث کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اُس مرتبہ و منصب کو نہیں سمجھا جسے قرآن نے واضح طور پر بیان کیا ہے۔

(1) رسول اللہ ﷺ کا کام صرف یہ نہ تھا کہ آپ قرآن کی آیات سنا کر ان کو لوگوں تک پہنچائیں بلکہ آپ ﷺ قرآن کی تعلیم دینے والے معلم اور لوگوں کو گناہوں سے پاک کرنے والے مزی و مربی بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

(آل عمران: 164)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے کہ انہی میں سے اُن کے درمیان ایک رسول ﷺ بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں سناتا، انہیں پاک کرتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ جبکہ اس کی بعثت سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔“

(2) رسول اللہ ﷺ قرآن کی ایسی تشریح، تبیین اور تفسیر کرنے والے ہیں جو کہ غلطی سے پاک ہے۔ گویا آپ ﷺ قرآن کے شارح، مبین اور مفسر ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل: 44)

”اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف یہ قرآن نازل کیا تاکہ آپ ﷺ اُس چیز کو لوگوں پر کھول کر واضح کر دیں جو اُن کی طرف اتاری گئی ہے۔“

(3) رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اہل ایمان پر فرض ہے گویا لوگوں کے لیے آپ ﷺ کی حیثیت ایک واجب الاطاعت مطاع کی ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کی اطاعت گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (النساء: 64)

”اور ہم نے جو رسول بھیجا اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد: 33)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور (ان دونوں کی نافرمانی کر کے) اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء: 59)

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اُن کی جو تم میں سے صاحب اقتدار ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ پر اور آخرت کے ن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔“

(4) رسول اللہ ﷺ شارع ہیں اور شرعی حکم دینے کے مجاز ہیں۔

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ (الحشر: 7)

”اور رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے رُک جاؤ۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

﴿ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾ (الاعراف: 157)

”وہ (نبی ﷺ) ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاک چیزیں
حلال ٹھہراتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ وہ ان سے جاہلیت کے بوجھ اور طوق

ہٹاتا ہے.....“

(5) رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی مسلمانوں پر لازم ہے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الاحزاب: 21)

”بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔“

(6) رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے قاضی اور حاکم ہیں جن کے ہر فیصلے کی پابندی اہل ایمان

پر لازم ہے۔

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيَّ

أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ (النساء: 65)

”پس اے نبی ﷺ! آپ ﷺ کے رب کی قسم! ایسے لوگ کبھی ایمان والے نہیں ہو سکتے

جب تک وہ اپنے تمام باہمی جھگڑوں میں آپ ﷺ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو

فیصلہ آپ ﷺ فرمائیں اس پر وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ دل و جان سے

اسے تسلیم کر لیں۔“

ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ﴾

(النساء: 105)

”اے نبی ﷺ! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ ﷺ پر نازل کی ہے تاکہ آپ ﷺ وحی کی روشنی میں لوگوں کے درمیان فیصلے کریں۔“

مزید ارشاد ہوا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُبِينًا﴾ (الاحزاب: 36)

”کسی مومن مرد یا مومنہ عورت کے لیے گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کے لیے اس میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلی گمراہی میں جا پڑے گا۔“

اس طرح قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کے جس مقام و منصب کا ذکر کیا ہے اور آپ ﷺ کو جو حیثیت اور مرتبہ دیا ہے اُسے جان لینے کے بعد آپ ﷺ کے تمام احکام کی اطاعت اور آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی لازم ہو جاتی ہے۔

پھر چونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور حضرت محمد ﷺ اُس کے آخری نبی اور رسول ہیں، قرآن عالمگیر کتاب ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت بھی عالمگیر ہے، سیرت پاک بھی محفوظ ہے اس لیے آج بھی جس طرح قرآن کی اطاعت ہم پر فرض ہے اسی طرح حدیث و سنت کی پیروی بھی فرض ہے اور جس طرح ہم قرآن کے احکامات کے پابند ہیں اسی طرح حدیث و سنت کے احکامات کے بھی پابند ہیں۔

قرآن کی اطاعت کی طرح حدیث و سنت کی پیروی کو بھی رسول اللہ ﷺ کی حیات جسمانی کے دور تک محدود نہیں کیا جاسکتا اس حوالے سے چند آیات ملاحظہ ہوں:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: 9)

”بے شک ہم نے اس ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الانبیاء: 107)

”اور ہم نے آپ ﷺ کو جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ (السبا: 28)

”اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔“

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ط وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (الاحزاب: 40)

”(اے لوگو!) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ﷺ اور آخری نبی ﷺ ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔“

قرآن اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیتا ہے:

قرآن مجید نے جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں اطاعت رسول ﷺ کا بھی حکم دیا ہے اور یہ دونوں قسم کی اطاعتیں ہر حال میں غیر مشروط طور پر واجب ہیں۔ ان دونوں اطاعتوں کے سوا اور جو بھی اطاعت ہے وہ مشروط ہے اس بات سے کہ وہ پہلی دو اطاعتوں کے خلاف نہ ہو، خواہ وہ اطاعت حکمرانوں کی ہو، یا والدین کی، یا کسی اور مخلوق کے لیے ہو۔

اطاعت رسول ﷺ کے حوالے سے چند آیات یہ ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾

(محمد: 33)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور (ان دونوں کی نافرمانی کر کے) اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔“

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: 80)

”جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء: 59)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اُن کی جو تم میں سے صاحب اقتدار ہوں۔ پھر اگر کسی معاملے میں تمہارا اُن سے اختلاف ہو جائے تو اُسے اللہ

اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے۔“

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر اختلافی معاملے کا فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں کیا جائے گا۔ جو بات ان کے مطابق ہوگی وہی شریعت ٹھہرے گی اور جو ان کے خلاف ہوگی، اُسے غیر شرعی قرار دے کر رد کر دیا جائے گا۔

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ (الحشر: 7)

”اور رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو، اور جس چیز سے اُس سے رُک جاؤ۔“

قرآنی آیات کے علاوہ بہت سی صحیح احادیث میں بھی اطاعتِ رسول ﷺ کی تاکید کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ایک حدیث ہے کہ:

”حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یاد رکھو، مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس کی مثل عطا کی گئی ہے۔ سنو! ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب کوئی شکم سیر خوش حال آدمی اپنی مسند پر بیٹھے ہوئے یہ کہے گا کہ:

تم اس قرآن کو لازم پکڑو۔ اس میں جو حلال بتایا گیا ہے صرف اسے حلال سمجھے اور اس میں جو چیز حرام ہے اُسے حرام سمجھو۔

حالانکہ کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے اُسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔ یاد رکھو، پالتو گدھا، کچلی والے (نوکیلے دانتوں والے) درندے اور ذمی کی گری پڑی چیز یہ سب تمہارے لیے حرام ہے۔ البتہ اگر خود ذمی کو اس گری پڑی چیز کی حاجت نہ ہو تو پھر وہ چیز تمہارے لیے جائز ہے۔ اگر کوئی مسافر شخص کسی قوم کا مہمان ہو تو اُن کو چاہیے کہ اُس کی مہمانی کریں۔ اگر وہ اُس کی ضیافت نہیں کریں گے۔ تو مہمان کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اُن سے ضیافت کی چیزیں خود لے لے۔“

(ابوداؤد، رقم 4604 / دارمی، رقم 586 / ابن ماجہ، رقم 12 / مسند احمد، رقم 17326)

قرآن و حدیث کی ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث و سنت بھی حجت شرعی ہے اور اس کی

پیروی واجب ہے۔

حدیث بھی وحی ہے:

قرآن وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے اور دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت قرآن مجید کی بہت سی آیات سے ملتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّ أَبَدًا﴾ (التوبہ: 84)

”اور ان (منافقوں) میں سے جو کوئی مر جائے تو آپ ﷺ اُس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنا۔“ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے نمازِ جنازہ کا حکم آچکا تھا اور رسول اللہ ﷺ مردوں کی نمازِ جنازہ پڑھا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منافقوں کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا۔

حالانکہ قرآن میں اس سے پہلے نازل ہونے والی کوئی ایسی آیت موجود نہیں ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

اس آیت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعے اپنے نبی ﷺ کو مردوں کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ حدیث قرآن کی تشریح کرتی ہے:

اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن مجید اصول و کلیات کی کتاب ہے جو مجمل احکام دیتی ہیں اور جن کی تفصیلات و جزئیات کے لیے ہمیں حدیث و سنت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے تاکہ ان پر عمل ممکن ہو سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث قرآن کی تشریح کرتی ہے۔

مثال کے طور پر قرآن مجید میں ﴿اقِمُْوا الصَّلَاةَ﴾ یعنی نماز قائم کرو، کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں پر لفظ صلوٰۃ کے کیا معنی مراد ہیں کیونکہ عربی زبان میں اس لفظ کے کئی معانی ہیں۔ پھر نماز پڑھنے کا عملی طریقہ کیا ہے؟ نماز کے فرائض و واجبات کیا ہیں؟ دن رات میں کتنی نمازیں ہیں اور ہر نماز میں رکعات کی تعداد کیا ہے؟ نماز کے دوران میں کوئی خرابی واقع ہو جائے تو اس کی اصلاح کی کیا صورت ہے؟ اور کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟ وغیرہ سب چیزیں قرآن میں بیان نہیں ہوئیں۔ مگر جب تک یہ ساری چیزیں واضح نہ ہوں عملی طور پر قرآن کے ”اقامت صلوٰۃ“ کے حکم پر عمل ناممکن ہے۔

لیکن حدیث و سنت میں ان سب سوالوں کے جوابات موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خود نماز پڑھ کر اس کا عملی طریقہ امت کو سکھا دیا اور فرما دیا کہ:

((صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي.)) [صحیح بخاری، رقم 631، دارمی، رقم

1253، مسند احمد، رقم 20804]

”تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔“

قرآن کو حدیث کے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا:

قرآن مجید کے بہت سے مقامات ایسے ہیں جن کو حدیث کے بغیر صحیح طور پر سمجھا نہیں جاسکتا۔ ظاہر ہے

کہ حدیث، قرآن کی ایسی تشریح اور تفسیر کر دیتی ہے جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

مثال کے طور پر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾

(البقرہ: 187)

”اور کھاؤ اور پیو جب تک سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے الگ ظاہر ہو جائے۔“

تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اپنے تکیے کے نیچے سفید اور سیاہ دو دھاگے رکھ لیے اور ان کی پہچان کے وقت

تک کو سحری کا آخری وقت سمجھا۔ پھر نبی ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے

سیاہ دھاگے اور سفید مراد نہیں ہیں بلکہ رات کی سیاہی اور دن کی روشنی مراد ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ:

((عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْخَيْطُ

الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ؟ أَهُمَا الْخَيْطَانِ؟ قَالَ: إِنَّكَ لَعَرِيضُ الْقَفَا إِنْ

أَبْصَرْتَ الْخَيْطَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: لَا، بَلْ هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ.))

(صحیح بخاری، رقم: 1916, 4510, 4509)

”عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ سفید دھاگا سیاہ دھاگا

سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ دونوں دھاگے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے یہ دونوں دھاگے

دیکھے ہیں تو تمہارا تکیہ بڑا وسیع ہے؟ پھر فرمایا کہ: نہیں، اس سے دھاگے مراد نہیں ہیں بلکہ اس

سے رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے۔“

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن کو بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں۔
صرف قرآن کافی نہیں ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جو کتابیں نازل کیں وہ صرف اور صرف رسولوں پر اتاری گئیں۔ کوئی آسمانی کتاب بغیر کسی رسول کے عام لوگوں تک نہیں پہنچائی گئی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہدایت ہے کہ وہ کتاب کی (Theory) کے ساتھ رسول کی (Practice) بھیجتا ہے۔ اس لیے صرف قرآن کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کا اُسوۂ حسنہ اور عملی نمونہ بھی ضروری ہے تاکہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو سکے۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نبوت و رسالت جاری فرما کر نعوذ باللہ ایک فضول کام کیا کیونکہ اس کے بغیر بھی کتاب کافی تھی اور اس کے ذریعے بھی لوگوں پر اتمام حجت ہو سکتا تھا۔

حدیث اختلافات کو ختم کرتی ہے:

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حدیث کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوتا ہے لہذا اس اختلاف سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ حدیث ہی کا انکار کر دیا جائے۔

لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ اختلاف رائے ایک فطری چیز ہے۔ قرآن کی آیتوں کی تفسیر میں بھی اختلاف رائے ہو سکتا ہے لیکن اس کی وجہ سے قرآن کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح دو محدثوں کی روایت و درایت میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے مگر اس کی وجہ سے حدیث کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ حدیث ہمارے بہت سے اختلافات ختم کر دیتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں ”اتُوا الزَّكُوَّةَ“ یعنی زکوٰۃ ادا کرو کا حکم آیا ہے لیکن اس جگہ زکوٰۃ کے لفظ کے کون سے معنی مراد ہیں کیونکہ عربی زبان میں زکوٰۃ لفظ کے ایک سے زیادہ معانی موجود ہیں۔ دوسرے کس قسم کے مال پر کتنی زکوٰۃ ہے؟ زکوٰۃ روزانہ دینی ہوتی ہے یا ماہانہ یا سالانہ یہ آمدنی پر ہے یا بچت پر۔ یہ اور اس طرح کے کئی اور اختلافات اس قرآنی حکم کے بارے میں پیدا ہو سکتے تھے۔ لیکن حدیث نے زکوٰۃ کا ایک متعین مفہوم مقرر کر کے اور اس کی واضح عملی صورت بتا کر تمام اختلافات کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

ایک اور مثال ذہن میں لائیے۔

نبی ﷺ کی وفات کے فوراً بعد آپ ﷺ کی جانشینی کا معاملہ پیش آیا جس سے صورت حال اتنی

سنگین ہوگئی کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان لڑائی کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس نازل موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب اس مضمون کی حدیث سنائی کہ:

”الْأَيُّمَةُ مِنْ قُرَيْشٍ .“ (مسند احمد)

”امام (حکمران) قریش سے ہوں گے۔“

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین کا سارا اختلاف رفع ہو گیا اور سب نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چن لیا۔

سنت کی تعریف:

سنت، ایک مخصوص اسلامی شرعی اصطلاح ہے جس کا مسلمہ مفہوم یہ ہے کہ شریعت کے وہ احکام جو نبی ﷺ کے قول، فعل یا تقریر (خاموش تائید) یا صفات سے ثابت ہوں۔

((فَأَمَّا السُّنَّةُ فَهِيَ أَقْوَالُ النَّبِيِّ ﷺ وَأَفْعَالُهُ وَتَقْرِيرَاتُهُ وَصِفَاتُهُ.))

(اصول الفقہ الاسلامی، لدکتور وہبہ زہیلی ج ۱، ص 449.)

”سنت نام ہے نبی ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات و تائیدات اور صفات کا۔“

حدیث کی تعریف بھی یہی ہے اور حدیث و سنت دونوں باہم مترادف ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سنت کا تعلق صرف اعمال سے نہیں ہے بلکہ اس میں اقوال، تقریرات (خاموش

تائیدات) اور صفات نبوی ﷺ بھی شامل ہیں۔

حدیث و سنت سے قرآنی حکم میں تخصیص ہو سکتی ہے:

حدیث کے ذریعے کسی قرآنی حکم میں تخصیص ممکن ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَّيْنَ﴾ (النساء: 11)

”اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں تاکید حکم دیتا ہے کہ (وراثت میں) ایک لڑکے کو

دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا جائے۔“

اس آیت سے واضح ہے کہ اولاد ہر حال میں اپنے والدین کے ترکے کی وارث ہوگی اور بیٹے کو بیٹی سے

دو گنا حصہ ملے گا۔

لیکن حدیث میں ہے کہ:

((لَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا.)) (ابوداؤد، رقم 4564)

”قاتل (مقتول کا) وارث نہیں ہو سکتا۔“

اس لیے اگر کوئی بد بخت لڑکا اپنے باپ کو قتل کر دے گا تو مذکورہ حدیث کے حکم کے مطابق وہ اپنے مقتول باپ کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔

(قرآن کا حکم عام تھا کہ ہر بیٹا اپنے باپ کے ترکے کا وارث ہوگا مگر حدیث نے قاتل بیٹے کی تخصیص کر دی کہ وہ اپنے باپ کے ترکے کا وارث نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ قرابت نافعہ کے من گھڑت اصول کے برعکس اسلام میں نہ تو کسی نافرمان بیٹے کو عاق کیا جاسکتا ہے اور نہ اُسے وراثت سے محروم کیا جاسکتا ہے) حدیث و سنت کے ذریعے قرآن کے کسی حکم کی تحدید ہو سکتی ہے:

حدیث کے ذریعے قرآن مجید کے کئی احکام کی تحدید واقع ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا﴾ (النساء: 34)

”اور جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، اُن سے ہم بستری چھوڑ دو اور (اس پر نامانیں تو) انہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف الزام تراشی نہ کرو۔ بے شک اللہ سب سے برتر اور بہت بڑا ہے۔“

اس آیت کے الفاظ ”وَاضْرِبُوهُنَّ“ (اور ان بیویوں کو مارو) مطلق تھے اور یہ مارنا ہر طرح کا مارنا اور زخمی کرنا ہو سکتا تھا لیکن حدیث کے ذریعے قرآن کے اس مطلق حکم میں یہ تحدید (تقید) ہو گئی ہے کہ صرف ایسی مار جائز ہے جو اتنی تکلیف دہ نہ ہو کہ اُس سے کسی عضو کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔

وہ حدیث یہ ہے: ((فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مَبْرَحٍ)) (صحیح مسلم، رقم: 2950)

”پس تم اُن کو اتنا مار سکتے ہو جو ایسا تکلیف دہ نہ ہو کہ اس سے ان کے کسی عضو کو نقصان پہنچے۔“

اور ایک مثال سامنے رکھے۔ قرآن میں وصیت کا حکم مطلق ہے لیکن حدیث نے اسے غیر وارث کے لیے محدود اور ایک تہائی کی مقدار میں مقید کر دیا ہے۔ اب اسلامی شریعت میں نہ تو وارث کے حق میں وصیت ہو سکتی ہے اور نہ ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث سے قرآن کے کسی حکم کی تحدید (حد بندی) ہو سکتی ہے۔

خبر واحد (اخبار آحاد) سے بھی علم یقین حاصل ہوتا ہے:

اس بات پر تمام محدثین عظام اور فقہائے کرام کا اجماع اور اتفاق ہے کہ اخبار آحاد کا درجہ اگرچہ اخبار متواترہ سے کچھ کم ہے، تاہم جب وہ صحیح ہوں تو وہ بھی دین میں حجت اور دلیل ہوتی ہیں اور ان سے بھی ہر طرح کے شرعی احکام اخذ ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر کوئی مسلمان نہ تو اپنے وارث کے حق میں مالی وصیت کر سکتا ہے اور نہ وہ ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر سکتا ہے۔ یہ دونوں مسلمہ اجماعی شرعی احکام ہیں مگر یہ صرف اور صرف اخبار آحاد سے ثابت ہیں۔ اگر اخبار آحاد کو دین سے نکال دیا جائے تو پھر دین اسلام کے 90 فیصد حصے کو بھی دین سے خارج کرنا پڑے گا اور مسلمہ اسلامی احکام و تعلیمات کو چھوڑنا پڑے گا۔

اور ہم یہ بات پورے حزم و احتیاط سے بیان کر رہے ہیں، ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اخبار آحاد ترک کرنے سے ہمیں پورا دین ترک کرنا پڑے گا اور اپنے ایمان سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے، کیونکہ ہمارا کلمہ اسلام (کلمہ طیبہ اور شہادتین) لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ صرف اور صرف اخبار آحاد ہی سے ثابت ہے، ان کے سوا اس کلمے کا اثبات کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں۔ یہ کلمہ قرآن میں موجود نہیں ہے مگر اس کلمے کے اقرار ہی سے کوئی شخص دین کے دائرے میں داخل ہوتا ہے اور اس کے انکار سے وہ دین کے دائرے سے باہر نکل جاتا ہے۔ یہی کلمہ اسلام اور کفر میں امتیاز اور حدِ فاصل ہے۔ اسی کو پڑھنے سے آدمی مسلمان ہوتا اور اسے چھوڑنے سے وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔ یہ کلمہ ہمارے دین کی اساس ہے مگر اس کی بناء بھی صرف اخبار آحاد پر قائم ہے۔

خود قرآن مجید ہمیں اخبار آحاد کی بنیاد پر شرعی فیصلے کرنے کا مجاز قرار دیتا ہے۔ وہ ہمیں ایک، دو یا چار معتبر اور عادل ﴿ذَوَا عَدْلٍ﴾ مسلمانوں کی خبر پر یقین کرنے کا پابند کرتا ہے اور ان کی گواہی پر حدود جاری کرنے کا حکم دیتا ہے جس کے نتیجے میں شرعی طور پر کسی مجرم کا ہاتھ کاٹا جاسکتا ہے۔ کسی کو پھانسی پر چڑھا کر قتل کیا جاسکتا ہے اور کسی کی پیٹھ پر کوڑے برسائے جاسکتے ہیں۔ پھر جب قرآن مجید نے اپنے نظامِ عدل و انصاف کی بنیاد غیر متواتر شہادتوں اور اخبار آحاد پر رکھی ہے تو قرآن کے مقابلے میں کوئی مسلمان یہ کہنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہے کہ کسی حدیث کو حدیث رسول ﷺ یا حکم رسول ﷺ ماننے کے لیے تواتر کی شرط ضروری ہے اور یہ کہ ایک، دو یا چار معتبر اور عادل راویوں کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ ان سے اُسے

علم یقین حاصل نہیں ہو پاتا۔ جب کہ اسلام میں صرف ایک معتبر اور عادل شخص (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) کی شہادت پر روایت ہلال ثابت ہو جاتی ہے جس کے بعد شرعی طور پر مسلمانوں کے لیے دوسرے دن روزہ رکھنا (یا نہ رکھنا) لازم ہو جاتا ہے۔

اخبارِ آحاد میں سے ایک متفق علیہ غریب حدیث ہے کہ:

((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) (صحیح بخاری: 1)

”اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔“

ہر مسلمان اس فرمانِ نبوی ﷺ سے واقف ہے۔ اس حدیث کے صرف ایک ہی راوی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں، لیکن ساری اُمت اسے صحیح اور درست مانتی ہے اور فقہائے اسلام اس سے مسائل کا استنباط کرتے اور استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

حدیث تاریخ نہیں شرعی حجت ہے:

حدیث کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ شرعی حجت ہے اور قرآن مجید کے بعد اسی کا مقام ہے۔ اسے محض تاریخ کی حیثیت دے کر اس کا انکار کرنا علم کا افلاس اور جہالت کی افراط ہے۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ حدیث ایک شرعی حجت ہے جس کی پیروی واجب ہے اور جو ہمارے دین کا لازمی حصہ ہے اور تاریخ ہمارے دین کا حصہ نہیں ہے۔ ہم تاریخ کے بغیر بھی زندگی بسر کر سکتے ہیں مگر حدیث کے بغیر ہماری زندگی بے بندگی اور شرمندگی ہے۔

حدیث صرف آداب کا نام نہیں ہے بلکہ وہ دین کے احکام بھی سکھاتی ہے:

حدیث صرف اسلام آداب ہی نہیں سکھاتی بلکہ وہ شرعی حجت ہے اور دین کے بہت سے ایسے احکام سکھاتی ہے جو قرآن مجید میں سرے سے موجود ہی نہیں یا اگر موجود ہیں تو اتنے واضح نہیں ہیں کہ اُن پر عمل ممکن ہو سکے۔

مثال کے طور پر حدیث سے ثابت شدہ چند دینی احکام یہ ہیں:

(1)..... وضو میں موزوں پر مسح کرنا۔

- (4)..... نماز تراویح
 (5)..... عورتوں کے لیے خاص ایام میں نماز کا معاف ہونا۔
 (6)..... پالتو گدھے کا گوشت کا حرام ہونا۔
 (7)..... مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا لباس پہننے کا حرام ہونا۔
 (8)..... کسی مسلمان مرد کے لیے اپنی پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کا حرام ہونا۔

(9)..... نومولود بچے کے کان میں اذان کہنا اور اُسے گھٹی دینا۔

(10)..... شراب نوشی پر سزا۔

(11)..... شادی شدہ زانیوں کے لیے سنگ ساری کی حد۔

(12)..... مرتد کے لیے قتل کی سزا۔

(13)..... مردے کو غسل دینا اور کفن پہنانا۔

(14)..... شہید کو غسل نہ دینا

حدیث کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و اشاعت کا اہتمام کیا گیا:

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین کو احادیث سننے، ان کو حفظ کرنے اور ان کی کتابت و تحریر کرنے کی تاکید فرمائی اور ایسا کرنے والوں کے حق میں بار بار دعا فرمائی۔ اس طرح حضور ﷺ نے حفظ اور کتابت دونوں ذرائع سے کام لیتے ہوئے احادیث کی حفاظت اور ان کی تبلیغ و اشاعت کا اہتمام فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین کو زبانی حدیث روایت کرنے کی عام اجازت تھی۔ اس کے لیے حضور ﷺ نے ان کو تاکید فرمائی تھی اور وہ اس کام کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہوئے دوسروں تک احادیث کی تبلیغ و اشاعت کرتے تھے۔

پھر چونکہ احادیث کا زیادہ حصہ عمل سے متعلق تھا۔ اس لیے ﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ ”رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو۔“ کے قرآنی حکم کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین نے جیسے حضور ﷺ کو کوئی کام کرتے دیکھا، اُسے ویسے ہی کونا شروع کر دیا اور یہ سلسلہ نسل در نسل آگے چلتا گیا۔ اس طرح فعلی احادیث کا کثیر ذخیرہ عملی طور پر اُمت کو منتقل ہو گیا جو آج تک اُمت مسلمہ میں جاری و ساری ہے۔ حدیث کی حفاظت

اور اس کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں:

(1) سنن ابوداؤد (کتاب العلم) میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ:

((سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: نَضَّرَ اللَّهُ إِمْرًا سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يَبْلُغَهُ.)) (سنن ابوداؤد: 3660)

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”اللہ اُس شخص کو تروتازہ رکھے جو ہم سے حدیث سنے، پھر اُسے یاد اور محفوظ رکھے اور پھر اُسے دوسروں تک پہنچا دے....“

گویا اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایسے ہر شخص کے حق میں دعا فرمائی ہے جو آپ سے حدیث سن کر اُسے یاد رکھے اور پھر دوسرے لوگوں تک پہنچائے۔

(2) اُسی طرح جامع ترمذی میں بھی سیدنا زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

((نَضَّرَ اللَّهُ إِمْرًا سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يَبْلُغَهُ غَيْرَهُ.....))

(جامع ترمذی: 2656)

”اللہ اُس آدمی کو تروتازہ اور شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سن کر یاد کر لی اور اُسے دوسرے تک پہنچا دیا....“

(3) جامع ترمذی ہی میں ایک اور حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ

((نَضَّرَ اللَّهُ إِمْرًا سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ، فَرُبَّ مُبَلِّغٍ أَوْ عَى مِنْ سَامِعٍ.)) (ترمذی: 2657)

”اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے مجھ سے کچھ سنا۔ پھر جیسے اُس نے سنا تھا ویسے ہی دوسروں تک اسے پہنچا دیا۔ ممکن ہے جسے بات پہنچائی جائے وہ پہلے سننے والے سے بھی زیادہ اُسے یاد رکھنے والا ہو۔“

(4) جامع ترمذی میں ایک اور روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((نَضَّرَ اللَّهُ إِمْرًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاَهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا.....)) (رقم: 2658)

”اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری کوئی بات سنی، پھر اُسے یاد رکھ کر محفوظ کر لیا اور اُسے کسی اور تک پہنچا دیا۔“

اس کے علاوہ اسی مضمون کی احادیث سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا جبیر بن مطعم اور سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

(5) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے روز ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ:

((وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدَ الْغَائِبَ .)) (صحیح بخاری: 104 و صحیح مسلم: 3304)

”اور ضروری ہے کہ جو یہاں حاضر ہے، وہ اُس تک (میری باتیں) پہنچا دے جو یہاں حاضر نہیں ہے۔“

(6) اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدَ الْغَائِبَ .)) (صحیح بخاری: 1741)

”پس لازم ہے کہ جو یہاں پر حاضر ہے، وہ اُس تک جو یہاں حاضر نہیں ہے، (میری باتیں) پہنچا دے۔“

نبی اکرم ﷺ کے مذکورہ ارشادات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احادیث کی حفاظت اور ان کی تبلیغ و اشاعت کی تاکید فرمائی اور ایسا کرنے والوں کے حق میں بار بار دُعا بھی فرمائی۔

نبی کریم ﷺ کے مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں اور ان کے احکام کی تعمیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ یاد کر لیا، اُسے لکھ کر محفوظ کیا، اس پر خود عمل کیا اور اسے دوسروں کو لوگوں تک پہنچا دیا۔ ذیل میں ہم مکثرین (بکثرت روایت کرنے والے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بیان کریں گے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ہزاروں احادیث سن کر یاد کر لیں اور پھر ان کو دوسروں تک پہنچایا:

1: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے 5374 حدیثیں حفظ کر کے اُمت تک منتقل کیں۔

2: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے 2630 حدیثیں یاد کیں اور پھر ان کو اُمت تک پہنچایا۔

- 3: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے 2286 حدیثیں زبانی یاد کر کے محفوظ کیں اور پھر ان کو امت کے حوالے کیا۔
 4: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے 2210 حدیثیں یاد کرنے کے بعد دوسرے لوگوں تک پہنچائیں۔
 5: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے 1660 حدیثیں حفظ کرنے کے بعد اپنے شاگردوں تک منتقل کیں۔
 6: سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے 1540 حدیثیں یاد کیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے احادیث کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا۔

7: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے 848 حدیثیں حفظ کیں اور ان کو دوسرے لوگوں تک پہنچایا۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیثیں لکھیں اور ان کے مجموعے (صحیفے) مرتب کیے یا املا کرائے ان کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔
 عہد نبوی ﷺ میں کتابت حدیث:

عہد نبوی ﷺ میں کتابت حدیث کے معاملے کو سمجھنے کے لیے اس کا تاریخی پس منظر جاننا ضروری ہے۔ جس زمانے میں نبی ﷺ کی بعثت ہوئی اُس وقت پوری عرب قوم ان پڑھ تھی اور اُسے 'امیین' کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ صدیوں بلکہ ہزاروں برس سے اپنے سارے معاملات حافظے اور زبان سے چلانے کے عادی تھے۔ ان میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ کاغذ نایاب تھا اور چمڑے کے ٹکڑوں، جھلیوں، ہڈیوں، پتھر کی سلوں اور کھجوروں کے پتوں پر تحریریں لکھی جاتی تھیں اور یہی ان کی سٹیشنری تھی۔ لیکن اہل عرب اپنے حافظے اور یادداشت میں ممتاز تھے۔ وہ اپنی تاریخ ایام العرب، شاعروں کے قصیدے، خطیبوں کا کلام، قبیلوں کے شجرے اور انساب حتیٰ کہ اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کے نسب نامے بھی یاد رکھتے اور اپنی اولاد کو یاد کراتے تھے۔ ایک ایک شخص سینکڑوں اشعار پر مشتمل قصیدہ کھڑے کھڑے فر فر سنا دیتا تھا۔ خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ایک ہی مجلس میں نبی ﷺ کو بیٹھے بیٹھے سو (100) شعر سنا دیے تھے۔

ان حالات میں جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ پر قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا تو اُس کی حفاظت کے لیے دو طریقے اختیار کیے گئے۔ ایک یہ کہ جتنا قرآن نازل ہوتا آپ ﷺ اُسے خود یاد کر لیتے اور دوسروں کو سناتے اور وہ بھی اسے زبانی یاد کر لیتے۔ یاد رکھیے اور اچھی طرح یاد رکھیے کہ قرآن کی

حفاظت کا اصل مدار اسی حفظ و نقل پر ہے۔ اس کی کتابت کے ذریعے حفاظت ایک ثانوی (Secondary) چیز ہے۔ دوسرا طریقہ کتابت کا تھا۔ جس قدر قرآن اُترتا۔ حضور ﷺ کسی کاتب کو بلا کر اُسے اِلاء (Dictate) کر دیتے کہ اسے فلاں آیت یا سورت سے پہلے یا بعد میں لکھا جائے، اور وہ اسی اسٹیشنری پر لکھ دیتا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

قرآن مجید کو اس وجہ سے لکھوایا گیا کہ اس کے الفاظ اور معانی من جانب اللہ تھے، اس کے الفاظ، اُس کی آیات اور اُس کی سورتوں کی ترتیب بھی اللہ کی طرف سے تھی۔ اس کے الفاظ کو دوسرے الفاظ سے بدلنا جائز نہ تھا۔ اس کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ لوگ انہی الفاظ میں اسی ترتیب کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔ لیکن حدیث کی نوعیت اس سے بالکل مختلف تھی وہ لفظی ہونے کے باوصف زیادہ تر عملی تھی۔ اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح وحی نہیں تھے بلکہ اُن کو نبی ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا تھا۔ پھر اس کے بڑے حصے کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے الفاظ میں بیان کر دیتے تھے جسے روایت بالمعنی (Indirect Narration) کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث بیان کرنے میں یہ پابندی نہ تھی کہ اسے لفظ بلفظ یا من وعن بیان کیا جائے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے، جو کہ اہل زبان تھے، یہ جائز تھا کہ وہ حضور ﷺ سے کوئی بات سُن کر اُسے اپنے الفاظ میں بیان کر دیں۔ پھر احادیث کی تلاوت مقصود نہ تھی بلکہ اُس تعلیم کی پیروی مقصود تھی جو آپ ﷺ دیتے تھے۔ ان احادیث کو محفوظ کرنے کے لیے اُس ترتیب کی بھی ضرورت نہ تھی جو قرآن کی آیتوں اور سورتوں کے لیے ضروری تھی، کہ پہلے فلاں حدیث ہو اور اس کے بعد فلاں ہو۔ اتنا کافی تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان احادیث کو یاد رکھیں اور دیانتداری کے ساتھ دوسرے لوگوں تک پہنچادیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے معاملے میں کتابت و تحریر کی جو اہمیت ہو سکتی تھی وہ حدیث کے معاملے میں نہیں ہو سکتی تھی۔

پھر یہ خیال کرنا بھی احمقانہ ہے کہ کسی چیز کے معتبر ہونے کے لیے اُس کا لکھا جانا ضروری ہے۔ اصل چیز اُس شخص کا قابل اعتماد ہونا ہے جس کے ذریعے سے ہم تک کوئی بات پہنچتی ہے خواہ وہ لکھی ہوئی ہو یا نہ لکھی ہوئی ہو ایک قابل اعتماد رپورٹر خواہ فون کر کے زبانی طور پر کوئی خبر دیدے، یا فیکس کر کے تحریری طور پر خبر بھیجے دونوں صورتوں میں اُس کی خبر کو یکساں طور پر معتبر سمجھا جاتا ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے اپنا قرآن لکھی ہوئی کتاب کی صورت میں آسمان سے نازل نہیں فرمایا بلکہ حضرت

محمد ﷺ کی زبان مبارک کے ذریعے اسے بندوں تک پہنچایا ہے کہ جو لوگ نبی ﷺ کی نبوت پر ایمان لائیں گے وہ نبی ﷺ صادق و مصدوق پر اعتماد کرتے ہوئے قرآن کو بھی اللہ کا کلام مان لیں گے۔

فرض کیجئے اگر نبی ﷺ قرآن کو صرف لکھوادیتے لیکن ہزاروں لوگ اسے حفظ کر کے آنے والی نسلوں تک زبانی نہ پہنچاتے تو کیا وہ لکھی ہوئی دستاویز بعد کے لوگوں کے لیے اس بات کا قطعی ثبوت ہوتا کہ یہ وہی قرآن ہے جسے نبی ﷺ نے لکھوایا تھا؟ وہ دستاویز بجائے خود ثبوت کی محتاج ہوتی۔ کیونکہ جب تک کچھ لوگ اس بات کی گواہی دینے والے نہ ہوتے کہ یہ کتاب نبی ﷺ نے ہمارے سامنے لکھوائی تھی، اُس وقت تک وہ کتاب معتبر نہیں ہو سکتی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے معتبر ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ لکھی ہوئی ہو بلکہ وہ اُسی وقت معتبر ہوتی ہے جب زندہ قابل اعتماد انسان اس کی شہادت دیں۔ آج رسول اللہ ﷺ کا لکھوایا ہوا قرآن دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے مگر اس سے قرآن کے معتبر اور مستند ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ متواتر زبانی روایات و شہادات سے اس کا معتبر ہونا ثابت ہے۔ بلکہ خود یہ بات کہ نبی ﷺ نے قرآن لکھوایا تھا، صرف روایات و احادیث ہی کی بنیاد پر صحیح مانی جاتی ہے ورنہ اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے اصل دستاویز ہی موجود نہیں ہے۔ اگر بالفرض وہ کہیں مل بھی جائے تو کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ یہ وہی صحیفے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے لکھوائے تھے۔

ہمارے ہاں کے منکرین حدیث کے مبلغ علم تو یہ حال ہے کہ وہ قرآن اور مصحف کا فرق بھی نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک قرآن وہ ہے جو تحریری شکل میں ہے جب کہ وہ قرآن نہیں ’مصحف‘ ہوتا ہے۔ قرآن وہ ہے جو اہل ایمان کے سینوں میں محفوظ رہتا ہے۔

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ (العنکبوت: 49)

”بلکہ یہ قرآن واضح آیتوں کا مجموعہ ہے جو ان لوگوں کے سینوں میں ہے جن کو علم عطا ہوا ہے۔“

آج بھی بلاد عرب میں چھپنے والے قرآن کے نسخے ’مصحف‘ کہلاتے ہیں قرآن نہیں کہلائے جاتے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب پہلی مرتبہ ایک جلد میں قرآن کو تحریری صورت میں جمع و مدون کرایا تھا تو اُس کا نام بھی قرآن نہیں تھا بلکہ اُسے ”المصحف الامام“ کہا جاتا تھا۔

پھر حدیث کا زیادہ تر تعلق عملی زندگی سے تھا جس کے لیے تحریر کی خاص ضرورت نہ تھی۔ نبی ﷺ کا

اسوۂ حسنہ اور عملی نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے تھا۔ وہ حضور ﷺ کو جس طرح کوئی کام کرتے دیکھتے ویسے ہی کرنا شروع کر دیتے۔ نماز ہی کو لیجئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جیسے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ویسے ہی نماز پڑھنی شروع کر دی اور اپنی اولاد اور آنے والی نسل کو سکھادی اور یہی سلسلہ اب تک مسلمانوں میں چلا آ رہا ہے کہ وہ اسی طریقے سے نماز پڑھتے ہیں جو طریقہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا تھا۔ یاد رکھیے، مسلمانوں نے نماز ادا کرنے کا طریقہ امام بخاری یا امام مسلم رحمہما کی کتب حدیث پڑھ کر نہیں سیکھا بلکہ وہ اسی طریقے پر نماز پڑھتے ہیں جو طریقہ ان کے ہاں ہر بعد میں آنے والی نسل نے اپنے سے پہلی نسل سے سیکھا اور جو نبی ﷺ سے تواتر کے ذریعے ثابت ہے، اور جو طریقہ ان دونوں بزرگوں کی پیدائش سے بھی پہلے اہل اسلام کے ہاں موجود تھا۔

حدیث جیسی عملی چیز کی کتابت پر اصرار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ جب تک شکاریات (Hunting) پر کتابیں نہیں لکھی گئی تھیں کیا لوگ جانوروں کا شکار نہیں کیا کرتے تھے؟ ضرور کرتے تھے اور ایک دوسرے سے شکار کرنے کا عملی طریقہ سیکھ لیتے تھے۔

یا آج اگر کوئی شہری بیگم صاحبہ یہ فرمائیں کہ مغلیہ دور میں کوئی عورت کھانا پکانا نہیں جانتی تھی کیونکہ اس وقت تک کوکنگ (Cooking) پر لکھی ہوئی کتاب (Written Book) موجود نہ تھی، تو کیا اس کی اس بات کو علمی تحقیق (Academic Research) کا نام دیا جائے گا یا کھلی حماقت تصور کیا جائے گا؟

بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر آج قرآن مجید کے تمام لکھے ہوئے نسخے اور مصاحف خدا نخواستہ دنیا سے ناپید بھی ہو جائیں جب بھی قرآن ہمارے درمیان حفاظ کرام کے ذریعے محفوظ رہے گا۔ اسی طرح بالفرض آج اگر صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری تمام کتابیں دنیا سے نابود بھی ہو جائیں پھر بھی اہل اسلام کو نبی ﷺ کی سنت کے مطابق زندگی گزارنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی کیونکہ ان کے ہاں حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ نسل در نسل تواتر کے ساتھ موجود اور محفوظ ہے جس کی رہنمائی میں وہ صحیح اسلامی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اور اسی طرح اگر خدا نخواستہ آج نبی ﷺ کی سیرت پر لکھی گئی کتب کا سارا دفتر بھی محو ہو جائے جب بھی اہل اسلام کی رہنمائی کے لیے حضور ﷺ کی مکمل سیرت، حفظ کیے ہوئے قرآن مجید کے ذریعے اور زبانی متواتر روایات کی بدولت اپنی اصلی صورت میں محفوظ رہے گی۔

تاہم اس سب کے باوجود یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں بھی بہت سی احادیث لکھی

گئیں۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے احادیث سن کر صحیفے مرتب کر لیے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ابتداء میں کتابت حدیث کی اجازت محدود تھی اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ لکھنے والے بہت تھوڑے تھے اور لکھنے کا سامنا کم یا ب تھا اس لیے اندیشہ تھا کہ جو لوگ وحی کے الفاظ اور آیات لکھتے ہیں وہی لوگ اگر حدیثیں بھی لکھیں گے تو اس طرح قرآن اور حدیث آپس میں خلط ملط (Mix up) ہو جائیں گے اور قرآن کے متن اور اس کی عبارت کے بارے میں شک پیدا ہو جائے گا۔ بعد میں جب لکھنے والیوں کی تعداد بڑھ گئی تو احادیث لکھنے کی عام اجازت دیدی گئی۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کی ہر بات نہ لکھا کرو کیونکہ آپ ﷺ کبھی خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی غصے میں ہوتے ہیں۔ اس پر انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ.)) (ابوداؤد، رقم 3646)
 ”تم احادیث لکھا کرو۔ قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔“

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

((مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدٍ
 اللَّهُ بِنِ عَمْرٍو، فَإِنَّهُ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ))

(صحیح بخاری، رقم 113۔ ترمذی، رقم 2668)

”نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایسا نہ تھا جو آپ ﷺ کی احادیث مجھے سے زیادہ جانتا ہو، سوائے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے، کیونکہ وہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔“
 (صرف یاد کرتا تھا)

جمع وتدوین کی تاریخ پر ایک نظر:

حدیث کے جمع وتدوین کا کام عہد نبوی ﷺ میں شروع ہو گیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی عہد میں حدیثوں کے قریباً پندرہ (15) صحیفے لکھے تھے۔ مثال کے طور پر:

(1) صحیفہ علی بن ابی طالب.....: یہ صحیفہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا۔ اس میں دیت اور

زکوٰۃ و صدقات سے متعلق احادیث تھیں اور اس میں مدینہ منورہ کے حرم ہونے کا ذکر بھی تھا۔
 (2) صحیفہ الصادقہ: یہ صحیفہ ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھا۔ اسے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا۔ اُن کے خاندان میں کئی نسلوں تک یہ صحیفہ موجود رہا۔ بعد میں اس کی تمام احادیث مسند احمد میں شامل کر لی گئیں۔

(3) صحیفہ ہمام بن منبہ: یہ صحیفہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اُن 139 احادیث پر مشتمل ہے، جو انہوں نے اپنے شاگرد ہمام بن منبہ کو لکھوائی تھیں۔

(4) صحیفہ اعرج: اسے صحیفہ ہمام بن منبہ کا منشی (Duplicate Copy) سمجھنا چاہیے۔ اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ 139 احادیث شامل ہیں جو انہوں نے اپنے دوسرے شاگرد اعرج کو لکھوائی تھیں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں صحیفوں کی احادیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں شاگردوں کو بیک وقت یا ایک سے زیادہ مجلسوں میں لکھوائی تھیں اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خود سن کر ان احادیث کو الگ الگ طور پر تحریر کر لیا تھا۔

(5) صحیفہ جابر بن عبد اللہ: اسے ”صحیفہ ابو زبیر“ بھی کہتے ہیں۔ اس کی تمام احادیث ابو زبیر نے مشہور صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے خود سن کر لکھی تھی۔ جیسا کہ سیر اعلام النبلاء نامی کتاب میں مذکور ہے۔

(6) صحیفہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

(7) صحیفہ جابر بن سمیرہ رضی اللہ عنہ

(8) صحیفہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

(9) صحیفہ سیدنا سمیرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

(10) صحیفہ سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ

(11) صحیفہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ

(12) ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد پچاس (50) سے زیادہ ہے، جنہوں نے خود حدیثیں لکھیں یا اُن کو لکھوادی گئیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الدکتور محمد مصطفیٰ الاعظمی کی کتاب ”دراسات فی

الحدیث النبوی و تاریخ تدوینہ“ ص: 92 تا 142۔

(13) نبی ﷺ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خواہش پر اور کبھی از خود ان کے لیے احادیث لکھوائی تھیں، جیسا کہ صحیحین کی بعض روایات سے ظاہر ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھئے:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم ((الوثائق السیاسیہ)) اور شیخ علی الاحمدی کی کتاب ”مکاتیب

الرسول ﷺ“

عہد تابعین میں تدوین حدیث:

پھر تابعین کے دور میں تدوین و کتابت حدیث کا کام زیادہ بڑے پیمانے پر ہوا کیونکہ اس دور میں مسلمانوں کے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (جن کو پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے) نے علماء کو سرکاری طور پر حکم جاری کیا تھا کہ وہ تدوین حدیث کا کام کریں۔

چنانچہ اس عہد میں جس شخص نے سب سے بڑھ کر تدوین حدیث کا کام کیا وہ امام ابن شہاب زہری (پیدائش 58ھ۔ وفات 164ھ) تھے۔ جنہوں نے مدینے میں بیٹھ کر احادیث کا بہت بڑا تحریری ذخیرہ جمع کر دیا۔

ان کے علاوہ جن تابعین نے حدیث کی تدوین و کتابت کے کام میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- (1)..... سعید بن مسیب (پیدائش 14ھ۔ وفات 93ھ)
- (2)..... حسن بصری (پیدائش 21ھ۔ وفات 110ھ)
- (3)..... ابن سیرین (پیدائش 33ھ۔ وفات 110ھ)
- (4)..... عروہ بن زبیر (پیدائش 22ھ۔ وفات 94ھ)
- (5)..... علی بن حسین [زین العابدین] (پیدائش 38ھ۔ وفات 94ھ)
- (6)..... مجاہد (پیدائش 21ھ۔ وفات 104ھ)
- (7)..... قاسم بن محمد (پیدائش 37ھ۔ وفات 104ھ)
- (8)..... نافع [مولیٰ عبداللہ بن عمر].... (وفات 117ھ)
- (9)..... سعید بن جبیر (پیدائش 45ھ۔ شہادت 95ھ)

- (10)..... سلیمان الأعمش (پیدائش 61ھ - وفات 148ھ)
 (11)..... عکرمہ مولیٰ ابن عباس (پیدائش 22ھ - وفات 105ھ)
 (12)..... عطاء بن ابی رباح (پیدائش 27ھ - وفات 115ھ)
 (13)..... قتادہ (پیدائش 61ھ - وفات 117ھ)
 (14)..... علقمہ (وفات 62ھ)
 (15)..... ابراہیم نخعی (پیدائش 46ھ - وفات 96ھ)
 تبع تابعین اور دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث:

اس کے بعد تبع تابعین کا دور آتا ہے۔ اس عہد میں اور دوسری صدی ہجری میں جن علماء نے حدیث کی تدوین کا کام کیا، ان میں درج ذیل بہت مشہور ہیں:

- (1)..... ابن جریج (پیدائش 80ھ - وفات 150ھ)
 (2)..... امام اوزاعی (پیدائش 88ھ - وفات 156ھ)
 (3)..... امام مالک (پیدائش 93ھ - وفات 179ھ) ✓
 (4)..... سفیان ثوری (پیدائش 97ھ - وفات 161ھ)
 (5)..... امام محمد بن حسن شیبانی (پیدائش 131ھ - وفات 189ھ)
 (6)..... محمد بن اسحاق (وفات 151ھ)
 (7)..... سلیمان بن داؤد (وفات 204ھ)
 (8)..... عبدالرزاق صنعانی (پیدائش 126ھ - وفات 211ھ)
 (9)..... ابن سعد (پیدائش 168ھ - وفات 220ھ)
 (10)..... ابوبکر بن ابی شیبہ (پیدائش 159ھ - وفات 235ھ)
 (11)..... امام احمد بن حنبل (پیدائش 164ھ - وفات 241ھ) ✓
 (12)..... اسحاق بن راہویہ (پیدائش 161ھ - وفات 238ھ)

صحیح بخاری سے پہلے کی کتب:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے قبل زمانے کی لکھی ہوئی جو کتب احادیث آج موجود ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

- (1)..... مؤطا از امام مالک (وفات 179ھ)
 - (2)..... کتاب الخراج از امام ابو یوسف (وفات 182ھ)
 - (3)..... کتاب الآثار از امام محمد بن حسن شیبانی (پیدائش 131ھ- وفات 189ھ)
 - (4)..... الطبقات الکبریٰ، ابن سعد (پیدائش 168ھ- وفات 220ھ)
 - (5)..... مسند احمد بن حنبل (وفات 241ھ)
 - (6)..... مسند طیالسی از ابوداؤد طیالسی (وفات 211ھ)
 - (7)..... المصنف عبدالرزاق
 - (8)..... المصنف ابوبکر بن ابی شیبہ
 - (9)..... مسند حمیدی، امام عبداللہ بن زبیر حمیدی (وفات 219ھ)
 - (10)..... کتاب المغازی، از موسیٰ بن عقبہ (پیدائش 141ھ)
- ”تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ“

مذکورہ بالا حدیث کی تمام کتب امام بخاری کی ”الجامع الصحیح“ سے پہلے کی ہیں اور آج دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے اکثر کے تراجم بھی ہو چکے ہیں۔

6- صحاح ستہ کے مؤلفین کا دور:

پھر اس کے بعد جامعین حدیث کا دور آتا ہے، جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (وفات 256ھ)، امام مسلم (وفات 261ھ) اور صحاح کے دوسرے مؤلفین کے علاوہ چند اور محدثین بھی آتے ہیں، جن کی کتب آج ہمارے سامنے ہیں جن سے تدوین حدیث کے کام کی تکمیل کے لیے صحیح اور ضعیف حدیثیں بھی الگ الگ کر دی گئیں۔

اب کیا تدوین حدیث کی اس تاریخ کو دیکھ کر کوئی شخص یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ حدیثیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو تین سو سال بعد لکھی گئیں اور اس سے پہلے وہ کسی گوشہ گمنامی میں پڑی ہوئی تھیں۔ کچھ اس کتاب کے بارے میں:

میں نے اس کتاب ”مشکوٰۃ الحدیث“ کی بنیاد احادیث کے ایک مشہور و متداول مجموعے ”مشکوٰۃ المصابیح“ کی صحیح حدیثوں پر رکھی ہے۔ مذکورہ مجموعہ ولی الدین خطیب تبریزی (م 748ھ) نے 737ھ میں

مرتب کیا تھا اور جو دراصل محی السنۃ امام بغویؒ (م 516ھ) کے ایک مجموعہ احادیث ”مصباح السنۃ“ کی تہذیب و تکمیل ہے۔

”مشکوٰۃ الحدیث“ کی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جو صرف ایمانیات سے متعلق سو (100) سے زیادہ حدیثوں پر مشتمل ہے۔ انشاء اللہ یہ کتاب مزید تین جلدوں میں مکمل ہوگی جن میں بالترتیب عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے بارے میں صحیح احادیث شامل ہوں گی۔

اس کتاب کی کچھ خصوصیات یہ ہیں:

1: اس میں ”مشکوٰۃ المصابیح“ سے صرف صحیح حدیثیں لی گئیں ہیں اور ان کو نئی ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

2: ہر حدیث کے مضمون کا عنوان قائم کیا گیا ہے اور نئے ابواب باندھے گئے ہیں۔

3: احادیث کے عربی متن پر اعراب لگا کر اس کا آسان اردو ترجمہ اور جدید انداز میں تشریح کی گئی ہے۔

4: ”مشکوٰۃ المصابیح“ سے لی گئی ہر حدیث کا اصل نمبر بھی دیا گیا ہے۔

5: ”مشکوٰۃ المصابیح“ کے علاوہ دوسری کتب حدیث کے حوالے بھی ہر حدیث کے تحت دیے گئے ہیں۔

6: آغاز میں علمی مباحث پر مبنی ایک مبسوط و مفصل مقدمہ تحریر کیا گیا ہے جس میں منصب رسالت، اطاعت

رسول ﷺ کی اہمیت، حجیت حدیث، کتابت حدیث اور تدوین حدیث کی مختصر تاریخ جیسے امور پر

تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حدیث کے بارے میں پھیلانے گئے شکوک و شبہات کا ازالہ

کر دیا گیا ہے۔

7: علم حدیث سے متعلق بعض فنی اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے۔

8: اس میں مذکور تمام روایان حدیث کے مختصر حالات زندگی بھی آخر میں شامل ہیں۔

9: اس کی احادیث کے مشکل اور غریب الفاظ کے معانی اور ان کے مادوں (ROOTS) کا ایک فرہنگ

بھی تیار کیا گیا ہے۔

10: اس میں آمدہ تمام احادیث کا ایک اشاریہ (INDEX) بھی شامل ہے جس سے مطلوبہ حدیث تلاش

کرنا آسان ہے۔

﴿إِنَّ لِيَ عَشْرَةَ﴾

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اس عاجز کو خدمت حدیث کی توفیق عطا فرمائی۔ اس موقع پر ”مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ.“ (جس نے انسانوں کا شکر یہ ادا نہیں کیا اُس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔ الحدیث) کے مصداق میں عزیزہ فریحہ میلا صاحبہ اور عزیزہ فریدہ کاردار صاحبہ کا بھی شکر گزار ہوں۔ اس کام میں مجھے اپنی ان دونوں تلمیذات کی مفید مشاورت اور بھرپور معاونت حاصل رہی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے علم و عمل میں برکت دے اور ان سے اپنے دین کی خدمت و اشاعت کا کام لے۔

دُعا ہے کہ رب کریم اس سلسلہ کتاب کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اسے لوگوں کے لیے مفید بنائے۔ میری اس خدمت کو قبول فرمائے۔ میری لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔ اس میں جو کچھ حق ہے وہ من جانب اللہ ہے اور جہاں کہیں کوئی خطا ہے وہ میری ہے۔ البتہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر یہ کہتا ہوں کہ میں نے پورے اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ احادیث کا صحیح مدعا بیان کرنے کی امکانی کوشش کی ہے اور کسی مخصوص نظریے کی وکالت کیے بغیر ہر قسم کے گروہی اور مسلکی تعصبات سے بالاتر رہ کر یہ کام کیا ہے۔

”هَذَا مَا عِنْدِي ، وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ ، وَهُوَ وَلِيُّ التَّوْفِيقِ“

والسلام

احقر العباد

محمد رفیق ، لاہور

مطابق 31 دسمبر 2009ء

13 محرم الحرام 1431ھ



باب 1..... نیت اور اخلاص عمل

1- اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے

1..... ((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مِمَّا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَإِلَى رَسُولِهِ، فَهِيَ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَإِلَى رَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ هِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.))

صحیح بخاری ، رقم: 54/1

نسائی ، رقم: 75

مشکوٰۃ المصابیح ، مقدمہ مؤلف ، حدیث: 1

صحیح مسلم ، رقم: 4927

اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 1245

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق جزا و سزا ہوگی۔ پھر جو آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کرے گا، اُس کی یہ ہجرت واقعی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہوگی۔ لیکن جو کسی دنیاوی غرض کے لیے، یا کسی عورت سے شادی کی خاطر ہجرت کرے گا، تو اُس کی ہجرت انہی کی طرف شمار ہوگی۔“

تشریح:

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کا ہر عمل اُس کی نیت کے لحاظ سے جانچا اور پرکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ صرف صالح عمل کو قبول کرتا ہے اور کسی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جو صالح نہ ہو۔

کسی عمل کے صالح ہونے اور آخرت میں مقبول ہونے کے لیے درج ذیل تین شرطیں ضروری ہیں:

- 1: وہ کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر کیا جائے۔
- 2: وہ کام ایمان کی حالت میں کیا گیا ہو۔ کسی کافر کا کوئی عمل بھی صالح نہیں ہوتا اگرچہ وہ بظاہر نیکی نظر

آئے۔

3: وہ کام اسلامی شریعت میں جائز اور معروف ہو اور اسے شریعت ہی کے مطابق سرانجام دیا جائے۔ ان تین شرائط کے ساتھ جو کام کیا جائے گا صرف وہی ”صالح“ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔ اس کے برعکس جو کام مذکورہ بالا تین شرطوں میں سے کسی ایک بھی شرط کے بغیر ہوگا، وہ نہ تو عمل صالح ہے اور نہ اُسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔

اس حدیث میں ہجرت کی مثال دی گئی ہے۔ اسلام میں اللہ کی راہ میں ہجرت کرنا ایک ایسا نیک کام ہے جس کا بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ لیکن جب یہی ہجرت جو بظاہر اللہ کی راہ میں کی گئی ہو اس میں نیت کسی دنیاوی غرض کی ہو، یا دارالہجرت جا کر وہاں کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو ایسی صورت میں وہ ہجرت اللہ کی راہ میں نہیں ہے، نہ وہ صالح عمل ہے اور نہ اس پر کوئی اجر، بلکہ الٹا گناہ ہے۔

یہی حال اسلام کے دوسرے تمام اعمال و احکام کا ہے۔ اگر نماز بھی دکھاوے کی ہو تو اس پر بھی کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ الٹا عذاب ہوگا۔

رہے وہ کام جو اسلام میں ویسے ہی منع ہیں جیسے چوری اس نیت سے کرنا کہ اس کے ذریعے غریبوں کی مدد کی جائے تو یہ بھی عمل صالح نہیں بلکہ ایسا کرنا الٹا حرام ہے۔

نبی ﷺ کی ایک اور حدیث سے بھی نیت اور اخلاص عمل کی اہمیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن سب سے پہلے جس آدمی کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا۔ جب اُسے اللہ کے سامنے لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے بتائے گا کہ کیا کیا نعمتیں اسے دی گئیں۔ وہ ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا بتاؤ تم نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا۔ تم نے اس لیے جہاد کیا تاکہ تیری شہرت ہو کہ تو بہادر ہے اور تم بہادر مشہور ہوئے۔ پھر حکم ہوگا کہ اُسے اوندھے منہ گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے۔“

اسی طرح دوسرا شخص ہوگا جس نے دین کا علم سیکھا اور سکھایا ہوگا۔ وہ قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسے بھی اپنی نعمتیں یاد

دلائے گا۔ وہ ان سب کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: بتاؤ تم نے میری نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے دین کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھایا۔ تیری خاطر قرآن پڑھا۔ ارشاد ہوگا: تم نے جھوٹ بولا۔ تم نے اس لیے علم سیکھا تا کہ عالم کہلائے۔ تم نے قرآن پڑھا تا کہ قاری اور حافظ کہلوائے۔ وہ تمہیں کہا گیا۔ پھر اس کے لیے بھی حکم ہوگا کہ اسے اوندھے منہ گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے۔

اسی طرح تیسرا شخص ہوگا جسے اللہ نے دنیا میں مال و دولت سے نوازا۔ اُسے بھی اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا: تم نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیرے تمام پسندیدہ کاموں پر مال خرچ کیا اور تیری خاطر کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا۔ تم نے یہ سب کچھ اس لیے کیا تا کہ تم سخی کے طور پر مشہور ہو جاؤ۔ پھر تم دنیا میں سخی مشہور ہو گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اسے بھی اوندھے منہ گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے۔“

(صحیح مسلم، رقم 4923۔ نسائی، رقم 3137)

زیر بحث حدیث بھی اُن ”جوامع الکلم“ میں سے ہے جو نبی کریم ﷺ کو خاص طور پر عطا کیے گئے۔ جو کم الفاظ اور مختصر ہونے کے باوجود اتنے جامع ہوتے ہیں جیسے دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ اس حدیث کی اسی اہمیت کے پیش نظر امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی ”الجامع الصحیح“ کے بالکل آغاز ہی میں بیان کیا ہے۔



2: اللہ تعالیٰ ہماری شکلیں نہیں ہمارے دلوں کو دیکھتا ہے

2..... ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم - 5314 صحیح مسلم، رقم - 6543 ابن ماجہ، رقم - 4143

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔“

تشریح:

ایک اور روایت میں ”أَمْوَالِكُمْ“ (تمہارے مال) کی بجائے ”أَجْسَادِكُمْ“ (تمہارے جسم) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ تاہم مضمون ایک ہی ہے۔

اس حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی قبولیت کا معیار اُس کی شکل و صورت، مال و دولت، حسب و نسب اور قوم و خاندان نہیں ہے بلکہ دل کی درستی اور اچھا اخلاق و کردار ہے۔ اُسے دل کا ایمان اور اخلاص پسند ہے جو کہ انسان کی اپنی کوشش اور محنت پر منحصر ہے۔ ورنہ شکل و صورت تو اُس نے خود بنائی ہے، مال و دولت بھی وہی دیتا ہے اور قوم و خاندان بھی اتفاقی چیز ہے اس میں انسان کا اپنا کوئی کمال نہیں کہ اس بارے میں اُس کی تحسین کی جائے۔

باب 2..... دین اسلام کا تعارف

3..... حدیث جبریل علیہ السلام (اسلام، ایمان اور احسان)

3..... ((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فِخْذَيْهِ، وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ؟ قَالَ: ((الْإِسْلَامُ: أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا)) قَالَ: صَدَقْتَ - فَعَجِبْنَا لَهُ، يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ! [قَالَ] فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ؟ قَالَ: ((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ)) قَالَ: صَدَقْتَ - فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ؟ قَالَ: ((أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ)) قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: ((مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ)) قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ أَمَارَاتِهَا؟ قَالَ: ((أَنْ تَلِدَ أَلَمَةٌ رِبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّيْءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ)) قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ، فَلَبِثْتُ مَلِيًّا، ثُمَّ قَالَ لِي: ((يَا عُمَرُ! أَتَدْرِي مَنْ السَّائِلُ))؟ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ - قَالَ: ((فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يَعْلِمُكُمْ دِينَكُمْ.))

ابوداؤد، رقم 4695

صحیح مسلم، رقم 93

مشکوٰۃ المصابیح رقم 2

مسند احمد، رقم 367

ابن ماجہ، رقم 63

جامع ترمذی، رقم 2610

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس دوران میں ایک آدمی آیا۔ اُس کے کپڑے نہایت سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے۔ اس پر سفر کے اثرات نہ تھے۔ ہم میں سے کوئی اُسے جانتا نہ تھا۔ آتے ہی وہ دوزانو ہو کر نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس

نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے اور کہنے لگا: اے محمد ﷺ! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں“ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور تم سے ہو سکے تو بیت اللہ کا حج کرو۔“ اس نے کہا: آپ ﷺ سے سچ فرمایا۔ ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ وہ شخص خود ہی آپ ﷺ سے سوال کرتا ہے اور پھر آپ ﷺ کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ اس نے پھر پوچھا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ۔“ اس نے کہا: آپ ﷺ نے سچ فرمایا: پھر اُس نے پوچھا: مجھے احسان کے بارے میں بتائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اُسے دیکھ رہے ہو، اور اگر اُسے نہیں دیکھ پاتے تو وہ تمہیں یقیناً دیکھ رہا ہے۔“ پھر اُس شخص نے کہا: مجھے قیامت کے بارے میں بتائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے بارے میں جس سے پوچھ رہے ہو وہ تم پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔“

اُس نے پھر پوچھا: مجھے اُس کی کچھ نشانیاں ہی بتادیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی اور ننگے پاؤں اور ننگے بدن والے ننگ دست بکریوں کے چرواہوں کو تم دیکھو گے کہ وہ بلند و بالا عمارتیں بنائیں گے اور ان پر فخر کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا:

عمر رضی اللہ عنہ! جانتے ہو یہ کون شخص تھا؟

میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تم لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے۔“

تشریح:

اس متفق علیہ حدیث کو عام طور پر ”حدیث جبریل علیہ السلام“ کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ علماء نے اسے ”اُمُّ السُّنَّہ“ بھی قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث پورے دین کا خلاصہ اور عطر ہے جیسے سورۃ فاتحہ کو ”اُمُّ الْکِتَاب“ کہا گیا ہے کہ وہ بھی پورے قرآن کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

یہ حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے اور بعض دوسری کتب حدیث میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ سوال و جواب کے انداز میں دین سمجھانے والی اس حدیث کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں سب سے پہلے بیان کیا ہے۔ مذکورہ حدیث میں پانچ باتوں کا ذکر ہے:

(1)..... ایمان ✓

(2)..... احسان ✓

(3)..... قیامت کا علم ✓

(4)..... قیامت کی نشانیاں (5) اسلام ✓

اب ان کی تفصیل

1- اسلام:

اسلام کے لفظی معنی کسی کے آگے جھکنے، اپنے آپ کو اُس کے سپرد کر دینے، اور اُس کے تابع فرمان ہو جانے، کے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے وہ دین مراد ہے جو اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر لائے، جس میں بندہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دیتا ہے اور اس کی اطاعت اور بندگی کرتا ہے۔

توحید اور رسالت کی گواہی، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کو ارکانِ اسلام بھی کہا جاتا ہے اور یہ دینِ اسلام کا ظاہر ہے جسے ایک حدیث میں اسلام کی ایسی عمارت قرار دیا گیا ہے جس کے یہ پانچ ستون ہیں (جس کی وضاحت حدیث نمبر 4 میں کی گئی ہے) اور اس کا باطن وہ ایمان ہے جس میں اللہ پر ایمان، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے پیغمبروں پر، آخرت کے دن پر اور تقدیر پر ایمان لانا شامل ہے۔

2- ایمان:

ایمان کے لغوی معنی یقین کرنے، کسی پر اعتبار اور اعتماد کرنے اور کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد چند ایسے امور ہیں جن پر یقین کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ یہ تمام امور ایسے ہیں جو عقل سے معلوم نہیں کیے جاسکتے بلکہ یہ صرف وحی کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ ان کی تفصیل قرآن مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

1: اللہ تعالیٰ پر ایمان۔

2: فرشتوں پر ایمان۔

3: کتابوں پر ایمان۔

4: نبیوں اور رسولوں پر ایمان۔

5: آخرت پر ایمان۔

6: تقدیر پر ایمان۔

مذکورہ بالا چھ امور پر ایمان لانا اسلامی بنیادی عقیدہ ہے جو مختصر ہو کر کلمہ طیبہ ((لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ)) ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔“ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یاد رکھیے! جب بھی ایمان کی بات ہوگی تو اس میں یہ سارے امور شامل ہوں گے اور ان سب کا مجموعہ ہی ایمان کہلائے گا۔ ان میں سے ایک یا بعض امور کو ایمان نہیں کہا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابَ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابَ الَّذِي نَزَّلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (النساء: 136)

”اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ پر، اُس کے رسول پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اُن کتابوں پر جو پہلے نازل کی گئیں اور جو کوئی ایمان نہ لائے اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک کر دُور جا پڑا۔“

اسی طرح حدیث جبریل علیہ السلام میں بھی مذکورہ بالا چھ امور کے مجموعے ہی کو ایمان کہا گیا ہے:

((قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ؟ قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ.....)) (صحیح مسلم)

”اُس نے عرض کیا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے؟ آپ نے فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ تم اللہ

پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے پیغمبروں پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھو،

اور اچھی اور بُری تقدیر پر یقین رکھو۔“ اُس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا.....“

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان مذکورہ بالا چھ (6) امور کے مجموعے اور پیکج (Package) کا نام ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو لیکن رسولوں پر ایمان نہ رکھتا ہو تو اس کا ایمان معتبر اور مقبول نہیں ہے اور وہ ایمان والا نہیں ہو سکتا۔

1- اللہ پر ایمان

مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جائے۔

1- اللہ پر ایمان لانے کا مطلب:

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات پر یقین کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی سب کا خالق، رازق اور حاکم ہے۔ وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ قادرِ مطلق ہے۔ تمام اعلیٰ صفات کا مالک اور ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا تصور انسان کی فطرت میں ہے۔ انسان نہ اُس کا انکار کر سکتا ہے اور نہ اس میں شک کر سکتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (ابراہیم: 10)

”کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے، جو آسمانوں اور زمین کو وجود میں لانے والا ہے؟“

دوسری جگہ فرمایا:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ

لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَ لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الروم: 30)

”تو آپ ﷺ ایک سو ہو کر اپنا رخ اُس دین کی طرف رکھیں جو توحید کا فطری دین ہے، جس

پر اللہ نے سب لوگوں کو پیدا فرمایا اور اے لوگو! اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت کو تبدیل نہ کرو۔ یہی

سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ توحید یعنی ایک خدا کا تصور انسان کی فطرت میں شامل ہے۔

2- توحید:

توحید سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا اور بے مثل ہے۔ اس کی ذات، صفات اور اختیارات میں کوئی

دوسرا اُس کا شریک نہیں۔

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ تمام انبیائے کرام نے توحید کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

(النحل: 36)

”اور ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر اس دعوت کے ساتھ بھیجا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔“

قرآن کی سورہ اخلاص میں توحید کا مضمون بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ لَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الاخلاص)

”کہہ دیجیے اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اُس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اُس جیسا کوئی نہیں۔“

3- توحید کی عقلی دلیل:

توحید کی ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر کائنات میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ نظام کائنات کا تسلسل اور جاری رہنا اور اس میں کبھی بگاڑ پیدا نہ ہونا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات کا صرف ایک ہی خدا خالق، مدبر اور معبود ہے۔

دن رات کے نظام ہی کو دیکھ لیجیے جو ہمیشہ سے یکساں اور باقاعدہ چلا آ رہا ہے اور اس میں کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کائنات کا صرف ایک ہی قادر مطلق خدا ہے جو اس کا نظام باقاعدگی اور عمدگی سے چلا رہا ہے۔

قرآن مجید میں توحید کی یہ دلیل اس طرح بیان ہوئی ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الانبیاء: 22)

”اگر آسمانوں و زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔“

4- توحید کی اقسام:

توحید کو سمجھنے کے لیے اس کی تین اقسام بیان کی جاتی ہیں:

(1) توحید ربوبیت (2) توحید الوہیت

(3) توحید اسماء و صفات و اختیارات

(1) توحید ربوبیت:

توحید ربوبیت یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کو خالق و مالک اور پرورش کرنے والا مانا جائے۔ اُس کے سوا کسی اور خالق و مالک اور رب تسلیم نہ کیا جائے۔ اُسے ہر طرح کا تصرف اور اختیار حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار ہر انسان کی روح نے اس دنیا میں آنے سے پہلے کر لیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی روحوں کو پیدا کرنے کے بعد اُن سے عہد الٰہی لیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غٰفِلِينَ﴾ (الاعراف: 172)

”اور جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد کو نکالا اور پھر ساری روحوں سے عہد لیا تھا اور انہیں گواہ بنا کر پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، ہم اقرار کرتے ہیں، یہ اس لیے کہ تم لوگ قیامت کے دن عذر نہ کر سکو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔“

(2) توحید الوہیت:

توحید الوہیت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبودِ حقیقی مانا جائے۔ اُسی کی عبادت کے لائق سمجھا جائے۔ صرف اُسی کی عبادت کی جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ (البقرہ: 163)

”اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔“

توحید الوہیت میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ سجدہ صرف اللہ کے لیے جائز ہے، کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ عبادت کی ہر شکل اور ہر قسم جیسے دعا، خشوع و خضوع، خشیت، توبہ، استغفار، قربانی اور نذر و نیاز صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص اور جائز ہے۔

(3) توحید اسماء و صفات

توحید اسماء و صفات سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات اور اختیارات میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے۔ وہ اکیلا، یکتا اور بے مثل ہے۔ وہی نفع و نقصان کا مالک ہے۔ اُسی پر توکل کرنا چاہیے۔ استعانت اور مدد اُسی سے مانگنی چاہیے۔ زندگی اور موت کا اختیار بھی اُسی کے پاس ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اُس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات مثبت (Positive) بھی ہیں اور منفی (Negative) بھی ہیں۔ اللہ کی مثبت صفات یہ ہیں کہ وہ خالق ہے، رازق ہے، سننے والا، دیکھنے والا ہے اور قدرت والا ہے۔ اللہ کی منفی صفات یہ ہیں کہ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا کوئی ثانی نہیں۔ اس کی کوئی بیوی نہیں، اس کی کوئی اولاد نہیں، وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مثبت اور منفی صفات کے حوالے سے دو قرآنی آیات خاص طور پر پیش نظر رکھنی چاہیے۔

مثبت پہلو کے لحاظ سے یہ آیت:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: 5)

”رحمان عرش پر قائم ہے۔“

منفی پہلو کے اعتبار سے یہ آیت:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: 11)

”اُس (اللہ) کی مثل کوئی شے نہیں ہے۔“

گویا کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ جیسی نہیں۔ اللہ اپنی ذات اور صفات میں کسی مخلوق سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا، وہ بے مثل ہے۔

5۔ توحید کے تقاضے:

توحید کے تقاضے یہ ہیں کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے۔ ہر شے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کی جائے۔ کیونکہ اہل ایمان کو ہر چیز سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرہ: 165)

”اور ایمان والے تو سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔“

یہ بھی توحید کے تقاضوں میں سے ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے دعائیں کی جائیں، اسی سے توبہ کی جائے، اسی سے گناہوں کی بخشش اور مغفرت مانگی جائے۔ قربانی، ذبیحہ اور نذر و نیاز اسی کے نام پر ہو۔ اسی سے خوف اور خشیت اختیار کی جائے۔ اسی کی خاطر کسی چیز سے محبت اور کسی چیز سے نفرت کا اظہار کیا جائے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ:

((مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ

الْإِيمَانَ .)) (ابوداؤد، رقم: 4681)

”جس نے اللہ ہی کے لیے کسی سے محبت کی، اللہ ہی کے لیے دشمنی کی، اللہ ہی کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے نہ دیا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔“

2- فرشتوں پر ایمان

تمہید:

عربی زبان میں فرشتے کو مَلَائِكَةٌ کہتے ہیں۔ اس کی جمع مَلَائِكَةٌ (فرشتے) آتی ہے۔ فرشتوں پر ایمان لانا اسلامی عقیدے کا ایک ضروری حصہ ہے۔ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ﴾ (البقرہ: 285)

”اللہ کا رسول ﷺ اُس چیز پر ایمان لایا جو اُس کے رب کی طرف سے اُس پر نازل ہوئی، اور مسلمان بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔“

حدیث جبریل علیہ السلام میں ہے کہ:

((قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، قَالَ صَدَقْتَ.....))

(صحیح مسلم، کتاب الایمان)

”اُس (جبریل علیہ السلام) نے پوچھا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے؟ فرمایا: یہ کہ تو ایمان لائے اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر۔ اُس (جبریل علیہ السلام) نے کہا: آپ ﷺ نے سچ فرمایا.....“

1- فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک طاقتور، معصوم اور غیبی مخلوق ہے جو نور سے پیدا ہوئی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ: ((خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ نَارٍ، وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وَصَفَ لَكُمْ))

”فرشتوں کو نور سے، جنات کو آگ کے شعلے سے اور انسانوں کو تم جانتے ہی ہو (کھلکھاتی بجتی مٹی سے پیدا کیا گیا)“

2- فرشتے انسانوں سے پہلے پیدا کیے گئے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَبَآءٍ مَّسْنُونٍ﴾
(الحجر: 28)

”اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ ”میں خمیر اُٹھے ہوئے گارے کی سوکھی مٹی سے ایک بشر (انسان) پیدا کرنے والا ہوں۔“

ان دو آیات سے معلوم ہوا کہ فرشتے انسانوں کی تخلیق سے پہلے موجود تھے۔

فرشتوں کے کام:

فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کائنات کا نظام چلاتے ہیں۔ اُن کی مختلف ذمہ داریاں ہیں۔ کوئی وحی لانے والا ہے۔ کوئی روزی پہنچانے والا، کوئی موت یعنی روح قبض کرنے والا اور کوئی صور پھونکنے والا ہے۔ کچھ فرشتے پہاڑوں پر مقرر ہیں، کچھ ہواؤں پر، کچھ بارش پر، کچھ انسانوں پر اور کچھ جنت و دوزخ پر۔ اس طرح بعض فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر و تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔

چار مقرب فرشتے:

مقرب فرشتے چار ہیں۔ جبرئیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل علیہم السلام۔ ان کے ماتحت بے شمار فرشتے کام کرتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام کو ”الروح القدس“ اور ”الروح الامین“ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا کام رسولوں اور نبیوں تک اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچانا ہے۔

میکائیل علیہ السلام کے ذمے بارش برسانا اور روزی پہنچانا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام دونوں فرشتوں کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ عزرائیل علیہ السلام کا کام روح قبض کرنا ہے۔ یہ ملک الموت موت کا فرشتہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ
تَرْجَعُونَ﴾ (السجده: 11)

”کہہ دیجیے، جو ملک الموت موت کا فرشتہ تم پر مقرر کیا گیا ہے، وہی تمہاری جان قبض کرتا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

اسرائیل علیہ السلام کے ذمے صور پھونکنا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تین مرتبہ صور پھونکیں گے۔ جب پہلی دفعہ صور پھونکیں گے تو قیامت برپا ہو جائے گی۔ دوسری دفعہ صور پھونکیں گے تو مردے زندہ ہو جائیں گے اور تیسری دفعہ صور پھونکنے سے سب لوگ حشر کے میدان میں جمع ہو جائیں گے پھر وہاں ان کا حساب کتاب ہوگا۔ فرشتوں پر ایمان لانے میں حکمت:

فرشتوں پر ایمان لانے میں بہت سی حکمتیں اور فائدے ہیں:

- 1- اس سے اللہ تعالیٰ کی، جو کہ شہنشاہ کائنات ہے، عظمت و بزرگی کا احساس ہوتا ہے کہ اتنی طاقتور نورانی مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے بے بس اور عاجز ہے، اس کے ہر حکم کے آگے جھکی ہوئی ہے اور اُس کی تابع فرمان ہے۔
- 2- اس سے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا تصور ابھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت پر فرشتوں کو مامور کر رکھا ہے۔
- 3- فرشتوں پر ایمان لانے میں ایک حکمت اور فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر انسان کو جب یہ احساس ہوتا ہے کہ اُس کا ہر فعل ریکارڈ ہو رہا ہے تو وہ گناہوں سے بچنے اور زیادہ نیکیاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
- 4- فرشتوں پر ایمان لانے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب اتنی بڑی طاقت ور اور نورانی مخلوق جسے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہے تو کمزور اور خاکی انسان کو چاہیے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی کرے۔

3- کتابوں پر ایمان

کتابوں پر ایمان لانا بھی ایمان کا ایک لازمی حصہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَأَتْهُ وَكُتِبَهِ وَرُسُلِهِ﴾ (البقرہ: 285)

”اللہ کا رسول ﷺ اُس چیز پر ایمان لایا جو اُس کے رب کی طرف سے اُس پر نازل ہوئی اور مسلمان بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر۔“

کتابوں سے مراد وہ الہامی یا آسمانی کتابیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنے رسولوں پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے نازل فرمائیں۔ یہ سب اللہ کا کلام تھا جو لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی مخلوق کے لیے رحمت اور محبت کا اظہار ہے۔

1- الہامی کتب پر ایمان لانے سے مراد:

الہامی یا آسمانی کتب پر ایمان لانے سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں جو کتابیں اور صحیفے اپنے رسولوں پر نازل فرمائے، اُن پر یقین رکھا جائے، زبان سے ان کا اقرار کیا جائے اور دل سے اُن کی تصدیق کی جائے۔ کیونکہ ان الہامی کتب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔

لیکن سابقہ تمام الہامی کتابیں قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد منسوخ ہو چکی ہیں۔ ان پر ہمارا ایمان صرف اس لحاظ سے ہے کہ وہ اپنے دور میں معتبر اور مستند ہدایت تھیں اور اب ان کی یہ حیثیت باقی نہیں رہی۔ اہل کتاب نے خود اپنی ان کتابوں میں تحریف کردی اور ان میں رد و بدل کر ڈالا۔ اس لیے آج ہم پہلی موجودہ الہامی کتب کی باتوں پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ اب ان سب کتابوں کا نسخ اور نگہبان قرآن مجید موجود ہے۔ اب ہم صرف قرآن مجید کی ہتمام تعلیمات کو مانتے ہیں اور صرف اسی پر عمل کرنے کے مکلف اور پابند ہیں۔ کسی اور الہامی کتاب کی باتوں پر یقین کرنے اور اُس پر عمل کرنے کے مکلف اور پابند نہیں ہیں۔

قرآن مجید میں درج ذیل الہامی کتب کا ذکر آیا ہے:

توریت، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔ ان کے علاوہ کچھ صحیفوں کا ذکر بھی قرآن میں ملتا ہے۔

4- رسولوں پر ایمان

نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔

﴿أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَأَتْهُ وَكُتِبَ عَلَيْهِ وَرُسُلِهِ﴾ (البقرہ: 285)

”اللہ کا رسول ﷺ اُس چیز پر ایمان لایا جو اُس کے رب کی طرف سے اُس پر نازل ہوئی، اور مسلمان بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔“

1- عقیدہ نبوت و رسالت:

عقیدہ نبوت و رسالت ایمان کے بنیادی امور میں سے ہے۔ انبیاء و رسل پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر اللہ کے بندے اور معصوم انسان تھے۔ وہ مختلف زمانے میں اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچاتے رہے۔

نبوت و رسالت انسانیت کا سب سے اعلیٰ اور بلند ترین درجہ ہے جو کسی محبت اور کوشش کے نتیجے میں حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ مقام و مرتبہ سراسر وہی ہوتا ہے اور جو صرف محض اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے ملتا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے نبوت و رسالت کے منصب سے سرفراز فرماتا ہے۔

اطاعت رسول ﷺ اور قرآن مجید

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ آپ ﷺ جس بات کا حکم دیں اس پر عمل کرنا چاہیے اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جانا چاہیے۔ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ عمل ہے۔ حضور ﷺ کے ہر فیصلے کی پابندی سب پر واجب ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت

نہ کرنے سے لوگوں پر کوئی نہ کوئی مصیبت آتی ہے یا اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ جو عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے خالی ہو وہ بیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا معیار بھی اطاعت رسول ﷺ ہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی شخص کو اتنی ہی محبت ہوتی ہے جتنی وہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔

اطاعت رسول ﷺ کے بارے میں قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: 7)

”رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دے، لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ۔“

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: 80)

”جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تَبْطُلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾

(محمد: 33)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور ان (دونوں کی نافرمانی کر کے) اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔“

قرآن مجید کی طرح احادیث سے بھی اطاعت رسول ﷺ کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے احکامات کی ہمیشہ پیروی کی۔

(3) آپ ﷺ سے محبت کرنا:

رسول اللہ ﷺ سے محبت بھی ایمان کا حصہ ہے۔

بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ

أَجْمَعِينَ)) (بخاری و مسلم عن انس)

”تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کے لیے اُس کے

ماں باپ، اُس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

(4) آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا:

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبی ﷺ پر درود اور سلام بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب: 56)

”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر رحمت اور درود بھیجتے ہیں۔ لہذا اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجو۔“

صحیح حدیث میں ہے کہ:

”جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار رحمت و سلام بھیجتا ہے۔“ (صحیح مسلم، ابوداؤد)

(5) آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور ادب کرنا:

ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی تعظیم و توقیر کرے اور آپ ﷺ کا ادب ملحوظ رکھے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ...﴾ (الفتح: 9)

”تا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ، اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔“

5- آخرت پر ایمان

آخرت کے دن پر ایمان لانا بھی ایمان کا لازمی حصہ ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ عقیدہ آخرت سے مراد یہ ہے کہ یہ دنیا ایک دن فنا ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان سے حساب لے گا اور پھر نیک لوگوں کو جنت عطا کرے گا اور برے لوگوں کو دوزخ میں عذاب دے گا۔ قرآن مجید میں ہے کہ نیکی اور دینداری یہ ہے کہ دوسرے امور کے ساتھ ساتھ آخرت کے دن پر بھی ایمان لایا جائے۔

﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾

(البقرہ: 177)

”اور نیکی یہ ہے کہ جو ایمان لائے اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر۔“

1- قبر کی زندگی یا عالم برزخ:

برزخ کے لفظی معنی پردے کے ہیں لیکن اس سے مراد مرنے کے بعد قبر کی زندگی ہے جو دراصل دنیا اور آخرت کے درمیان ایک عالم برزخ ہے۔ قبر کی زندگی آخرت کی پہلی منزل ہے۔ جو اس مرحلے میں کامیاب ہو گیا وہ آخرت کے باقی مرحلوں میں بھی کامیاب رہے گا۔

حدیث نبوی ہے کہ:

”قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا پھر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔“

قبر کا عذاب برحق ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، قبر کا عذاب حقیقت ہے۔

6- تقدیر پر ایمان

تقدیر پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے۔ تقدیر سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ قواعد و ضوابط ہیں جو اُس نے کائنات کی ہر چیز کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ یہی وہ تدابیر الہی ہے جس کے مطابق دنیا کا سارا نظام چل رہا ہے۔ تقدیر کو اپنی بے عملی اور بد عملی کا بہانہ نہیں بنانا چاہیے۔ آخرت میں حساب کتاب صرف اُن باتوں کے بارے میں ہوگا جو انسان کے اختیار میں ہیں جو اس کے اختیار میں نہیں، اُن کا حساب بھی نہیں ہوگا۔ ایک تقدیر اٹل ہوتی ہے اور دوسری توبہ، دعا یا صدقے سے ٹل جاتی ہے۔

(تقدیر کے بارے میں مفصل مضمون کے لیے دیکھئے حدیث نمبر 60 کی تشریح)

ایمان کی حقیقت اور اُس کے اثرات

دنیا میں انسان کے لیے ایمان سب سے بڑی نعمت ہے جو کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ پڑھنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

1- ایمان کی حقیقت:

ایمان اسلامی عقیدے کی بنیاد ہے۔ لغت میں ایمان کی یہ تعریف کی گئی ہے:

((أَلَا يُؤْمِنُ هُوَ التَّصَدِيقُ الَّذِي مَعَهُ أَمْنٌ.))

(امام راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص: 26)

”ایمان اُس تصدیق کا نام ہے جس میں امن و اطمینان پایا جاتا ہو۔“

ایمان کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

((اَلْاِيْمَانُ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ .))

”ایمان زبان کے اقرار اور دل سے اُس کی تصدیق کرنے کا نام ہے۔“

بعض علماء نے مذکورہ تعریف میں وَعَمَلٌ بِالْجَوَارِحِ کا اضافہ کیا ہے۔ ان کے نزدیک اعضاء و

جوارح سے اس پر عمل کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔

2۔ ایمان میں کمی بیشی:

یہ بات قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ ایمان کی حالت اور کیفیت میں حالات و واقعات کے لحاظ

سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

﴿وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ (الانفال: 2)

”اور جب اللہ کی آیتیں اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان بڑھا دیتی ہے۔“

لیکن یاد رہے کہ اگرچہ ایمان کی کیفیت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لیکن نفس ایمان موجود رہتا ہے اور

فقہی اور قانونی طور پر ہر شخص کو اُس وقت تک مسلمان ہی سمجھا جائے گا اور اُسے ایک مسلمان شہری کے تمام

حقوق حاصل رہیں گے جب تک وہ دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد نہ ہو جائے۔ کیونکہ کوئی شخص آدھا یا چند فی صد

مسلمان نہیں ہوتا ہے۔ یا تو وہ مسلمان ہوتا ہے یا پھر غیر مسلم ہوتا ہے۔

کسی مسلمان سے جب کوئی کبیرہ گناہ ہو جاتا ہے تو اس صورت میں بھی وہ کافر نہیں ہو جاتا بلکہ وہ گناہ

گار مسلمان ہوتا ہے جسے فقہ کی اصطلاح میں فاسق و فاجر کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف اُس چیز کے انکار

سے کوئی شخص ایمان سے خارج ہوتا ہے جس چیز کے اقرار سے وہ ایمان میں داخل ہوا تھا۔ گویا ضروریات

دین کا منکر کافر ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ کسی مسلمان کو یقینی طور پر جنتی یا دوزخی نہیں کہا جاسکتا۔ گناہ گار مسلمان اپنی

سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا۔ جب کہ کافر اور مشرک کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنا ہے۔

ایمان کے اثرات:

جب کوئی شخص شعوری طور پر ایمان قبول کرتا ہے تو اُس کی شخصیت میں انقلاب آ جاتا ہے اور وہ پہلے

سے ایک مختلف اور نیا انسان بن جاتا ہے۔ وہ پہلے کافر یا مشرک تھا اب مومن اور موحد ہے۔ وہ پہلے شک اور وہم و گمان کی دنیا میں رہتا تھا، اب یقین اور خود اعتمادی کی فضا میں جیتا ہے۔ وہ پہلے دنیا کی ہر طاقت کے آگے جھکتا تھا، اب صرف اللہ کے آگے جھکتا ہے۔ وہ پہلے اسی دنیا کو اپنی سب سے بڑی متاع سمجھتا تھا لیکن اب اس کی نظر میں آخرت بہتر اور قابل ترجیح قرار پاتی ہے۔ اب وہ اچھے اخلاق کا مالک ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایمان لانے سے ایک انسان پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان اثرات میں سے چند ایک یہ ہیں:

(1)..... ایمان جرأت و بہادری سکھاتا ہے۔

(2)..... ایمان سے اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔

(3)..... ایمان مایوسی کو ختم کرتا ہے۔

(4)..... ایمان سے عالمگیر اخوت پیدا ہوتی ہے۔

(5)..... ایمان آدمی کو صابر و شاکر بنا دیتا ہے۔

3۔ احسان:

احسان کا مفہوم یہ ہے کہ نماز سمیت اللہ تعالیٰ کی ہر عبادت و اطاعت اس حالت میں کی جائے گویا ہم اُس عظیم خالق ہستی کو دیکھ رہے ہیں جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے عاجزی سے کھڑا رہتا ہے۔ لیکن اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو تو کم سے کم یہ احساس تو ضرور ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے اور میری ایک ایک نقل و حرکت کی نگرانی کر رہا ہے۔

4۔ قیامت کا علم:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں ہے۔ یہی بات قرآن مجید میں کئی مقامات پر بیان ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (لقمان: 34)

”بے شک اللہ ہی کو قیامت کے بارے میں علم ہے۔“

5۔ قیامت کی نشانیاں:

اس حدیث میں قیامت کی کئی نشانوں میں سے صرف دو کا ذکر آیا ہے۔

”ایک نشانی یہ کہ لونڈی اپنی مالکہ یا آقا کو جنے گی“۔ اس کے کئی مطالب بیان کیے گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک زیادہ بہتر مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے قریب والدین کی نافرمانی عام ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ عام حالات میں اطاعت شعار بیٹیاں بھی اُس وقت اپنی ماؤں کے مقابلے میں نہ صرف نافرمان ہو جائیں گی بلکہ اُن پر اپنا حکم چلائیں گی۔

قیامت کی دوسری نشانی یہ بتائی گئی کہ بھوکے ننگے، بکریاں چرانے والے لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اونچی اونچی عمارتیں بنوائیں گے۔

قیامت کی یہ نشانی اور نبی کریم ﷺ کی یہ پیش گوئی اب پوری ہو چکی ہے۔ آج تیل کی آمدنی کے باعث متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب کے شہروں میں آسمان سے باتیں کرتی عمارات بنائی گئی ہیں اور یہ وہی علاقے ہیں جہاں اس سے قبل بھوکے ننگے لوگ بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرا کر گزارہ کرتے تھے۔

4 جنوری 2010ء کو دبئی (متحدہ عرب امارات) میں دنیا کی بلند ترین عمارت ’برج الخلیفہ‘ کا افتتاح کیا گیا۔ اس موقع پر زبردست آتش بازی کا مظاہرہ ہوا۔ اس عمارت کی 160 منزلیں ہیں جن میں دفاتر، ریسٹوران، سوئمنگ پول اور فلیٹس بنائے گئے ہیں۔ اس کی بلندی 828 میٹر (قریباً 2717 فٹ) ہے۔ یہ 95 میل دور سے نظر آتی ہے۔ ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ سے یہ دگنی اونچی ہے۔ دوسرے نمبر پر آنے والی تائیوان کی بلند ترین بلڈنگ ’تپائی‘ 508 میٹر بلند ہے۔

یاد رہے کہ حدیث جبریل علیہ السلام کا یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری زمانے کا ہے۔ اس حدیث سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر کسی صاحبِ علم بزرگ سے ملاقات میسر آجائے تو اُس سے سوال و جواب کے ذریعے دین کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس سے بعض اوقات وہاں موجود دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

دوسرے اس حدیث میں یہ نصیحت بھی پوشیدہ ہے کہ اگر کسی چیز کے بارے میں صحیح علم نہ ہو تو صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ مجھے اس بارے میں علم نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بغیر علم کے غلط جواب دیدے گا تو گناہ گار ہوگا۔ بڑے بڑے صاحبانِ علم و فضل کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے کہ جو بات اُن کو معلوم نہ ہوتی اس کو وہ برملا اظہار کرتے اور اپنی لاعلمی پر پردہ نہیں ڈالتے تھے۔

4۔ اسلام کے بنیادی ارکان

4..... ((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَقَامِ الصَّلَاةَ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةَ، وَالْحَجَّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 3 صحیح بخاری رقم: 8 صحیح مسلم، رقم: 113
ترمذی، رقم: 2609 نسائی رقم: 5051 اللؤلؤ والمرجان، رقم: 9

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا۔“

اس حدیث میں اسلام کو ایک ایسی عمارت سے تشبیہ دی گئی ہے جو پانچ ستونوں پر قائم ہو۔ یہی اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں جن کو ارکانِ خمسہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے قیام پر اسلام کا قیام منحصر ہے۔ لہذا ان فرائض کی اسی اہمیت کے پیش نظر ان کو ادا کرنا بہت ضروری ہے اور ان کے بارے میں کوئی کوتاہی یا غفلت جائز نہیں۔

اسلام کی اس عمارت کے پانچ ستونوں میں سے اگر کوئی ایک ستون بھی گر جائے تو اس سے اسلام کی پوری عمارت کمزور ہو جاتی ہے۔

لیکن یاد رہے کہ اسلام میں صرف یہی پانچ فرائض نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی فرائض ہیں جیسے جہاد فی سبیل اللہ، والدین کی خدمت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (جس میں دعوت و تبلیغ شامل ہیں) وغیرہ۔ لیکن جو حیثیت اسلام میں ان پانچوں کو حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ یہ مستقل اور دائمی فرائض ہیں جو عبادات سے متعلق ہیں اور یہ مقصودِ اصلی ہیں۔ باقی تمام فرائض عام طور پر نہ تو دائمی ہیں اور نہ مقصود بالذات۔

بعض احادیث میں ان پانچوں کی پابندی پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

دین اسلام کا مختصر تعارف:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو ہی سچا دین قرار دیا۔ اُس کے مکمل ہونے کی خوشخبری دی اور اس کے سوا ہر دین کو نا منظور فرمایا۔

1. ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّيَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ

دِينًا﴾ [المائدہ: 3]

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔“

2. ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آل عمران: 19]

”بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی (سچا) دین ہے۔“

3. ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ﴾

[آل عمران: 85]

”اور جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرتا ہے، اللہ اس کے دین کو ہرگز قبول نہ کرے گا اور وہ شخص آخرت میں گھائے میں رہے گا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ سچا دین صرف اسلام ہے اور یہی ذریعہ نجات ہے۔ دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ بندوں کے لیے اللہ کی طرف سے مکمل ہدایت نامہ ہے۔ یہ زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں احکام و تعلیمات دیتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی اسلام ہی کی پیروی میں مضمر ہے۔

اسلام ایمانیات، عبادات، معاملات اور اخلاقیات پر مبنی ہے۔ ایمانیات میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ ایک ہے سب کا خالق ہے، عبادت کے لائق صرف وہی ہے۔ وہی رازق، مالک، حاکم اور بادشاہ حقیقی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ نہ کسی کا باپ اور نہ کسی کا بیٹا ہے۔

اسلام کی عبادات میں سب سے پہلے نماز ہے جو دن رات میں پانچ مرتبہ پڑھنی فرض ہے۔ اس کے بعد زکوٰۃ مالی عبادت ہے جو صاحب نصاب پر سالانہ فرض ہے۔ پھر روزہ بدنی عبادت ہے جو ہر سال رمضان المبارک کے فرض روزے رکھنے کا نام ہے۔ عمر میں ایک بار بیت اللہ شریف کا حج کرنا بھی صاحب استطاعت

پر فرض ہے۔

اس طرح دین اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے جو انسان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس کو اپنانے سے ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں امن و امان ہوتا ہے، عدل و انصاف کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ہر کسی کو اس کا حق ملتا ہے۔ آپس میں بھائی چارہ قائم ہوتا ہے۔ اچھے اخلاق کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ باہمی اعتماد اور الفت پیدا ہوتی ہے۔



5- ایک اعرابی (دیہاتی) کے لیے جنت کی خوش خبری

5..... ((وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ أَتَى أَعْرَابِيُّ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمَلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ: ((تَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ، وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ)) قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا شَيْئًا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ- فَلَمَّا وَلَّى ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا.))

صحیح بخاری ، رقم: 1397

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 14

اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 8

صحیح مسلم ، رقم: 107

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، فرض نماز ادا کرو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔

وہ شخص بولا: اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ان میں کوئی کمی بیشی نہ کروں گا۔ جب وہ روانہ ہونے لگا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

جسے یہ پسند ہو کہ وہ کسی جنتی شخص کو دیکھے تو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔“

تشریح:

اس حدیث میں درج ذیل باتیں قابل غور ہیں:

- 1: وہ اعرابی (دیہاتی) جس نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا وہ مسلمان تھا۔
- 2: اگرچہ اس حدیث میں صرف چار چیزوں کا ذکر ہے۔ توحید کا اقرار، فرض نمازوں کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور رمضان کے روزے رکھنا، اور انہی چار اعمال پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین اسلام کے دوسرے فرائض چھوڑ دیے جائیں۔

- 3: اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں ہے۔ ممکن ہے اُس وقت تک ابھی حج فرض نہ ہوا ہو۔
- 4: انبیائے کرام علیہم السلام معلم اور مربی ہوتے ہیں مصنف اور منطقی نہیں ہوتے۔ وہ بعض اوقات چند چیزیں بیان کر کے ان سے تمام چیزیں مراد لیتے ہیں۔ اس حدیث میں جن کاموں پر جنت کی بشارت دی گئی ہے اُن کے علاوہ بھی ایک مسلمان کے لیے دین اسلام کے احکام ہیں جن کی پابندی جنت میں داخلے کے لیے ضروری ہے۔



6۔ دین خیر خواہی کا نام ہے

6..... ((وَعَنْ تَمِيمِ بْنِ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: الدِّينُ النَّصِيحَةُ ثَلَاثًا. قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ: لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلَا ئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 4966 صحیح مسلم، رقم: 196 ابوداؤد، رقم: 4944
ترمذی، رقم: 1926 نسائی، 4199

”حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے تین بار فرمایا ”دین خیر خواہی کا نام ہے“ ہم نے عرض کیا: کس کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کے لیے، اُس کی کتاب کے لیے، اُس کے رسول ﷺ کے لیے، مسلمان حکمرانوں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔“

تشریح:

یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے جو حضرت محمد ﷺ کو عطاء فرمائے گئے۔ یہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مضمون بیان کرنے کی خوبی اور خصوصیت ہے جو نبوی فصاحت و بلاغت کا امتیاز ہے۔ صرف دو لفظوں میں پورے دین کی تعلیم کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔
امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس ایک حدیث کے اندر دین کے تمام مقاصد جمع ہیں۔

اس حدیث میں ”نصیحت“ کا لفظ آیا ہے جو اُن محدود معنوں میں نہیں ہے جس طرح اُردو زبان میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اُردو زبان میں نصیحت کے معنی اچھی بات سمجھانے، یا اچھا مشورہ دینے، کے ہیں۔ لیکن عربی زبان میں نصیحت کا لفظ بہت جامع ہے اور اس کے مفہوم میں، دوسروں کا بھلا چاہنا، اُن کی خیر خواہی کرنا، درد و محبت سے ہدایت دینا اور مخلص و وفادار ہونا، سب شامل ہیں۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ ”دین خیر خواہی کا نام ہے“ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کس کی خیر خواہی مقصود ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ خیر خواہی اللہ کے ساتھ ہے، اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہے، مسلمان حکمرانوں کے ساتھ ہے اور عام لوگوں کے ساتھ ہے۔

اب ان کی تفصیل:

- 1: اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے، اُسی کی عبادت کی جائے۔ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنایا جائے اور اس کے احکام کی پیروی کی جائے۔
 - 2: کتاب کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید سمیت تمام الہامی کتابوں پر ایمان لایا جائے۔ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، اُسے سمجھا جائے، اُس پر عمل کیا جائے اور اُس کی دعوت اور پیغام کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔
 - 3: اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ دوسرے انبیاء سمیت آپ ﷺ پر ایمان لایا جائے۔ آپ ﷺ کا احترام کیا جائے۔ آپ ﷺ سے محبت کی جائے اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی جائے۔
 - 4: مسلم حکمرانوں کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ معروف اور جائز کاموں میں اُن سے تعاون کیا جائے اور اُن کی اطاعت کی جائے۔ اُن سے نیک گمان رکھا جائے، اُن کی غلطیوں کی اصلاح کی جائے اور اُن کو اچھے مشورے دیے جائیں۔
 - 5: عام لوگوں کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اُن کو فائدہ پہنچایا جائے، اُن کو نقصان سے بچایا جائے۔ اُن کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے، اُن سے متعلق حقوق ادا کیے جائیں اور نیک کاموں میں اُن سے تعاون کیا جائے۔
- اس تفصیل کے بعد ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ مذکورہ حدیث پورے دین کی کس قدر جامع ہے اور اس میں تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کو جمع کر دیا گیا ہے۔
- اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک متفق علیہ حدیث ہے کہ:
- ((وَعَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.))
- صحیح بخاری، رقم: 524 صحیح مسلم، رقم: 199 نسائی، رقم: 4180
- ”حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنے پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔“

7۔ ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے

7..... وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بِبَهِيمَةٍ جَمْعَاءَ - هَلْ تُحْسِنُونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟ ثُمَّ يَقُولُ: ﴿فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾))

صحیح بخاری، رقم: 6599, 1385, 1358

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 90

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1702

صحیح مسلم، رقم: 6758, 6760, 6755

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اُسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسے ایک جانور بالکل صحیح و سالم جانور کو جنم دیتا ہے۔ کیا تم نے کبھی کان کٹا جانور پیدا ہوتے دیکھا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾

(الروم: 30)

”اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ اس فطرت کو تبدیل نہ کرو۔

یہی سیدھا دین ہے“

تشریح:

اس حدیث میں مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے کہ جیسے ہر جانور کے پیٹ سے صحیح و سالم بچہ پیدا ہوتا ہے اور یہ اس کی فطرتِ سلیمہ ہے لیکن بعد میں جب اُس کے کان کاٹ دیے جاتے ہیں تو اس سے فطرت میں تبدیلی آ جاتی ہے۔

بالکل اسی طرح کوئی انسان پیدائشی طور پر کافر، مشرک یا دہریہ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ایسی خالص فطرت لے کر آتا ہے جو صرف توحید کو جانتی، ایک ہی خالق و معبود کو مانتی اور اسلامی تعلیمات سے مانوس ہوتی ہے۔ اگر

ماحول نے اُس کی فطرت میں بگاڑ پیدا نہ کیا ہو تو وہ دین اسلام کو ایسے قبول کرے گا جیسے پیاسا پانی کی طرف لپکتا ہے۔ وہ اسلام کی دعوت کو اپنے دل کی آواز سمجھے گا۔ گویا ۵

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

لیکن یاد رہے کہ انسان کے فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب اُسے دین اسلام بھی خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ نہیں، بلکہ دین اسلام کی ہدایت کے حصول کے لیے انبیائے کرام کا واسطہ ضروری ہے۔ اس واسطے کے بغیر کوئی شخص نہ تو دین اسلام کا علم حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہدایت و رہنمائی پاسکتا ہے۔ ورنہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت کا سلسلہ قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔

ابتداء ہی میں تمام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حقیقت کا اعلان ہوا تھا کہ پیغمبرانہ ہدایت و رہنمائی کے بغیر منزل مقصود تک پہنچنا ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿فَمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

(البقرہ: 38)

”پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے، انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہونے کے باوجود ہر انسان نبیوں کی لائی ہوئی ہدایت کا

محتاج ہے۔

8- دین کی سمجھ بوجھ

8..... وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 200 صحیح بخاری، رقم 71 صحیح مسلم، رقم 2389
دارمی، رقم 224 ترمذی، رقم 2645 ابن ماجہ، رقم: 200
اللؤلؤ والمرجان، رقم: 615

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بہتری اور بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین میں تفقہ یعنی اُس کی سمجھ بوجھ عطا کرتا ہے۔ میں تو (علم) تقسیم کرنے والا ہوں جب کہ (فہم) اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ تفقہ فی الدین یعنی دین کی سمجھ بوجھ عطا کرتا ہے اُسے گویا سب سے بڑی بھلائی اور نعمت مل جاتی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ قرآن و سنت کے صحیح علم کا حاصل ہو جانا اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام ہے جو کسی شخص پر کیا جاتا ہے۔

آج مسلمانوں کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اُن میں تفقہ فی الدین یعنی دین کی صحیح سمجھ بوجھ نہیں ہے جس کی وجہ سے اُن کے عقیدے بگڑ چکے ہیں۔ اُن کی عبادت بے روح ہے، وہ توہم پرستی کا شکار ہیں، باہم نا اتفاقی ہے، بد نظمی ہے، فرقہ پرستی ہے، تنگ نظری ہے، بد اخلاقی ہے، منافقت ہے، بد معاملگی ہے، قبر پرستی اور پیر پرستی ہے، بے دینی، مغرب زدگی اور اغیار کی غلامی ہے۔ حالت یہ ہے کہ ان کو اسلام اور غیر اسلام کا بلکہ اپنے دوست اور دشمن کا فرق بھی معلوم نہیں رہا۔

قرآن و سنت کا صحیح علم انسان کے ایمان کو مضبوط بناتا، اُسے عملی طور پر سچا مسلمان بناتا اور اعلیٰ اخلاق و کردار کا نمونہ بناتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اللہ کا پسندیدہ اور محبوب بندہ بن جاتا ہے اور جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ نبی ﷺ کا کام علم کی حقیقت بتانا ہے لیکن علم کی صحیح سمجھ بوجھ عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ نبی ﷺ کا کام لوگوں تک اللہ کا دین پہنچانا ہے آگے ایمان کی توفیق دینا اور دین کی سمجھ عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

بعض لوگ تفقہ فی الدین سے صرف فقہ کا علم مراد لیتے ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ علم فقہ کی اصطلاح حضور ﷺ کے زمانے میں رائج نہ تھی یہ بعد میں بنائی گئی ہے۔ دوسرے علم فقہ کا تعلق صرف قرآن و سنت کے عملی احکام سے ہے۔ عقائد و اخلاق اس میں شامل نہیں جب کہ تفقہ فی الدین کا تعلق پورے دین اور اس کے تمام عقائد و اعمال کے فہم اور سمجھ بوجھ سے ہے۔

کچھ اور لوگ بھی ہیں جو اس حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے یہ مشرکانہ عقیدہ بھی برآمد کرتے ہیں کہ لوگوں کو جو روزی ملتی ہے وہ پیدا تو اللہ تعالیٰ کرتا ہے، رازق وہی ہے مگر اس رزق کو نبی ﷺ لوگوں میں بانٹتے ہیں، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیتے ہیں اور آپ ﷺ کے وسیلے کے بغیر نہ تو اللہ کی کوئی نعمت کسی انسان کو مل سکتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے وسیلے کے بغیر مانگی گئی کسی دعا کو قبول کرتا ہے کیونکہ دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کی تقسیم کا کام نبی ﷺ کے سپرد ہے۔



9۔ اسلام اور اعتدال پسندی

9..... وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ ثَلَاثَةٌ رَهْطٍ إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ ((يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا أُخْبِرُوا بِهَا كَانَتْهُمْ تَقَالُوبًا؛ فَقَالُوا: أَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ؟! فَقَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَا أَنَا فَأُصَلِّيَ اللَّيْلَ أَبَدًا، وَقَالَ الْآخَرُ: أَنَا أَصُومُ النَّهَارَ أَبَدًا، وَلَا أَفْطِرُ. وَقَالَ الْآخَرُ: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟! أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَا خَشَاكُمَ لِلَّهِ، وَأَتَقَاكُمُ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأَفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.))

صحیح بخاری ، رقم 5063

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 145

اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 885-

صحیح مسلم ، رقم: 3403

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس تین آدمی آئے تاکہ آپ ﷺ کی عبادت کے متعلق معلوم کر سکیں۔ جب ان کو اس بارے میں بتایا گیا تو ان کو یہ کچھ کم لگی۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہم کہاں اور نبی ﷺ کہاں؟ ان کی تو اللہ تعالیٰ نے ساری اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی ہیں۔

پھر ان میں سے ایک بولا: میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں دن کو ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ اس کے بعد نبی ﷺ ان کے پاس باہر تشریف لائے تو فرمایا:

تم لوگوں نے ابھی یہ باتیں کی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور پرہیزگار ہوں۔ لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں۔ میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ تم میں سے جو میری سنت سے منہ موڑے گا وہ میرا ساتھی نہیں ہے۔“

تشریح:

اسلام ایک معتدل اور متوازن دین ہے اور اس میں کوئی افراط و تفریط نہیں۔ وہ انتہا پسندی (Extremism) کے خلاف ہے اور اس کی تمام تعلیمات اعتدال اور توازن پر مبنی ہیں۔

مال خرچ کرنے کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ میانہ روی اور کفایت شعاری سے کام لیتے ہیں:

1. ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ [الفرقان: 67]
 ”اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ کفایت شعاری اختیار کرتے ہیں۔“

سورہ لقمان میں ہے کہ نہ زیادہ تیز چلو اور بالکل آہستہ بلکہ درمیانی چال چلو:

2. ﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ﴾ [لقمان: 19]
 ”اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر۔“

اب اعتدال پسندی کے حوالے سے دو احادیث پیش کی جاتی ہیں:

1. ((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَا عَبْدَ اللَّهِ! أَلَمْ أَخْبَرَ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ؟ فَقُلْتُ: بَلَى، يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ، صُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِحَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِرِزْوَجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِرِزْوَجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا. لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ. صَوْمٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ. صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَاقْرَأِ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ. قُلْتُ إِنَّي أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: صُمْ أَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوُدَ: صِيَامُ يَوْمٍ، وَأَفْطَارُ يَوْمٍ. وَاقْرَأْ فِي كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً، وَلَا تَزِدْ عَلَى ذَلِكَ.)) [بخاری و مسلم]

”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے بتایا نہیں گیا ہے کہ تو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات بھر قیام کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے فرمایا: ایسا نہ کر۔ روزے رکھ اور افطار کر۔ قیام کر اور نیند بھی کر،

کیونکہ تجھ پر تیرے جسم کا بھی حق ہے، تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی کا تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ اس شخص کا کوئی روزہ نہیں جس نے ہمیشہ روزے رکھے۔ ہر مہینے میں تین دن کے روزے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہیں۔ ہر ماہ تین روزے رکھ۔ ہر مہینے (ایک بار) قرآن کی تلاوت ختم کر۔ میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم افضل روزہ رکھو۔ وہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے، ایک دن روزہ، ایک دن ناغہ اور سات راتوں میں ایک بار قرآن کی تلاوت ختم کر اور اس پر اضافہ نہ کر۔“

مذکورہ بالا حدیث میں اعتدال پسندی کی تعلیم دی گئی ہے اور انتہا پسندی سے روکا گیا ہے۔

اب اسی سلسلے کی دوسری حدیث ملاحظہ ہو:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ، فَسَالَ عَنْهُ. فَقَالُوا: أَبُو اسْرَائِيلَ نَذَرَ أَنْ يَقُومَ، وَلَا يَقْعُدَ، وَلَا يَسْتَظِلَّ، وَلَا يَتَكَلَّمَ، وَيَصُومُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مُرُوهُ فَلْيَتَكَلَّمَ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيَتِمَّ صَوْمَهُ.))

[صحیح بخاری، کتاب الایمان والندور، حدیث نمبر: 6704]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو دیکھا جو دھوپ میں کھڑا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو لوگوں نے کہا: یہ ابو اسرائیل ہے۔ اس نے نذر مانی ہے کہ یہ کھڑا رہے گا۔ بیٹھے گا نہیں، نہ سائے میں آئے گا۔ نہ کسی سے بات کرے گا، نہ کھائے پیے گا، بلکہ روزہ رکھے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے کہو کہ یہ بات بھی کرے، سائے میں بھی بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کر لے۔“

مذکورہ بالا قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام ایک اعتدال پسند دین ہے۔ اس میں انتہا پسندی نہیں۔ اس میں توازن ہے۔ کوئی افراط و تفریط نہیں۔

باب 3..... توحید

10- صرف اللہ کو معبود جاننے والا جنت میں جائے گا

10..... وَعَنْ عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ)).

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 37

صحیح مسلم، رقم: 136

مسند احمد، رقم: 464

کنز العمال 123 216 217

”حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اس حالت میں موت آئی جب کہ اُسے یقینی علم تھا کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں تو وہ جنت میں جائے گا۔“

تشریح:

اسی مضمون سے ملتی جلتی چند اور احادیث بھی ہیں جیسے:

1: عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ((مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ.))

[صحیح مسلم، رقم: 142- ترمذی، رقم: 2638]

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: جو شخص یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ اُس پر دوزخ حرام کر دے گا۔“

2: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ.))

صحیح بخاری، رقم: 5827

صحیح مسلم، رقم: 273

”جس بندے نے یہ اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر وہ اسی عقیدے پر فوت ہو گیا، تو

وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

3: ((وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنْتُ رَدَفَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى حِمَارٍ، لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مُوْخِرَةُ الرَّحْلِ، فَقَالَ: يَا مُعَاذُ! هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ؟ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ؟ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا. فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَفَلَا أُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ؟ قَالَ: ((لَا تُبَشِّرُهُمْ فَيَتَكَلَّبُوا.))

صحیح بخاری، رقم: 2856 صحیح مسلم، رقم: 144 مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 24

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا۔ میرے اور آپ ﷺ کے درمیان صرف کجاوے کا پچھلا حصہ یعنی پالان کی ایک لکڑی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ! کیا تم جانتے ہو اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اُس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اُسی کی عبادت کریں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کو عذاب نہ دے جو اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو۔ میں نے عرض کیا: کیا میں لوگوں کو اس کی خوش خبری نہ دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں خوش خبری نہ دو ورنہ وہ اسی بات پر بھروسا کر لیں گے۔“

4: وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَمَعَاذُ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ، قَالَ: ((يَا مُعَاذُ!)) قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ. قَالَ: ((يَا مُعَاذُ!)) قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ، وَثَلَاثًا. قَالَ: ((مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ)) قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوا؟ قَالَ: ((إِذَا يَتَكَلَّبُوا)) فَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَائِبًا.

صحیح بخاری، رقم: 128 صحیح مسلم، رقم: 148 مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 25

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک سواری پر تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ! انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: معاذ! انہوں نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: معاذ! انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیں۔ تین دفعہ ایسے ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سچے دل سے یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، تو اللہ اُس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اس کے متعلق لوگوں کو بتا دوں تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تو وہ اسی پر بھروسا کر کے بیٹھ جائیں گے۔“

پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے (تبلیغ نہ کرنے) گناہ سے بچنے کی خاطر اس حدیث کو اپنی موت کے وقت کے قریب لوگوں کے سامنے بیان کیا۔“

(گویا حضور ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ عام لوگ اس غلط فہمی میں پڑ جائیں گے کہ محض زبانی کلمہ شہادت پڑھ لینے سے نجات لازم ہو جاتی ہے)

ان تمام احادیث (اور ان جیسی دوسری احادیث) میں توحید و رسالت کی گواہی پر یا توحید اختیار کرنے اور شرک چھوڑنے پر جو جنت کی بشارت دی گئی ہے وہ دراصل تعبیر ہے پورے اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کی، فرائض ادا کرنے کی اور حرام چیزوں سے بچنے کی۔ پھر اگر کوئی گناہ بھی ہو گیا تو کفارے یا توبہ سے اس کی معافی ہو سکے گی اور وہ شخص دوزخ سے بچ جائے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔

ایسی احادیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے آخرت میں نجات ہو جائے گی خواہ ساری زندگی فسق و فجور اور اللہ کی نافرمانی میں گزاری ہو۔

البتہ اس میں ایک صورت مستثنیٰ ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص اسلام قبول کرے اور اُس کے بعد وہ جلد فوت ہو جائے۔ اُسے نیک اعمال کرنے کا موقع ہی نہ ملے تو ایسا شخص یقیناً جنتی ہے۔ کیونکہ اسلام لانے سے اُس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو گئے اور بعد میں اُس نے نہ کوئی نیکی کی اور نہ گناہ کیا تو ایسا شخص جو ایمان لا چکا ہو اور اُس کا کوئی گناہ بھی نہ ہو تو وہ ضرورت جنت میں جائے گا۔

11۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ

11..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا

مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا ، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) وَفِي رِوَايَةٍ: ((وَهُوَ وَتُرِيحُ الْوِثْرَ .))

صحیح بخاری ، رقم: 6410,2736

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 2287

اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 1714

صحیح مسلم ، رقم: 6810,6809

ترمذی ، رقم: 3507

صحیفہ ہمام بن منبہ ، رقم: 34

ابن ماجہ ، رقم: 3861

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے ننانوے (99) نام ہیں، ایک کم سو (100) جو ان کو یاد رکھے گا وہ جنت میں جائے گا۔

ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ (اللہ) وتر (اکیلا) ہے اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔“

تشریح:

اللہ تعالیٰ کو ایسے ناموں سے یاد کرنا چاہیے جو اس کے لائق ہیں۔ ایسے ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں

کرنا چاہیے جن میں کوئی عیب، نقص، گستاخی یا شرک کا پہلو پایا جاتا ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾

(بنی اسرائیل: ۱۱۰)

”اے نبی (ﷺ)! آپ (ﷺ) کہہ دیں کہ لوگو! تم خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو۔

سب اچھے نام اسی کے ہیں۔“

احادیث میں ان 99 ناموں کی تفصیل ملتی ہے جن کو اسمائے حسنیٰ کہا جاتا ہے۔ جامع ترمذی کی ایک

حدیث میں اللہ تعالیٰ کے درج ذیل (99) اسمائے حسنیٰ بیان ہوئے ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح

قرار دیا ہے۔

((هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ
 الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِي الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ
 الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ
 الْمُعِزُّ الْمُدِلُّ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ الْحَلِيمُ الْعَظِيمُ
 الْغَفُورُ الشَّكُورُ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ الْحَفِيفُ الْمُقِيتُ الْحَسِيبُ الْجَلِيلُ الْكَرِيمُ
 الرَّقِيبُ الْمُجِيبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيمُ الْوَدُودُ الْمَجِيدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيدُ الْحَقُّ
 الْوَكِيلُ الْقَوِيُّ الْمَتِينُ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ الْمُحْصِي الْمُبْدِي الْمُعِيدُ الْمُحْيِي
 الْمُمِيتُ الْحَيُّ الْقَيُّومُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ
 الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْأَوَّلُ الْآخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِي الْمُتَعَالُ الْبَرُّ التَّوَّابُ
 الْمُتَّقِمُ الْعَفُو الرَّءُوفُ - مَالِكُ الْمَلِكِ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ الْمُقْسِطُ
 الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمَغْنِيُّ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّورُ الْهَادِي الْبَدِيعُ الْبَاقِي
 الْوَارِثُ الرَّشِيدُ الصَّبُورُ.))

علمائے اسلام نے اسمائے حسنیٰ کو صرف انہی (99) ناموں میں محدود نہیں مانا ہے۔ ان کی رائے میں یہ تعداد زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔

آخر میں فرمایا: اللہ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند فرماتا ہے۔ جیسے: 1، 3، 5، 7..... کا عدد۔ اللہ تعالیٰ کے طاق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، واحد ہے، احد ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بے مثل ہے کوئی اُس جیسا نہیں۔ وتر یعنی طاق کو پسند کرنے کا یہ مفہوم بھی لیا گیا ہے کہ اسلامی عبادات اور اعمال میں طاق کے عدد کو فضیلت حاصل ہے۔ جیسے دن رات میں پانچ نمازیں ہیں، تین قسم کی طہارتیں ہیں، خانہ کعبہ کے طواف میں سات چکر ہیں، سعی میں بھی سات چکر ہیں۔ منیٰ میں شیطان کو کنکریاں بھی سات سات کر کے ماری جاتی ہیں۔ ایام تشریق (ایام نحر) بھی تین ہیں۔ استنجا میں تین ڈھیلے استعمال کیے جاتے ہیں۔ کفن میں تین کپڑے ہیں، زکوٰۃ میں چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ ہے۔ کھجور میں عشر کے لیے پانچ وسق ہیں۔ اونٹوں کی زکوٰۃ پانچ سے شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح سات سمان اور سات زمینیں بنائی گئیں۔ بڑے سمندر بھی سات ہیں اور ہفتے کے دن بھی سات ہوتے ہیں۔ گویا اس طرح طاق کا عدد پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ نماز وتر بھی ایک،

تین، پانچ، رکعت کر کے پڑھی جاتی ہے۔ گویا ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور وحدانیت سے کوئی نسبت ہے وہ فضیلت رکھتی ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو یاد رکھنے پر جنت کی جو بشارت دی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی پہچان اور معرفت ہو جانے کے بعد جو ذمہ داریاں ایک بندے پر عائد ہوتی ہیں اُن کو ادا کرنے سے جنت ملے گی۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے بغیر بھی اگر ان اسمائے حسنیٰ کو زبانی طور پر یاد کر لے تو وہ جنت میں جائے گا۔



12- اللہ تعالیٰ کا ہاتھ خزانوں سے بھرا ہوا ہے

12..... وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((يَدُ اللَّهِ مَلَأَى لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَاءُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُدْخَلَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ؟ فَإِنَّهُ لَمْ يَغْضُ مَا فِي يَدِهِ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَبِيَدِهِ الْمِيزَانُ، يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ.

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 92
صحیح مسلم، رقم: 2308, 2309
ابن ماجہ، رقم
صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 28
صحیح بخاری، رقم: 7419, 4684
ترمذی، رقم
مسند احمد
اللؤلؤ والمرجان، رقم: 580-

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ دن رات کی سخاوت اسے کم نہیں کرتی۔ کیا تم نے غور کیا اُس نے زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت سے آج تک جو خرچ کیا اس سے اُس کے ہاتھ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اُس کا عرش پانی پر تھا۔ میزان اُسی کے ہاتھ میں ہے وہ اس کو پست بھی کرتا ہے اور بلند بھی کرتا ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں ”يَدُ اللَّهِ“ (اللہ کا ہاتھ) آیا ہے جب کہ صحیح مسلم کی روایت میں ”يَمِينُ اللَّهِ“ (اللہ کا دایاں ہاتھ) کے الفاظ آئے ہیں۔ تاہم اس سے مفہوم ایک ہی رہتا ہے۔

اس حدیث میں تین باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

1: اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ میں بے شمار خزانے موجود ہیں گویا یہ خزانے اُس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہ ان میں سے اپنی مخلوقات پر چاہے جتنا خرچ کر ڈالے اس سے اُس کے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ سے خرچ کرتا چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ خرچ کرتا رہے گا۔ اس کے باوجود اس کے خزانے ختم نہ ہوں گے۔ وہ بے انتہا خزانوں اور بے پایاں نعمتوں کا مالک ہے۔ وہ سخی اور مہربان ہے۔ وہ جب چاہے جتنا چاہے عطا کر دیتا ہے۔

2: آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ کائنات کے پیدا ہونے کے ذکر کے بعد یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ اس سے پہلے کیا تھا؟ اس کا جواب دیا گیا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ گویا اُس وقت جب کہ پانی موجود نہ تھا تو اُس پر بھی اللہ سبحانہ کی حکمرانی تھی۔ عرش کو مجازی طور پر بادشاہی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

3: یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی کو عطا کرے یا نہ کرے۔ وہی کسی کو زیادہ روزی دیتا اور کسی کو کم دیتا ہے۔ عزت بھی وہی دیتا ہے اور ذلت بھی۔ اُس کی سخاوت اور اُس کے جود و کرم کا یہ حال ہے کہ ہمیشہ سے نہ اُس کا ہاتھ خرچ کرنے سے رکتا ہے اور نہ اُس کے خزانوں میں کوئی کمی آتی ہے۔ ۵

خدا کی باتیں، خدا ہی جانے

13- اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے بڑھ کر ہے

13..... وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ((إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ: إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي؛ فَهُوَ مَكْتُوبٌ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ.))

صحیح بخاری، رقم: 7554, 7404, 3194

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2364, 5700

ابن ماجہ، رقم: 4295

صحیح مسلم، رقم: 6971, 6969, 6970

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 15

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1749

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ایک تحریر لکھی کہ: میری رحمت میرے غضب سے آگے بڑھ گئی ہے۔ اور یہ تحریر اُس کے پاس عرش کے اوپر لکھی ہوئی ہے۔“

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد اپنے ہاں لوح محفوظ میں یہ لکھ دیا کہ:

”میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے“

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب سے زیادہ ہے اور اُس کی رحمت کی صفت اس

کے قہر و غضب پر غالب ہے۔

بعض روایتوں میں ”غَلَبَتْ“ کی بجائے ”سَبَقَتْ“ کا لفظ آیا ہے۔ یہ راوی کا احتمال ہو سکتا ہے تاہم

اس سے نفس مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

انسان کے پیدا ہونے سے لے کر اُس کے جوان ہونے تک اللہ تعالیٰ اُس پر رحمت فرماتا رہتا ہے اور

اس کا کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔ پھر جب انسان عاقل بالغ ہو کر گناہ اور نافرمانی کے کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس

کے گناہ لکھنا شروع کرتا ہے۔ اس طرح انسانوں پر اللہ کی رحمت اس کے غضب سے زیادہ ہوتی ہے۔

دوسرے جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کے لیے کم سے کم دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ جب کہ وہ کوئی

برائی کرتا ہے تو اُس کی صرف ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔ اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اُس کے غضب سے زیادہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

تیسرے ایک انسان ساری عمر گناہ کرتا رہے لیکن جب وہ ان سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ سبحانہ اسے معاف کر دیتا ہے اور اُس کے عمر بھر کے گناہ بخش دیتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اُس کی رحمت کے سبب سے ہوتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ کی رحمت اُس کے غضب سے بڑھ کر ہے۔ یاد رہے کہ لوح محفوظ سے مراد اللہ تعالیٰ کے علم کا خزانہ ہے۔



14- اللہ کی رحمت ہی سے جنت ملے گی

14..... وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَنْ يُنَجِيَ أَحَدٌ مِنْكُمْ عَمَلُهُ)) -
 قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ((وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهِ؛
 فَسَدِّدُوا، وَقَارِبُوا، وَاعْدُوا، وَرُوحُوا، وَشَىءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ، وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ
 تَبَلَّغُوا.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2371

صحیح بخاری، رقم: 6464, 6463

صحیح مسلم، رقم: 7117، 7111، 7113، 1716، 1721، 7122

نسائی، رقم: 5037

ابن ماجہ، رقم: 4201

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1793

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 136

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم میں سے کوئی بھی اپنے اعمال کی وجہ سے نجات نہیں پائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اور میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے۔ البتہ تم درست کام کرو۔ میانہ روی اختیار کرو۔ صبح و شام اور رات کے کچھ حصے میں عبادت کرو۔ میانہ روی اور اعتدال کی روش اختیار کرو۔ اس طرح تم منزل تک پہنچ جاؤ گے۔

تشریح:

یہ ایک متفق علیہ حدیث ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ بھی جنت میں صرف اپنے اعمال کی وجہ سے نہیں جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہوگا جس کی بدولت جنتی لوگ جنت میں جائیں گے۔ لیکن اس حدیث کو پوری طرح سمجھنے کے لیے درج ذیل نکات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔
 قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عام طور پر جنت کو اعمال کا بدلہ قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾ (الاحقاف: 13 تا 14)

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر جے رہے تو انہیں نہ کوئی خوف

ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہی لوگ جنت والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے، اپنے اُن اعمال کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔“

- 1: نیک اعمال کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور یہ اُس کی رحمت کے سبب سے ہے۔ ورنہ انسان کے اختیار میں تو صرف ارادہ ہے۔ ارادے پر عمل کی توفیق تو اللہ ہی دیتا ہے۔
- 2: یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ ایک نیکی کو کئی گنا بڑھا کر میزان میں تولے گا اور برائی کو صرف ایک برائی شمار کرے گا۔ اس طرح مومن اللہ کی رحمت ہی سے جنت میں جائے گا۔
- 3: ہماری فانی اور عارضی زندگی کے 60، 70 برسوں کی محنت کا صلہ نعمت بھری جنت کی دائمی زندگی نہیں ہو سکتی یہ تو اُس رحمن و رحیم ذات کا سراسر فضل و کرم ہوگا۔
- 4: ہم تمام عمر عبادت میں گزار کر بھی اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کے شکر کا حق ادا نہیں کر سکتے جو ہمیں دنیا میں حاصل ہیں، چہ جائے کہ اس محنت پر جنت کی اعلیٰ نعمتوں کے حق دار بن جائیں جو صرف رحمت خداوندی ہی سے ممکن ہے۔
- 5: حدیث میں حضور ﷺ کی اپنی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ اُن سے بڑھ کر نیک اعمال کسی اور کے نہیں ہو سکتے۔ جب وہ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جا سکتے تو اوروں کی کیا حیثیت ہے؟
- 6: حضور ﷺ نے اس حدیث میں اعمال پر بھی زور دیا ہے۔ کیونکہ نیک اعمال کی اپنی اہمیت ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ کی رحمت کے اُمیدوار بھی رہو، اعمال میں میانہ روی اختیار کرو اور ان کی کوشش بھی کرو۔

یاد رہے جن صحابہ کرام کو دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی، انہوں نے بھی نیک اعمال کرنے چھوڑ نہیں دیے تھے۔ حدیث میں آخر میں اچھے اعمال کرنے، فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل ادا کرنے اور میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اسلام ایک معتدل اور متوازن دین ہے اور اس میں کوئی افراط و تفریط نہیں۔ وہ انتہا پسندی (Extremism) کے خلاف ہے اور اُس کی تمام تعلیمات اعتدال اور توازن پر مبنی ہیں۔

(مزید تفصیل کے لیے دیکھئے حدیث نمبر 10 کی تشریح)

15۔ اللہ کی خاطر باہم محبت کرنے والوں کا درجہ

15..... ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: آيُنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي؟ الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5006

صحیح مسلم، رقم: 5648

دارمی، رقم: 2757

مسند احمد، رقم: 8436

موطا امام مالک، کتاب الشعر

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کہاں ہیں میری عظمت و تعظیم کی خاطر آپس میں محبت رکھنے والے؟ آج میں ان کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دوں گا جب کہ اُس دن میرے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔“

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے۔

اسی مضمون کی حدیث جامع ترمذی میں بھی موجود ہے:

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: الْمُتَحَابُّونَ فِي جَلَالِي لَهُمْ مَنَابِرٌ مِنْ نُورٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّونَ وَالشُّهَدَاءُ.))

(جامع ترمذی، کتاب الزهد، حدیث رقم: 2390)

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

میری عزت اور جلال کی خاطر آپس میں محبت کرنے والوں کے لیے نور کے منبر ہوں گے اور ان

کو دیکھ کر انبیائے کرام اور شہداء بھی رشک کریں گے۔“

موطا میں امام مالک رحمہ اللہ نے پہلے اسی مضمون کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ:

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

میری محبت ایسے لوگوں کے لیے واجب ہوگی جو میری خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔
میری خاطر مل بیٹھتے ہیں۔ میری خاطر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور میری خاطر مال خرچ کرتے ہیں۔“

پھر مذکورہ حدیث سے متعلق امام مالک رحمہ اللہ نے درج ذیل واقعہ روایت کیا ہے:
ابو ادریس خولانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

میں دمشق کی (جامع) مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک چمک دار دانتوں والا نوجوان بیٹھا ہے۔ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہیں۔ (ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے پاس بیس 20 صحابہ کرام بیٹھے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ تیس 30 صحابہ کرام بیٹھے ہیں۔) جب کسی بات میں ان کا اختلاف ہوتا ہے تو وہ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے فیصلے کو مانتے ہیں۔ میں نے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ نوجوان حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔

دوسرے روز میں صبح سویرے ہی مسجد میں پہنچ گیا تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مجھ سے بھی پہلے وہاں موجود ہیں۔ میں نے دیکھا وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے ان کا انتظار کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں ان کے سامنے چلا گیا۔ ان کو سلام کیا اور ان سے عرض کیا:

”اللہ کی قسم! میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرتا ہوں۔“

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے تین دفعہ فرمایا: ”اللہ کی قسم! یہی بات ہے؟“

میں نے ہر بار عرض کیا: ”اللہ کی قسم! یہی بات ہے۔“

پھر انہوں نے میری چادر کا کنارہ (دوسری روایت میں ہے کہ میری چادر کے کنارے) پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچ کر فرمایا:

”تمہیں مبارک ہو، تم خوشخبری سن لو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہوئی جو میری خاطر

ایک دوسرے سے محبت رکھتے، ساتھ بیٹھتے اور ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ میری خاطر ایک

دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں اور جانیں قربان کرتے ہیں۔“
یاد رہے کہ اللہ کی رضا کی خاطر باہم محبت کرنے والے اُن سات قسم کے خوش نصیبوں میں سے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے رحمت یا عرش کے سائے میں جگہ دے گا۔
ایک متفق علیہ حدیث ہے کہ:

((وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ، مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ؛ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ.

صحیح بخاری، رقم: 660

صحیح مسلم، رقم: 2380

ترمذی، رقم: 2391

نسائی، رقم: 5380

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات ایسے خوش نصیب ہیں جن کو اللہ اُس دن اپنا سایہ نصیب فرمائے گا جب اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ عادل حکمران، وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا، وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے چاہے وہ مسجد سے نکلے یا وہاں واپس لوٹے۔ وہ دو شخص جو اللہ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں، اسی وجہ سے اکٹھے ہوتے اور اسی وجہ سے جدا ہوتے رہتے ہیں۔ وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے رویا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو نکلے۔ وہ آدمی جسے کسی خاندانی خوبصورت عورت نے برائی کی دعوت دی تو اُس کے جواب میں اُس نے کہا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو اس قدر پوشیدہ طور پر صدقہ کرے کہ اُس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہیں کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔“

یہ جو حدیث کے شروع میں آئیں؟ (کہاں ہیں؟) کا لفظ آیا ہے تو اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے اوجھل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ تو علیم، بصیر اور خبیر ہے۔ اُس سے کوئی چیز کہیں بھی چھپ

نہیں سکتی۔ دراصل یہ اندازِ خطاب اس لیے ہوگا کہ ایسے لوگوں کا اعلیٰ مقام و مرتبہ سب کے سامنے ظاہر کیا جائے اور تمام اہل محشر سن لیں اور دیکھ لیں کہ اُن لوگوں کو کتنا اعزاز و اکرام حاصل ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے کتنے مقبول و محبوب بندے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ کی رحمت کے سائے سے مراد اُس کے عرش کا سایہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض دوسری احادیث میں اس کی وضاحت بھی موجود ہے۔

اللہ کے سائے سے اُس کی رحمت، شفقت اور حفاظت بھی مراد ہو سکتی ہے اور ہر طرح کی پریشانیوں اور گھبراہٹ سے نجات اور جنت کی خوش خبری بھی جو ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو اللہ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مقبول ہے۔

پھر جب ایک شخص بغیر کسی دنیوی مفاد کے کسی دوسرے شخص سے محض رضائے الہی کے لیے محبت کرتا ہے تو دراصل وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ بھی اُس سے محبت کرتا ہے اور قیامت کے روز خاص اعزاز کے ساتھ اُسے اپنی رحمت کے سائے میں لے لے گا۔ اس باہمی محبت کے نتیجے میں چونکہ اللہ کے دین کی خدمت بھی ہوتی ہے اس لیے اللہ کی خاطر آپس کی یہ محبت بہت اہم ہے۔



16۔ قیامت کے دن اللہ فرمائے گا میں بادشاہ ہوں

16..... ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَقْبِضُ اللَّهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5522

صحیح بخاری، رقم: 7412, 4812

صحیح مسلم، رقم: 7050

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1776

ابن ماجہ، رقم: 4275

مسند احمد، روایت عبداللہ بن عمرؓ، ج 2، ص 72-88

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا۔ پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟“

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے۔ اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ان دونوں حضرات کی مختلف روایات کو جمع کیا جائے تو ان سے درج ذیل مضمون واضح ہوتا ہے۔

(1)..... یہ حدیث نبی ﷺ نے اپنے ایک خطبے کے دوران میں سورہ الزمر کی درج ذیل آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمائی:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (الزمر: 67)

”اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی، جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ حالاں کہ قیامت کے دن ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ وہ پاک اور برتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔“

(2)..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان فرما

رہے تھے تو اُس وقت آپ ﷺ پر ایسی کیفیت اور ایسا لرزہ طاری تھا کہ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں آپ ﷺ منبر سے گرنے پڑیں۔

(3)..... گویا اُس دن دنیا کی وہ ساری مجازی اور جھوٹی بادشاہیاں ختم ہو جائیں گی جو انسان کو دھوکے میں ڈالتی ہیں اور وہ کبھی فرعون اور نمرود بن جاتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اُس کے فریب میں آجاتے ہیں۔

(4)..... وہاں صرف ایک اللہ کی بادشاہی ہوگی جو اس کائنات کا حقیقی بادشاہ، حکمران، اور ﴿مَمْلُوكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ ہے۔ جو وہاں پکارے گا اور پوچھے گا کہ ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ (آج کس کی بادشاہی ہے؟) پھر جواب نہ آنے پر خود ہی فرمائے گا: ﴿لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (اکیلے زبردست اللہ کی!)

[المومن: آیت 16]

(5)..... اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں لینا اور سارے آسمانوں کو دائیں ہاتھ میں لپیٹ لینا ایک استعارہ اور تشبیہ بھی ہو سکتی ہے اور حقیقت واقعہ بھی کہ زمین و آسمان پر اللہ سبحانہ کا کامل اقتدار اور تصرف ہوگا۔ جیسے کسی شخص کا گیند کو مٹھی میں دبا لینا یا رومال کو لپیٹ کر ہاتھ میں رکھ لینا ایک معمولی کام ہے اور اس سے اُسے کوئی زحمت نہیں ہوتی بالکل اسی طرح وہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت اور کبریائی کا منظر لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

17- زمانے کو برانہ کہو

17..... ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: يُؤَذِّنُنِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ، وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الْأَمْرُ، أَقْلِبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 4764, 4763, 22
صحیح بخاری، رقم: 4826
صحیح مسلم، رقم: 5862
مسند احمد، رقم: 19818
اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1449
صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 118

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

آدمی زمانے کو گالی دے کر مجھے تکلیف پہنچاتا ہے جب کہ زمانہ تو میں خود ہوں۔ سارے معاملات میرے ہاتھ میں ہیں۔ دن رات کو میں ہی بدلتا ہوں۔“

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے جو تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ کئی کتب حدیث میں موجود ہے۔ دورِ جاہلیت میں عربوں کا حال یہ تھا کہ مصیبت کے وقت وہ زمانے کو برا بھلا کہتے تھے۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ زندگی میں جو خوشی غمی بلکہ جو تبدیلیاں آتی ہیں اُن کا سبب بھی زمانے کی گردش ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ بارش ہونے اور کسی کے جینے مرنے کے سبب کو بھی گردشِ زمانہ کہتے تھے۔

قرآن مجید میں بھی اُن کے اس جاہلانہ تصور کا ذکر آیا ہے:

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾

(الجاثیہ: 24)

”اور وہ کہتے ہیں کہ زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں

صرف زمانے کی گردش ہلاک کرتی ہے۔“

پھر چونکہ اُن کا یہ تصور اسلام کے عقیدہ توحید کے خلاف تھا اس لیے اس کی تردید فرمائی گئی اور واضح کر

دیا گیا کہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ نفع و نقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ وہی نعمتیں دیتا اور عذاب نازل کرتا ہے۔ وہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ روزی دیتا ہے۔ وہ جب چاہے دن رات کی گردش کو روک کر ختم کر دے۔ اب بھی اسی کے حکم سے سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے اور دن رات کا نظام قائم ہے۔ اس طرح اسلام نے جاہلیت کے غلط مشرکانہ عقیدے کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ مسلمانوں کو توحید کا عقیدہ سکھا دیا۔

یاد رہے کہ الدَّهْرُ یعنی زمانہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے نہیں ہے۔ الدَّهْرُ (زمانے) کے بارے میں عربی کا ایک شعر ہے:

هَلِ الدَّهْرُ إِلَّا لَيْلَةٌ وَنَهَارُهَا
وَالْأَطْلُوعُ الشَّمْسِ ثُمَّ غِيَابُهَا

”زمانہ کیا ہے؟ رات اور دن! یا سورج کا طلوع ہونا اور پھر چھپ جانا!“

باب 4..... ایمان اور مومن

18- ایمان کی شاخیں

18..... وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا: قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَدْنَاهَا: إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ .

صحیح مسلم، رقم: 152,153

ابوداؤد، رقم: 4676

ترمذی، رقم: 2614

للؤلؤ والمرجان، رقم: 21

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5

صحیح بخاری، رقم: 9

نسائی، رقم: 5005

ابن ماجہ، رقم: 57

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

ایمان کی شاخیں ستر (70) سے کچھ اوپر ہیں۔ ان میں سب سے افضل یہ کہنا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے ادنیٰ یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دی جائے اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔“

تشریح:

یہ متفق علیہ حدیث ہے۔

اس حدیث کو سمجھنے کے لیے درج ذیل امور قابل غور ہیں:

(1)..... اس میں ایمان کی شاخوں کی تعداد کے بارے میں ”بِضْعٌ وَسَبْعُونَ“ کے الفاظ آئے ہیں۔ ان کے بارے میں علمائے اسلام کی دو رائیں ہیں:

1- اس سے ستر (77) کا عدد (FIGURE) مراد ہے۔

2- یہ محاورے کی زبان ہے اور اس سے صرف کثرت مراد ہے۔ گویا ایمان کی شاخیں بہت بڑی تعداد میں ہیں۔

(2)..... ایمان کی شاخوں کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے انسان کے وہ تمام اعمال و اخلاق جو

ایمان کے تقاضے اور نتائج و ثمرات ہیں۔ گویا ایمان ایک درخت ہے اور تمام اعمالِ صالحہ اور اچھے اخلاق

اُس کی شاخیں ہیں۔

(3)..... ایمان کی شاخوں میں بھی درجہ بندی ہے۔ سب سے بڑی اور اعلیٰ شاخ (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) یعنی توحید کی گواہی ہے۔ پھر رسالتِ محمدیہ کی گواہی ہے اور سب سے چھوٹی اور ادنیٰ شاخ یہ ہے کہ راستے میں سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا جائے تاکہ وہاں سے گزرنے والوں کو کوئی زحمت نہ ہو۔ یہ گویا ٹریفک کا کام بھی ہے اور صفائی کا کام بھی۔

پھر ان دونوں ادنیٰ اور اعلیٰ درجوں کے درمیان میں بہت سے نیکی کے کام ہیں جو ایمان کی شاخیں ہیں۔ ان میں سے بعض کا تعلق حقوق اللہ سے ہے جیسے نماز پڑھنا اور بعض کا تعلق حقوق العباد سے ہے جیسے والدین کی خدمت کرنا۔ حدیث کے آخر میں ”حیا“ کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا۔ اس سے اسلام میں حیا کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسلام اور حیا:

قرآن و حدیث کی اصطلاح میں حیا کا لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ شرم، غیرت، مروت اور ہر برائی سے جھجک کا نام حیا ہے۔ یہ ایک فطری اور اعلیٰ اخلاقی وصف ہے۔ مردوں کے لیے حیا ضروری ہے مگر عورتوں کے لیے ان سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ کے بارے میں صحیح بخاری کی حدیث موجود ہے کہ آپ ﷺ کنواری لڑکی سے زیادہ حیا دار تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث ہے کہ ان سے فرشتے بھی حیا کرتے تھے۔

حیا کی صفت میں خیر اور بھلائی ہے۔ بے حیائی ایسی برائی ہے جس سے اور بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں اور جو انسان کی شخصیت اُس کے خاندان اور پوری قوم کے لیے تباہ کن ہوتی ہے۔

ذیل میں شرم و حیا کے بارے میں چند قرآنی آیات اور چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

1- شرم و حیا کے بارے میں قرآنی آیات:

شرم و حیا، غضب بصر یعنی نگاہیں نیچی رکھنا، عورتوں کے لیے پردے کا اہتمام، ان سب امور کے لیے ذیل میں چند قرآنی آیات دی جاتی ہیں:

1- ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ

خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۝ (النور: 30-31)

”(اے نبی ﷺ) آپ ﷺ مومن مردوں سے کہیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے پاکیزہ طریقہ ہے۔ بے شک اللہ باخبر ہے اُس سے جو وہ کرتے ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ مومن عورتوں سے کہیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اپنے ستر کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے خود بخود ظاہر ہو جائے۔ اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں.....“

2. ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝﴾ (الاحزاب: 59)

”اے نبی ﷺ! آپ ﷺ اپنی بیویوں سے، اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیں کہ وہ گھر سے باہر نکلتے وقت اپنی چادروں کے گھونگھٹ لٹکا لیا کریں۔ اس سے جلدی پہچان ہو جائے گی اور انہیں کوئی چھیڑے گا نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

3. ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۝﴾ (الاحزاب: 53)

”اور جب تم ان (ازواج نبی ﷺ) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کی اوٹ سے مانگو۔ یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی۔“

4. ﴿يَبْنَىٰ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِي سَوَاتِكُمْ وَرِيشًا وَ لِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَلِكُمْ خَيْرٌ ۝﴾ (الاعراف: 26)

”اے آدم علیہ السلام کی اولاد! ہم نے ایسا لباس پیدا کیا جو تمہارے جسم کی ستر پوشی کرتا ہے اور زینت بھی ہے۔ لیکن پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر ہے۔“

2- شرم و حیا کے بارے میں احادیث:

صحیح احادیث میں بھی شرم و حیا کے بارے میں احکام اور ہدایات موجود ہیں۔

1- صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ))

[صحیح بخاری، کتاب الایمان، حدیث 16]

”حیا ایمان کا حصہ ہے۔“

2- صحیح بخاری میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ الْأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحْ فَاصْنَعْ مَا

سِتَّتَ))

[صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث 6120]

”لوگوں نے پہلے انبیاء کرام کے کلام میں یہ بات بھی پائی کہ: جب تو حیا نہ کرے تو پھر جو چاہے کر۔“

3- صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ))

[صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث 6117]، [صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث 156]

”حیا میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔“

4- صحیح مسلم میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَمْشُوا عُرَاةً))

[صحیح مسلم، کتاب الحيض، حدیث 773]

”نگے نہ چلو۔“

5- ابن ماجہ اور موطا (امام مالک) میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَإِنَّ خُلُقَ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ))

[ابن ماجہ، کتاب الزهد، حدیث 4181]، [موطا، کتاب حسن الخلق]

”ہر دین کی ایک خاص صفت اور خوبی ہے اور اسلام کی صفت اور خوبی حیا ہے۔“

6- جامع ترمذی میں ہے کہ:

((أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ: الْحَيَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ))

[جامع ترمذی، ابواب النکاح، حدیث 1]

”چار چیزیں پیغمبروں کی سنت میں سے ہیں: حیا، خوشبو، سواک اور نکاح کرنا۔“

7- سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ حَيٌّ سِتِيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ.....))

[سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، حدیث: 4012، سنن نسائی، کتاب الغسل، حدیث: 406]

”بے شک اللہ تعالیٰ حیا دار اور پردہ دار ہے، وہ حیا اور پردے کو پسند کرتا ہے۔“

حیا کو انسان کے اخلاق و کردار کی تعمیر میں بڑا دخل ہے۔ حیا کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں سے

بچتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے۔



19۔ ایمان کامل کا معیار

19..... وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ .

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 7

صحیح بخاری ، رقم: 15

صحیح مسلم ، رقم: 168, 169

نسائی ، رقم: 5013

ابن ماجہ ، رقم: 67

اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 27

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اُس کے لیے اُس کے والدین، اُس کی اولاد اور دوسرے تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

تشریح:

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے لیکن مضمون ایک جیسا ہی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا میں ایمان سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔ یہ ایمان کی دولت نبی ﷺ کے واسطے کے بغیر کسی انسان کو نہیں مل سکتی۔ حضور ﷺ وہ واحد ذریعہ ہیں جس سے کوئی شخص ہدایت پا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں ایمان و ہدایت کی نعمت حاصل ہونے پر ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ کے اس احسانِ عظیم کے بدلے میں آپ ﷺ پر ایمان لائے، اپنے والدین، عزیز و اقارب اور دوست احباب سے بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت رکھے۔ ہر حال میں آپ ﷺ کی اطاعت کرے۔ اور آپ ﷺ کے ہر فیصلے کو دل و جان سے تسلیم کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ (الاحزاب: 6)

”نبی ﷺ کا حق مومنوں پر ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ ہے۔“

مطلب یہ کہ اہل ایمان کو اپنی جان سے بڑھ کر نبی ﷺ سے محبت کرنی چاہیے۔
دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ
بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

”اے لوگوں! تمہارے پاس اللہ کے ایک رسول ﷺ آگئے ہیں جو تمہیں میں سے ہیں۔ تمہارا نقصان میں پڑنا ان پر بہت دشوار اور شاق گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کے خواہش مند ہیں اور اہل ایمان پر نہایت شفقت کرنے والے مہربان ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ ہر مسلمان کے لیے اُس کی اپنی ذات سے بڑھ کر اُس کے خیر خواہ، ہمدرد اور آسانی چاہنے والے ہیں۔ وہ اُس کے مان باپ سے بڑھ کر شفیق و مہربان ہیں۔ لہذا ایسی محسن ہستی کا یہ حق ہے کہ اس سے دل و جان سے محبت کی جائے، دنیا کی ساری محبتوں پر اُس کی محبت کو ترجیح دی جائے اور آپ ﷺ کے احکام کی اطاعت کی جائے۔



20۔ ایمان کی حلاوت

20۔ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((ذَاقَ طَعْمَ

الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا ، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا ، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا .

صحیح مسلم، رقم: 151

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 9

مسند احمد، رقم: 1778

ترمذی، رقم: 2623

”حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وہ شخص ایمان کی لذت پا گیا جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔“

تشریح:

جس طرح ایک صحت مند شخص مادی غذاؤں کا ذائقہ اور ان کی لذت محسوس کرتا ہے اسی طرح ایک سچا اور مخلص مومن، جسے نفاست و لطافت عطا ہوئی ہو، ایمان کی لذت اور حلاوت محسوس کر سکتا ہے جب کہ وہ دل و جان سے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا رب، خالق اور معبود مانتا ہو، اسلام کو اپنا دین سمجھ کر اس کے مطابق زندگی گزارتا ہو اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی و رسول مانتے ہوئے آپ ﷺ کی اطاعت کرتا ہو۔

لیکن جو شخص رسمی، رواجی اور نسلی مسلمان ہے، دین اسلام کو زندگی کا محض ایک ضمیمہ اور دم چھلا سمجھتا ہے، دین پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے، اپنی خواہش کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر ترجیح دیتا ہے وہ ایسا ہے جس کی قوت ذائقہ خراب ہے، اسے ایمان کی لذت و حلاوت نصیب نہیں ہو سکتی۔ پھر جس طرح سچے اہل محبت ہی محبت میں ایک لذت محسوس کرتے ہیں، اسی طرح سچے اہل ایمان ہی ایمان کی لذت کو محسوس کر سکتے ہیں۔

ایک اور حدیث کے مطابق ایمان کی لذت کا درجہ پانے کے لیے درج ذیل تین شرطیں ضروری ہیں:

1: جب مومن کو اللہ و رسول ﷺ کی محبت ہر چیز سے بڑھ کر ہو۔

2: وہ جس اور کسی سے محبت کرے صرف اللہ ہی کی خاطر کرے۔

3: وہ کفر کی طرف لوٹنے کو اتنا ناگوار سمجھے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو ناگوار سمجھتا ہے۔

(صحیح مسلم، رقم: 165)

ان شرائط کو پورا کرنے کے بعد ہی ایمان کی لذت نصیب ہو سکتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جسے قرآن نے ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (اللہ ان سے راضی اور وہ ان سے راضی) اور انہی کے بارے میں ہے کہ:

﴿أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ﴾ (المجادلہ: 22)

”یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے۔“

اسی کیفیت کو ایک شاعر نے بھی محسوس کرنے کے بعد کہا تھا:

کیا غم ہے جو ہے ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے



21۔ ایمان کی حلاوت اور لذت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

21..... ((عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 8
صحیح مسلم، رقم: 165
ترمذی، رقم: 2624
مسند احمد، رقم: 12795
صحیح بخاری، رقم: 16
نسائی، رقم: 4988
ابن ماجہ، رقم: 4033
اللؤلؤ والمرجان، رقم: 26

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس شخص میں تین صفتیں ہوں گی وہ ان کے ذریعے ایمان کی حلاوت اور لذت پالے گا: ایک یہ کہ اُسے اللہ اور اُس کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں، دوسری یہ کہ وہ کسی سے محض اللہ کی رضا کی خاطر محبت کرتا ہوں، اور تیسری یہ کہ اُسے کفر کی طرف پلٹنا اتنا ناگوار ہو جتنا اُسے آگ میں ڈالا جانا ناگوار ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں مومن کے لیے ایمان کی لذت و حلاوت حاصل ہونے کی تین شرطیں بیان کی گئی ہیں:

- 1: ✓ جس مومن کو اللہ و رسول ﷺ کی محبت ہر چیز سے بڑھ کر ہو۔
 - 2: ✓ جو کسی اور سے محبت کرے تو محض اللہ کی محبت کی خاطر اور اُس کے تحت کرے۔
 - 3: ✓ جو کفر کی طرف پلٹنے کو اتنا ناگوار سمجھے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو ناگوار سمجھتا ہے۔
- جو مومن درج بالا شرائط کو پورا کرے گا اور ان اوصاف کا مالک ہوگا ایمان کی حقیقی لذت و حلاوت کو پالے گا۔ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے حدیث نمبر 20 کی تشریح)

22- ایمان اور استقامت

22- ((عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ - وَفِي رِوَايَةٍ: غَيْرَكَ - قَالَ: قُلْ: آمَنْتُ بِاللَّهِ، ثُمَّ اسْتَقِمَ.))

صحیح مسلم، رقم: 159

ابن ماجہ، رقم: 3972

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 15

ترمذی، رقم: 2415

مسند احمد، رقم: 15494

”حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی بات بتادیں جس کے بعد مجھے کسی اور سے کچھ پوچھنا نہ پڑے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے سوا کسی اور سے نہ پوچھنا پڑے تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

کہو میں اللہ پر ایمان لایا۔ پھر اسی پر ثابت قدم رہو۔“

تشریح:

اس حدیث میں ایمان قبول کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کا مضمون نہایت مختصر انداز میں بیان ہوا ہے۔ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے اور پورے اسلام کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔ یہ دین کا مغز اور اس کی حقیقی روح ہے۔

اس میں اصل لفظ ”اسْتَقِمَ“ استعمال ہوا ہے جو استقامت سے ہے جس کے لفظی معنی ’سیدھے رہنے، سیدھے چلتے رہنے اور قائم رہنے کے ہیں۔ لیکن اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسان جس بات کو حق سمجھے اُس پر ڈٹ جائے۔ کوئی مخالفت، لالچ یا دباؤ اُسے اُس کی راہ سے نہ ہٹا سکے۔ مشکل حالات کے باوجود وہ حق سے منہ نہ پھیرے۔ راہ حق میں جو آزمائش آئے اُس کا خندہ پیشانی سے سامنا کرے اور ثابت قدم رہے۔

اصل بات یہ ہے کہ استقامت ہے بڑی چیز۔ آدمی جس بات کو حق مانے، جس اچھے اصول کو اپنائے،

اُس پر جمار ہے۔

استقامت میں حوصلہ ہے، بہادری ہے، ثابت قدمی ہے، اعتبار ہے اور صبر و استقلال ہے۔ جس شخص میں استقامت نہیں وہ بزدل ہے، کم حوصلہ ہے، ناقابل اعتبار ہے اور بے صبر انسان ہے۔ وہ دنیا میں کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا کیونکہ استقامت کے بغیر دنیا میں کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔

دیکھئے ایک آدمی فوج میں بھرتی نہیں ہوتا تو یہ بری بات نہیں۔ لیکن اگر وہ فوج میں بھرتی ہو جانے کے بعد بھگوڑا (Deserter) ہو جاتا ہے تو یہ قابل مذمت ہی نہیں بلکہ ایسا جرم ہے جس پر اُس کا کورٹ مارشل ہو سکتا ہے اور اُسے سزا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنے رویے سے فوج کے نظم و ضبط (Discipline) کو خراب کیا ہے اور اس میں استقامت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو استقامت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ اِنَّمَا الْهُكْمُ لِلّٰهِ وَاحِدًا فَاسْتَقِيْمُوا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ﴾ (حم السجده : 6)

”کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے۔ لہذا تم اسی کی طرف سیدھے رہو اور اسی سے گناہوں کی معافی مانگو۔“

مطلب یہ ہے کہ عبادت ہو تو صرف ایک ہی معبود کے لیے۔ ہر حال میں استقامت اختیار کی جائے، توجہ کا مرکز ایک ہی ذات ہو اور گناہوں کی بخشش بھی اسی سے مانگی جائے۔

پھر اس استقامت کا صلہ یہ بتایا گیا کہ:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخٰفُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيٰةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدْعُوْنَ ۝ نَزَّلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴾ (حم السجده: 30-32)

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ”اللہ ہمارا رب ہے“ پھر وہ ثابت قدم رہے تو یقیناً ان پر فرشتے اترتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اندیشہ نہ کرو اور غم نہ کرو اور اُس جنت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور

آخرت میں بھی، اور وہاں تمہارے لیے ہر چیز ہے جو تم چاہو گے اور تمہارے لیے وہاں ہر چیز ہے جو تم طلب کرو گے۔ یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہوگی جو بخشنے والا اور رحم والا ہے۔“

مراد یہ ہے کہ توحید پر قائم رہنے والوں اور اس پر ثابت قدمی دکھانے والوں کے لیے دنیا میں فرشتوں کی زبان سے دلی اطمینان کی خوشی خبری ہے اور آخرت میں ہر غم اور پریشانی سے نجات ہے، دل کے لیے راحت و سکون ہے اور نعمت بھری جنت کی بشارت ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ راہِ حق کبھی بھی پھولوں کی سیج نہیں رہی بلکہ یہ ہمیشہ کانٹوں بھرا راستہ رہا ہے۔ یہاں ہر قدم پر آزمائشیں، اور مشکلات ہیں۔ جو ان کے باوجود ثابت قدم رہا، اُس کے لیے فلاح و کامرانی ہے۔

نوح علیہ السلام کی استقامت دیکھئے۔ صدیوں تک انہوں نے اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کا کام کیا۔

خود حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ پر نگاہ ڈالیے، کون سی مشکل، مصیبت اور آزمائش ہے جس سے آپ ﷺ کو سابقہ نہیں پڑا مگر آپ ﷺ نے تمام مشکل حالات میں اپنا مشن جاری رکھا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسی استقامت دکھائی کہ ایک موقع پر جب مشرکین سے اصولوں پر سمجھوتے کی بات آئی تو اپنے پیارے چچا سے صاف صاف کہہ دیا:

چچا جان! یہ لوگ اگر میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں تو بھی میں دینِ حق سے باز نہیں رہ سکتا۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ زندگیوں میں بھی استقامت کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

معلوم ہے کہ ابتدائی مکی دور میں اُن کو کتنا ستایا گیا اور اُن پر کتنے ظلم و ستم ڈھائے گئے مگر اس کے باوجود وہ ایمان پر قائم رہے، دینِ حق پر ثابت قدم رہے اور ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا۔

ایمانی استقامت کے ساتھ ساتھ عملی استقامت بھی ضروری ہے۔ اسے ”مداومت“ کہا جاتا ہے کہ جب نیکی اور بھلائی کا کوئی کام رضا کارانہ طور پر شروع کیا جائے تو پھر مرتے دم تک اُس پر قائم رہا جائے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر عمل وہ ہے جسے ہمیشہ کیا جائے، اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو۔

23۔ مسلمان کی تعریف

23..... ((عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبَلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلَا تُخْفَرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 13 صحیح بخاری، رقم: 391 نسائی، رقم: 4997

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلے کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ ایسا مسلمان ہے جس کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی امان حاصل ہے۔ لہذا تم اللہ کی اس امان کو ہرگز نہ توڑو۔“

تشریح:

اس حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لیے اس پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے جس میں یہ حدیث بیان فرمائی گئی۔ بات یہ تھی کہ جب اسلام کی دعوت کو فروغ حاصل ہو رہا تھا اور لوگ اچھی خاصی تعداد میں مسلمان ہو رہے تھے تو اُس وقت بعض حالات میں کوئی شخص اسلام قبول کر لیتا مگر اُس کے بارے میں یہ شبہ رہتا کہ شاید اس نے دل سے اسلام کو قبول کیا ہے یا نہیں۔ ایسے مشکوک قسم کے لوگوں کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ہماری طرح نماز پڑھتا اور اُس میں ہمارے قبلے کی طرف رخ کرتا ہے، ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے اور اُس میں اسلام کی یہ چند موٹی نشانیاں پائی جائیں تو اُسے مسلمان سمجھا جائے اور اُس کے جان و مال کی حفاظت کی جائے۔ اُس کے لیے اللہ کی طرف سے امان ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے بھی امان ہے۔

لہذا تم اللہ کے اس عہد کو نہ توڑو جو اُس کی امان کے بارے میں ہے۔ محض بدگمانی کی بنیاد پر ایسے شخص کو غیر مسلم نہ سمجھا جائے اور نہ اُس کے خلاف کوئی کارروائی کی جائے۔

بعض گمراہ اور جاہل لوگ اس حدیث سے یہ مطلب نکالتے ہیں کہ مسلمان کی تعریف یہی ہے کہ وہ

مسلمانوں کی طرح نماز پڑھے، اُن کے قبلے کو اپنا قبلہ مانے اور مسلمانوں کا ذبح کیا ہو جانور کھالے تو وہ پورا مسلمان ہے۔

لیکن ایسے لوگ یہ غور نہیں کرتے کہ اس حدیث میں نہ تو ایسے شخص کے ایمان لانے کا ذکر ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو مانتا بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ اللہ اور اُس کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں رکھتا ہے تو وہ مسلمان کیسے کہلا سکتا ہے؟ ظاہر ہے اسلام میں پہلی اہمیت عقیدے کی ہے جو شخص درج ذیل امور میں سے کسی ایک پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہے:

(1)..... اللہ تعالیٰ پر ایمان

(2)..... اُس کے فرشتوں پر ایمان

(3)..... اُس کی کتابوں پر ایمان

(4)..... اُس کے رسولوں پر ایمان

(5)..... آخرت کے دن پر ایمان

المسلم من سلم المسلمون من لسانه

ویدہ
والصالح من بصر ما

24۔ مسلمان کون اور اصلی مہاجر کون؟

24..... ((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ. هَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ- وَلِمُسْلِمٍ قَالَ: إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.))

صحیح بخاری، رقم: 10

ابوداؤد، رقم: 2481

مسند احمد، 6753

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 6

صحیح مسلم، رقم: 161

نسائی، 4996

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 25

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور اصلی مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کو بھی چھوڑ دے۔ یہ صحیح بخاری میں ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا مسلمان بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

تشریح:

اس حدیث میں دو مضامین بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ اصلی مسلمان وہ ہے جو اسلام لانے کے بعد ایسا ہو جائے کہ اُس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں کیونکہ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے دہشت گردی کا نہیں۔ دوسرا یہ کہ اصلی مہاجر وہ ہے جو اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑنے کے بعد اللہ کی خاطر ان چیزوں کو بھی چھوڑ دے جس سے اُس نے منع فرمایا ہے۔

چونکہ زیادہ تر زبان اور ہاتھ ہی کے ذریعے سے دوسروں کے حقوق پامال ہوتے ہیں اور وہ ظلم و زیادتی کا شکار ہوتے ہیں اس لیے ان دونوں کا ذکر فرمایا گیا۔ ورنہ مقصود تو یہ ہے کہ کسی مسلمان کی طرف سے

دوسرے مسلمان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ مومن کو ایذا دینا حرام ہے۔ لیکن افسوس آج یہ صورت حال ہے کہ مسلمان جتنے خود اپنے مسلمانوں کے ہاتھوں غیر محفوظ ہیں اتنے شاید غیروں کے ہاتھوں سے نہیں۔
خود مسلمان نہیں دوست مسلمانوں کے

ہجرت اور مہاجر ایسی دینی اصطلاحیں ہیں جن کا خاص مفہوم ہے۔ اللہ کے دین کی خاطر اپنا وطن چھوڑ دینا ہجرت ہے اور جو مسلمان یہ ہجرت کرتا ہے مہاجر کہلاتا ہے۔

لیکن اس حدیث میں اعلیٰ درجے کے مہاجر کا یہ وصف بتایا گیا کہ وہ نہ صرف یہ کہ اللہ کے دین کی خاطر اپنا گھر بار اور وطن ترک کر دیتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر وہ اُن برائیوں کو بھی ترک کر دیتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

حدیث کے الفاظ ”الْمُسْلِمُ اور سَلِيمٌ“ (سلامت اور محفوظ رہیں) اور ”الْمُهَاجِرُ“ اور هَجَرَ (چھوڑ دے) میں جو لفظی و معنوی مناسبت ہے وہ نبوی فصاحت و بلاغت ہی کا نمونہ ہو سکتی تھی۔



25۔ مومن گناہ کرتے وقت مومن نہیں ہوتا

25..... ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا يَزْنِي الزَّانِي، حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَنْتَهَبُ نُهْبَةً يَرَفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَغُلُّ أَحَدُكُمْ حِينَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، فَإَيَّاكُمْ أَيَّاكُمْ.))

صحیح بخاری، رقم: 5578,2475

ابوداؤد، رقم: 4689

نسائی، رقم: 4870

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 36

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 53

صحیح مسلم، رقم: 208,202

ترمذی، رقم: 2625

ابن ماجہ، رقم: 3936

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 90

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

زانی جب زنا کرتا ہے اُس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ چور جب چوری کرتا ہے اُس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ شرابی جب شراب پیتا ہے اُس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ ڈاکو جب مال لوٹتا ہے اور لوگ اُسے دیکھ رہے ہوتے ہیں تو اُس وقت وہ مومن نہیں ہوتا اور جب خیانت کرنے والا خیانت کرتا ہے تو اُس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ لہذا تم بچ جاؤ، بچ جاؤ!“

تشریح:

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی قاتل کسی کو ناحق قتل کرتا ہے اُس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ اس حدیث میں جن گناہوں کے کرنے والے کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ مومن نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کامل مومن نہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ جو شخص یہ گناہ کرے گا وہ کافر اور مرتد ہو جائے گا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

چوری، زنا، شراب نوشی، خیانت اور لوٹ مار وغیرہ بڑے بڑے گناہ ہیں جن میں سے بعض پر حد بھی جاری ہوتی ہے لیکن ان کے کرنے سے آدمی فاسق و فاجر اور گناہ گار ضرور ہوتا ہے مگر کافر نہیں ہو جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان نام ہے یقین کا اور کوئی مومن اللہ پر یقین رکھتے ہوئے اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ لیکن ان حالتوں میں ہوتا یہ ہے کہ انسان جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے لیے وہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ پھر جب جذبات کا نشہ ہرن ہوتا ہے تو سب کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سچے، نیک اور صالح مسلمان کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ ایسے بڑے بڑے گناہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ اُسے بہر حال گناہ، نافرمانی اور ظلم و زیادتی سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ ایمان کے تقاضے کے خلاف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(الحجرات : 11)

﴿بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ﴾

”ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام ہی برا ہے۔“



26- مومن ایک سوراخ سے دوبار ڈسا نہیں جاتا

26..... ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يُلْدَعُ الْمُؤْمِنُ مِنْ حُجْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ.))

صحیح بخاری، رقم: 6133

ابوداؤد، رقم: 4862

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5053

صحیح مسلم، رقم: 7498

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1887

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا“

تشریح:

اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ مومن سمجھ دار اور عقل مند ہوتا ہے اور اپنے تجربے اور مشاہدے سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ابو غرہ نامی ایک اسلام دشمن شاعر تھا جو نبی ﷺ کی ہجو کہتا تھا اور عام لوگوں کو بھی اسلام سے روکنے کے لیے شعر کہتا تھا۔ غزوہ بدر کے موقع پر اُسے قید کر لیا گیا تو اُس نے اپنی برائیوں پر ندامت کا اظہار کیا۔ آئندہ اپنی اصلاح کا وعدہ کیا اور حضور ﷺ سے عفو و درگزر کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے اُسے معاف کر دیا اور رہا کر دیا۔ مگر غزوہ احد میں وہ پھر مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے آ گیا۔ اتفاق سے وہ پھر گرفتار ہو گیا اور دوبارہ اپنی غلطیوں اور گناہوں پر نادم ہو کر معافی مانگنے لگا تو اب حضور ﷺ نے اسے معاف نہیں کیا بلکہ اُسے قتل کر دیا گیا۔ اس موقع پر بعض لوگوں نے اُس کی سفارش بھی کی تھی کہ اسے ایک دفعہ اور معاف کر دیا جائے مگر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔“

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی برے شخص کو ایک بار تو معاف کیا جاسکتا ہے مگر جب وہ دوبارہ جان بوجھ کر وہی حرکت کرے تو اُسے معاف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس صورت میں اس کے ذریعے معاشرے کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اُسے ایسی سزا دینی چاہیے کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

27- رائی برابر ایمان والے کو بھی دوزخ سے کال لیا جائے گا

27..... عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرَجُوهُ، فَيُخْرِجُونَ قَدْ امْتَحَشُوا وَعَادُوا حُمَمًا، فَيُلْقَوْنَ فِي نَهْرِ الْحَيَاةِ، فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ، أَلَمْ تَرَوْا أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً.

صحیح بخاری، رقم: 6560

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5580

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 116

صحیح مسلم، رقم: 457

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”جس کسی کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اُسے دوزخ سے نکال لو۔“

جب اُن کو نکالا جائے گا تو وہ سیاہ کونکہ بن چکے ہوں گے۔ پھر اُن کو نہر حیات (زندگی کے دریا) میں ڈالا جائے گا تو وہ اس طرح نمودار ہو جائیں گے جیسے سیلابی خس و خاشاک اور تنکوں میں دانہ اُگ آتا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ وہ کس طرح زرد رنگ کا لپٹا ہوا پودا نکل آتا ہے!“

تشریح:

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا اُسے اس کے گناہوں کی سزا پانے کے بعد آخر کار دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

اُس وقت اُس کی حالت یہ ہوگی کہ وہ سیاہ کونکے کی طرح ہو چکے ہوں گے۔ پھر اُن کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا جہاں سے ایسے تر و تازہ ہو کر نکلیں گے جیسے سیلاب کے کوڑے کچرے اور خس و خاشاک میں زرد رنگ کا لپٹا ہوا تر و تازہ پودا نکلتا ہے۔ یہ اُن لوگوں کا حال ہے جنہوں نے کبھی کوئی نیکی نہ کی ہوگی اور اُن کا ایمان سب سے کم درجے کا ہوگا۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایمان والے شخص کے لیے ہمیشہ دوزخ کی سزا نہیں ہے خواہ اُس نے ایک بھی نیکی نہ کی ہو، جب کہ کافر کے لیے دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔ اس حدیث سے ایمان کی فضیلت اور برکت بھی ثابت ہوتی ہے۔

باب 5..... ایمان کے منافی امور

28- شرک سب سے بڑا گناہ ہے

28- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَيُّ الذَّنْبِ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ؟ قَالَ: ((أَنْ تَدْعُوَ لِلَّهِ نِدَاءً وَهُوَ خَلْقُكَ)) قَالَ: ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: ((أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشِيَةً أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ)) قَالَ: ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: ((أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ. فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَصْدِيقَهَا: وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ، وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ.

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 49

صحیح بخاری، رقم: 6861

صحیح مسلم، رقم: 257

ترمذی، رقم: 3182

نسائی، رقم: 4013

ابوداؤد، رقم: 231

مسند احمد، رقم: 3612

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 53

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! اللہ کے ہاں کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

یہ کہ تو اللہ کا شریک بنائے حالاں کہ اُس نے تجھے پیدا کیا۔ اُس نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

یہ کہ تو اس ڈر سے اپنے بچے کو قتل کر دے کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا۔ اُس نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون سا؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا

بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ﴿ (الفرقان : 68)

”اور جو اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ جو کسی ایسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے اور وہ بدکاری نہیں کرتے۔“

تشریح:

اس حدیث میں تین کبیرہ گناہوں کو ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے، پھر قتل ناحق اور پھر شادی شدہ شخص کا زنا کرنا پھر ساتھ ہی ان گناہوں کی کچھ وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ ساتھ ہی قرآن مجید کی آیت سے دلیل بھی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی کبیرہ گناہوں کی یہی ترتیب ہے۔

(1) شرک:

ان میں سب سے بڑا گناہ شرک کو قرار دیا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ قرآن میں شرک کو ”ظلم عظیم“ کہا گیا ہے۔
سورہ لقمان میں ہے کہ:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان : 13)

”بے شک شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔“

مشرک اگر شرک کی حالت میں مر جائے تو اس کے لیے بخشش اور نجات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ ✓

(النساء : 48)

”بے شک اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ معاف نہیں کرے گا۔ اس کے سوا باقی گناہوں میں سے جو چاہے گا بخش دے گا۔“

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا کہ مشرک کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے:

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾

”جو شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو اس کے لیے اللہ نے جنت حرام کر دی ہے اور اس کا

ٹھکانہ دوزخ ہے۔“

شُرک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اختیارات میں کسی اور کو بھی شریک مانا جائے۔ کسی مخلوق کو خالق کے برابر سمجھا جائے۔

شُرک کی دو قسمیں ہیں: شرک جلی اور شرک خفی

(2) ناحق قتل:

شُرک کے بعد دوسرا بڑا گناہ کسی کو ناحق قتل کر دینا ہے۔ اور یہ قتل اُس وقت اور بھی سنگین ہو جاتا ہے جب والدین مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیں جیسا کہ دورِ جاہلیت میں لوگ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔

(3) زنا:

اسلام میں زنا کو تیسرا کبیرہ گناہ شمار کیا گیا ہے۔ کنوارے زانیوں کے لیے سو (100) کوڑوں کی سزا مقرر ہے اور شادی شدہ زانیوں کے لیے رجم یعنی سنگ ساری کی حد مقرر ہے۔ اور یہ گناہ اُس وقت سنگین تر ہو جاتا ہے جب کوئی ہمسایہ شادی شدہ شخص اس جرم کا ارتکاب کرے۔

زنا کے جرم میں درج ذیل خرابیاں اور قباحتیں ہیں:

- 1: زنا بے پردگی اور بے حیائی ہے جو اسلام میں منع ہے۔
- 2: اسلام میں نسب کی بڑی اہمیت ہے اور زنا سے نسب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ناجائز اولاد کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے۔
- 3: زنا کے نتیجے میں بعض اوقات خودکشی کے واقعات جنم لیتے ہیں۔ فریقین میں فتنہ و فساد اور انتقام کی وہ آگ بھڑک اٹھتی ہے جو بجھائے نہیں بجھتی۔
- 4: زنا سے نکاح کا تقدس پامال ہوتا ہے۔
- 5: شادی شدہ کا زنا اپنے زوج سے بے وفائی ہے۔
- 6: زنا سے خاندانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے جب کہ اسلام میں خاندانی نظام کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

29- شرک اور مشرک

29..... ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا أَعْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكَتُهُ وَشِرْكُهُ. وَفِي رِوَايَةٍ: فَأَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ هُوَ لِلَّذِي عَمَلَهُ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5315

صحیح مسلم، رقم: 7475

ترمذی، رقم: 3154

ابن ماجہ، رقم: 4203, 4202

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

میں تمام شریکوں کے شرک سے بے نیاز ہوں۔ جس نے شرک کیا تو اس شخص سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ”میں ایسے شخص سے بیزار ہوں۔ اس کا مشرکانہ کام اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے کیا۔“

تشریح:

یہ حدیث تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ مذکورہ بالا کتب حدیث میں آئی ہے تاہم ان سب کا مضمون ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا شرک سے اور مشرک سے بیزار ہونا اور بے نیاز ہونا۔

1- شرک کا مفہوم:

شرک، توحید کا متضاد لفظ ہے۔ شرک اسلام میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ:

”اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے
حالاں کہ تیرا خالق تو اللہ ہے.....“

مشرک اگر شرک کی حالت میں مر جائے تو اس کے لیے بخشش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾

(النساء: 48)

”بے شک اللہ شرک کا گناہ معاف نہیں کرے گا۔ اس کے سوا باقی گناہوں میں سے جو چاہے گا بخش دے گا۔“

شرک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی اور کو بھی شریک مانا جائے۔ شرک اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ کسی مشرک کے لیے استغفار اور بخشش کی دعا مانگنا جائز نہیں۔

2- شرک کی قسمیں:

شرک کی دو قسمیں ہیں:

1: شرک اکبر یا شرک جلی

2: شرک اصغر یا شرک خفی

1- شرک اکبر یا شرک جلی:

شرک اکبر یا شرک جلی بالکل واضح شرک کو کہتے ہیں۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی، جیسے کسی بت کو سجدہ کرنا۔ شرک اکبر یا شرک جلی اور کفر برابر ہیں۔ مشرک کے لیے جنت حرام اور دوزخ واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوِيَهُ النَّارُ﴾ (البائتہ: 72)

”جو شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو اُس کے لیے اللہ نے جنت حرام کر دی ہے اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔“

صحیح حدیث میں ہے، کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَقِيَهِ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ

النَّارَ)) [صحیح مسلم عن جابر بن عبد اللہؓ حدیث 270]

”جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس نے شرک نہیں کیا تو وہ جنت میں جائے گا اور جو شرک کی

حالت میں مرا وہ دوزخ میں جائے گا۔“

شرک اکبر یا شرک جلی کی پھر درج ذیل قسمیں ہیں:

1- شرک فی الذات:

شرک فی الذات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک ٹھہرایا جائے۔ ایک خدا کی بجائے دو یا دو سے

زیادہ خداؤں کے ہونے کا عقیدہ رکھا جائے۔

2- شرک فی الصفات:

شرک فی الصفات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت مثلاً علم اور تخلیق وغیرہ صفات الہیہ میں دوسروں کو بھی شریک مانا جائے کہ کسی اور میں بھی یہی صفات موجود ہیں۔ جیسے کسی اور کو بھی خالق، رازق، رب، عالم الغیب اور حاضر ناظر وغیرہ مان لیا جائے تو یہ شرک فی الصفات ہے۔ دنیا میں عام طور پر جو شرک رائج رہا ہے وہ اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے اور یہ حرام ہے۔

3- شرک فی العبادت:

شرک فی العبادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معبود مانتے ہوئے اُس کے ساتھ کسی اور کو بھی معبود تسلیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اوروں کی بھی عبادت کی جائے۔ اسے شرک فی العبادت کہا جاتا ہے اور یہ بھی حرام ہے۔ اس میں غیر اللہ کی عبادت، اُس کے نام کی قربانی، نذر، نیاز، قسم وغیرہ سب شامل ہیں۔

4- شرک فی التصرف:

شرک فی التصرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات میں کسی اور کو بھی دخل اور متصرف سمجھنا۔ رزق میں کمی بیشی، استعانت، بارش کا ہونا، اولاد، زندگی، موت، مشکل کشائی اور حاجت روائی وغیرہ میں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو بھی باختیار سمجھنا کہ وہ بھی یہ کام کر سکتے ہیں اور خدائی کاموں میں اُن کو بھی تصرف اور اختیار حاصل ہے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کے اختیارات اور تصرفات میں دوسروں کو شریک بنانا ہے اور یہ بھی حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات میں تصرف اور تدبیر امور کرنے والا کوئی اور نہیں۔

2- شرک اصغر:

شرک اصغر (چھوٹا شرک) ایسا ہے جو مومن سے بھی سرزد ہو سکتا ہے۔ یہ اتنا چھوٹا اور غیر محسوس ہوتا ہے کہ آدمی کو پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ شرک کا ارتکاب کر چکا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((الشِّرْكَ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ أَخْفَى مِنْ دَبِيبِ النَّمْلِ)) [مسند احمد]

”شرک اس امت میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔“

ریا کاری کو بھی شرک اصغر میں شمار کیا گیا ہے۔

حدیث نبوی ہے کہ: ”میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس کا ڈر مجھے تم پر سب سے زیادہ ہے، وہ

شُرکِ اصغر ہے۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ شُرکِ اصغر کیا ہے؟ فرمایا: ریاکاری۔ اسی طرح احادیث میں ریاکاری کی نماز اور دکھاوے کے صدقے وغیرہ کو بھی شُرک (اصغر) کہا گیا ہے نبی کریم ﷺ نے ایسے فقروے بولنے سے بھی منع فرمایا: جیسے 'مَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتَ' کہ جو اللہ چاہے اور جو تم چاہو، کہنا۔

اسی طرح یوں کہنا کہ: "مَا لِي إِلَّا اللَّهُ وَأَنْتَ۔"

"میرا اللہ کے سوا اور تیرے سوا کوئی نہیں۔"

کیونکہ ان فقروں میں بھی شُرک کا پہلو پایا جاتا ہے اس کے علاوہ اس طرح کہنا بھی منع ہے کہ:

"مجھے دوا کھانے سے شفا ملی، یا یوں کہنا کہ: "مجھے ڈاکٹر سے شفا ملی ہے۔"

کیونکہ ایسا کہنے میں بھی شُرک کا شائبہ موجود ہے اور یہ سب شُرکِ اصغر کی مثالیں ہیں۔ اور شُرکِ اصغر کرنے سے صغیرہ گناہ ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ احادیث میں ریاکاری کو بھی شُرک شمار کیا گیا ہے۔



30- سات مہلک گناہ

30..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمَوْبِقَاتِ))
 قَالُوا: وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ((الشِّرْكُ بِاللَّهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ
 اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَآكُلُ الرِّبَاءِ، وَآكُلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلَّى يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ
 الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ.))

صحیح بخاری، رقم: 2766

ابوداؤد، رقم: 2874

نسائی، رقم: 3671

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 52

صحیح مسلم، رقم: 262

نسائی، رقم: 2874

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 56

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”سات مہلک چیزوں سے بچو۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ سات مہلک چیزیں
 کون کون سی ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی ایسی جان کو قتل کر دینا جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، سود
 کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دوران میں میدانِ جہاد سے بھاگنا اور بھولی بھالی، پاک دامن مسلمان
 عورتوں پر تہمت لگانا۔

تشریح:

اس حدیث میں سات مہلک گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

- 1: شرک، جو اسلام میں سب سے بڑا گناہ اور توحید کی ضد ہے۔
- 2: جادو، جو اسلام میں حرام ہے اور جادوگر کی سزا قتل ہے۔
- 3: ناحق قتل، یہ اسلام میں شرک کے بعد دوسرا سب سے بڑا گناہ ہے۔
- 4: سود کھانا، جو اسلام میں حرام ہے۔ سودی معیشت میں برکت نہیں۔

5: یتیم کا مال کھانا، یہ بھی اسلام میں حرام ہے اور اس پر دوزخ کی وعید ہے۔

6: جنگ کے وقت میدانِ جہاد سے بھاگنا بھی حرام ہے۔

7: بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں پر قذف (زنا کی تہمت) لگانا یہ بھی اسلام میں حرام ہے اور اس کی سزا اسی (80) کوڑے ہے۔

کسی حدیث میں ان سات گناہوں کو ”مہلکات“ اور کہیں ”مؤبقات“ کہا گیا ہے اور دونوں کے معنی ایک ہی جیسے ہیں۔

یہ ساتوں گناہ کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ اگر ان سے توبہ نہ کر لی جائے تو آخرت میں آدمی کو یہ دوزخ میں لے جانے کا سبب بن جائیں گے۔ لہذا ان سے بہر حال بچنا چاہیے جیسا کہ اس حدیث میں تاکید کی گئی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی کبیرہ گناہ ہیں جیسے جھوٹ بولنا، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی قسم کھانا یا جھوٹی گواہی دینا۔ ان سے بھی بچنا ضروری ہے۔

کبیرہ گناہ کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں صرف وہی گناہ کبیرہ ہیں جن کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی حد (سزا) بیان کی گئی ہے۔ بعض کے نزدیک کبیرہ گناہ وہ ہے جس سے قرآن و سنت میں تاکید کے ساتھ منع کیا گیا ہو۔ بعض کے ہاں جس گناہ کے ارتکاب پر عذاب کی وعید آئی ہے صرف وہی کبیرہ گناہ ہیں۔ بعض نے کبیرہ گناہوں کی فہرست ایک سو (100) تک گنائی ہے اور ان کے نزدیک صغیرہ گناہ پر اصرار بھی اسے کبیرہ گناہ بنا دیتا ہے۔



31- ایک غلط سوال کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟

31..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ لُونِ حَتَّى يُقَالَ: هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا؛ فَلْيَقُلْ: آمَنْتُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ.))

صحیح بخاری، رقم: 7296, 3276

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 76, 66

ابوداؤد، رقم: 4721

صحیح مسلم، رقم: 350, 347, 345, 343

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 83, 82

مسند احمد، رقم: 8358

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 94

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لوگ ہمیشہ آپس میں سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ یہ بھی کہیں گے کہ اس ساری مخلوق کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پھر جو ایسا خیال پائے تو اُسے یہ کہنا چاہیے کہ: میں اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔“

تشریح:

یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ آئی ہے تاہم اس کا مضمون ایک ہی ہے۔ شیطان کی طرف سے انسان کے دل و دماغ میں ڈالے جانے والے وسوسوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ یہ سوال کرنے لگ جاتا ہے کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ جب کسی کے دل میں ایسا وسوسہ پیدا ہو تو اُسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر اپنا ایمان پختہ رکھے، شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگے، تعوذ پڑھے اور اپنی توجہ کسی اچھی بات کی طرف کر لے۔ اس طرح کی فضول چیزوں پر دھیان نہ دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اُس کے سوا کوئی اور خالق نہیں۔

اصل بات یہ نہیں کہ ہر چیز کا خالق ہونا چاہیے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہر مخلوق کے لیے کوئی خالق ہونا چاہیے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق نہیں ہے اس لیے اُس کے خالق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے ہم جس چیز کو بھی دیکھتے ہیں وہ بہر حال مخلوق ہوتی ہے اور ایسی تمام چیزوں کا ایک ہی خالق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی اشارہ نکلتا ہے کہ دین میں فضول سوالات کرنے کی ممانعت ہے۔

32۔ دل میں وسوسے اور بُرے خیالات آنے پر گناہ نہیں

32..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ عَنْ

أُمَّتِي مَا وَسَّوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَتَكَلَّمْ.))

صحیح بخاری، رقم: 2528

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 63

ابوداؤد، رقم: 2209

صحیح مسلم، رقم: 332

ترمذی، رقم: 1183

نسائی، رقم: 3434

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 79

ابن ماجہ، رقم: 2040

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے اُس وقت تک درگزر فرمایا ہے

جب تک وہ ان پر عمل کر لیں یا اُن کے بارے میں بات نہ کر لیں۔“

تشریح:

انسان کے دل میں کئی برے خیالات آتے ہیں اور وسوسے پیدا ہوتے ہیں لیکن ان پر اُس کا کوئی اختیار

نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کی وجہ سے بندہ گناہ گار نہیں ہوتا اور یہ اللہ تعالیٰ کا سراسر فضل و احسان ہے۔

لیکن جب کوئی شخص اپنے دل و دماغ میں آنے والے ان برے خیالات اور وساوس کو عملی جامے

پہنائے اور ان کو اپنے قول و فعل کا حصہ بنا لے تو پھر ان کے بارے میں مواخذہ ہوگا۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث یہ ہے کہ:

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي

الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتَكْرَهُوا عَلَيْهِ.

(ابن ماجہ، رقم: 2043۔ مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 6293)

”اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا (بے ارادہ غلطی)، نسیان (بھول چوک) اور اِکْرہ (جان کے

خطرے کی مجبوری) سے کیے گئے کاموں کو معاف کر دیا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ جو کام بغیر ارادے کے ہو جائے، یا بھول چوک سے ہو جائے، یا جان کے ڈر سے کیا جائے اُس میں مواخذہ نہیں۔ اُسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا ہے۔ اور یہ اس اُمت پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔

اسی طرح کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تین قسم کے شخص مرفوع القلم ہیں یعنی اُن سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا:

1: سویا ہوا شخص جب تک بیدار نہ ہو۔

2: نابالغ بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے۔

3: بے ہوش جب تک ہوش میں نہ آجائے۔

ابن ماجہ، رقم: 2042, 2041

ابوداؤد، رقم: 4403

ترمذی، رقم: 1423



33۔ قیامت کے دن منافق سب سے بُرا شخص ہوگا

33..... ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَجِدُونَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هُوَ لَأَبْوَجْهٍ وَهُوَ لَأَبْوَجْهٍ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 4822 صحیح بخاری، رقم: 3494,6058 صحیح مسلم، رقم: 6630

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم قیامت کے دن سب سے بُرے حال میں اُس شخص کو پاؤ گے جو دو چہروں والا دو رخا ہے۔ ادھر ایک چہرے کے ساتھ لوگوں کے پاس آتا ہے اور ادھر دوسرے چہرے کے ساتھ۔

تشریح:

اس حدیث میں ایسے شخص کا بُرا انجام بتایا گیا ہے جو دوسروں کے سامنے اُن کی تعریف اور خوشامد کرے اور اُن سے ہمدردی اور خیر خواہی کا اظہار کرے مگر بعد میں اُن کی برائی اور بدخواہی کی باتیں کرے۔ ایسے شخص کو اُردو میں دُورخا، یا دُوغلا کہا جاتا ہے اور عربی میں اسے ذُو الْوَجْهَيْنِ (دو چہروں والا۔ دو منہ والا) کہتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسی حرکت منافقت ہے اور ایک قسم کا دھوکا ہے۔

ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتے ہیں لوگ

ایسے دُورخے شخص کا آخرت میں کیا انجام ہوگا۔ اس سلسلے میں ابوداؤد میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”دنیا میں جو شخص (منافقوں کی طرح) دُورخا ہوگا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو

زبانیں ہوں گی۔“ (ابوداؤد، رقم: 4873)

اللہ تعالیٰ نے آخرت کا ثواب و عذاب دنیا کے اچھے برے اعمال و اخلاق کے مطابق اور مناسب رکھا

ہے۔ اور منافقت اور دُورخاپن کی یہ سزا رکھی ہے کہ اس شخص کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ یاد

رہے کہ بعض جانوروں مثلاً کچھ سانپوں کی بھی دو زبانیں ہوتی ہیں۔ لوگ عام طور پر اس بری عادت (دُورخاپن

) کو معمولی بات سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ بہت سنگین اور خطرناک ہے جس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

34۔ پکا منافق کون؟

34..... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ الْإِنْفَاقِ حَتَّىٰ يَدْعَاهَا: إِذَا اتُّمِّنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ.))

صحیح بخاری، رقم: 34

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 56

ابوداؤد، رقم: 4688

صحیح مسلم، رقم: 210

ترمذی، رقم: 2632

نسائی، رقم: 5020

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 37

مسند احمد، رقم: 6768

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ پکا منافق ہے۔ جس میں اُن میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو وہ منافقت کی خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔“

تشریح:

نفاق دو قسم کا ہے، ایک اعتقادی، دوسرا عملی۔

اعتقادی نفاق یہ ہے کہ کوئی شخص دل سے اسلام کو قبول نہ کرے مگر زبان سے اپنے آپ کو مومن ظاہر کرے۔

عقیدے کا یہ نفاق نہایت ذلیل، گھٹیا اور بدترین قسم کا کفر ہے اور اس طرح کے منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء: 145]

”بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہوں گے۔“

عملی نفاق یہ ہے کہ آدمی ہو تو مسلمان مگر اُس کے اعمال سچے مسلمانوں جیسے نہ ہوں بلکہ منافقوں جیسے اعمال ہوں۔

پھر جیسا کہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعتقادی نفاق یعنی کفر و شرک کی گندگی سے بچے اسی طرح اُس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ منافقوں جیسے اعمال نہ کرے۔

مذکورہ حدیث میں نبی ﷺ نے عملی نفاق کی چار خصلتوں یا نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جس شخص میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ پکا منافق ہے اور جس میں اُن میں سے کوئی ایک پائی جائے گی تو وہ اسی نسبت سے اتنا عملی منافق ہوگا، جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ ایک خصلت یا نشانی والا ایک چوتھائی (1/4) عملی منافق ہے۔ دو والا آدھا (1/2) اور تین خصلتوں یا نشانیوں والا تین چوتھائی (3/4) عملی منافق ہے۔

اس حدیث میں عملی نفاق کی درج ذیل چار خصلتیں یا نشانیاں بیان ہوئی ہیں:

1: امانت میں خیانت کرنا

2: جھوٹ بولنا

3: وعدہ خلافی کرنا

4: بدزبانی کرنا

شریعت میں یہ چاروں کام گناہ کے کام ہیں اور ان سے بچنا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ اس حدیث میں اگرچہ عملی نفاق کی چار ہی خصلتوں اور نشانیوں کا ذکر ہے اور ان کا مجموعہ بھی کسی شخص کو پکا منافق بنادینے کے لیے کافی قرار دیا گیا ہے، تاہم قرآن مجید اور بعض دوسری احادیث میں عملی نفاق کی کئی اور خصلتیں اور نشانیاں بھی بیان ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر:

1: نماز میں سستی کرنا (النساء، آیت: 142)

2: نیکی سے روکنا اور برائی کا حکم دینا (التوبہ، آیت: 67)

3: اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا (التوبہ آیت 54، المنافقون آیت 7)

4: جہاد سے جی چرانا (التوبہ آیت 81، 45)

35۔ کافروں کے خلاف جہاد و قتال کا حکم

35..... عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَمَرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ. فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 1709, 12 صحیح بخاری، رقم: 2946, 25
صحیح مسلم، رقم: 129, 128, 126, 125, 124 اللؤلؤ والمرجان، رقم: 15
صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 51

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مجھے لوگوں سے اُس وقت تک جنگ و قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ یہ گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں پھر جب وہ ایسا کر لیں تو انہوں نے سوائے اسلامی حدود کے معاملے کے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو مجھ سے بچا لیا۔ اور اُن کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔“

تشریح:

اس حدیث سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

- 1: اسلام میں کافروں سے جہاد و قتال کرنے کا حکم ہے۔
- 2: مسلمانوں کے خلاف جہاد و قتال جائز نہیں۔
- 3: جہاد و قتال ہر کافر کے خلاف نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اسے ذمی بن کر رہنے کی بھی اجازت ہے۔
- 4: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھنے سے مراد پورا کلمہ طیبہ پڑھنا ہے۔ جس میں حضور ﷺ پر ایمان لانا شامل ہے۔
- 5: اسلامی جہاد و قتال صرف کافر حکومت اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف ہوگا۔

6: جب تک پوری دنیا میں اسلام غالب نہیں ہو جاتا اس وقت تک بلکہ ایک حدیث کے مطابق قیامت تک جہاد جاری رہے گا۔

7: کسی مسلمان پر بھی بعض جرائم پر حد جاری ہو سکتی ہے۔ جیسے قاتل سے قصاص، زانی کو سنگسار کرنا اور مرتد کو موت کی سزا دینا شامل ہے۔

8: بعض احادیث میں ”أَمْرٌ أَنْ أُقَاتِلَ“ بھی آیا ہے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں جہاد کروں اور بعض روایات میں ہے کہ جب تک لوگ کلمہ اسلام نہ پڑھ لیں اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی نہ کر لیں اس وقت تک ان کے خلاف جہاد ہوگا۔



36۔ بدعت کی مذمت

36..... ((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.))

صحیح بخاری، رقم: 2697

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 140

صحیح مسلم، رقم: 4492

صحیح بخاری، رقم: 2697

ابن ماجہ، رقم: 14

ابوداؤد، رقم: 4606

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 120

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی، جو اس میں سے نہیں تو اسے رد کر دیا جائے گا۔

تشریح:

چونکہ دین اسلام مکمل ہو چکا ہے (المائدہ آیت 3) اس لیے اب اس میں کسی اضافے اور کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایسا اضافہ اور کمی بیشی بدعت کہلائے گی جو کہ گمراہی ہے۔

1- بدعت کا مفہوم:

’بدعت‘ کے لفظی معنی ہیں: نئی بات، نئی چیز، نیا طریقہ، اصطلاح میں ’بدعت‘ اس سے مراد دین میں ایسی چیز داخل کرنا ہے جو دین میں سے نہ ہو۔

دین میں ہر بدعت حرام ہے اور گمراہی ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ عیسائیوں نے اپنے مذہب میں رہبانیت کی بدعت ایجاد کر لی تھی:

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (الحديد: 27)

”اور رہبانیت (ترک دنیا) انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی جس کا حکم ہم نے نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے اللہ کی رضا کے لیے اسے خود اختیار کر لیا۔ مگر پھر انہوں نے جیسا اُس کو بنا لینا چاہیے تھا وہ نہ

نباہ سکے۔“

صحیح احادیث میں ہر بدعت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے اور اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ:

((إِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

(سنن ابی داؤد۔ حدیث: 3991)

”تم لوگ دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے سے بچو۔ اس لیے کہ ہر نئی بات (جو دین میں سے نہ ہو) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

صحیح مسلم میں ہے کہ:

((.....وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

(صحیح مسلم، حدیث: 1434)

”اور سب سے بری چیز وہ ہے جو اسلام میں نئی نکالی گئی اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

2- بدعت کے بارے میں ایک غلط فہمی کی اصلاح:

بعض لوگ بدعت کی دو قسمیں کر دیتے ہیں کہ ایک بدعت حسنہ (اچھی) ہوتی ہے اور دوسری سیئہ (بری) مگر یہ تقسیم غلط فہمی ہے اور اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں ہر قسم کی بدعت کو ضلالت و گمراہی قرار دیا گیا ہے۔

((.....كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)) (صحیح مسلم، حدیث: 1434)

”ہر بدعت گمراہی ہے۔“

بعض لوگ بدعت کی مذکورہ تقسیم کے حق میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باجماعت نماز تراویح کے بارے میں فرمایا تھا کہ:

((نَعَمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ))

”یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔“

حالاں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بدعت کا لفظ لغوی معنوں میں استعمال کیا تھا، نہ کہ اصطلاحی معنوں میں۔ بات یہ تھی کہ صحابہ کرام پہلے الگ الگ ٹولیوں کی شکل میں نماز تراویح پڑھتے تھے۔ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو باجماعت ایک ساتھ نماز تراویح شروع کرانے کے بعد یہ فرمایا تھا کہ:
”یہ نیا کام کتنا اچھا ہے۔“

دوسرے یہ کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو اس کے اصطلاحی معنوں میں لیا جائے تو پھر ان کا قول ایک صحیح حدیث کے خلاف ہو جائے گا جس میں ہر بدعت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے اور جب قول صحابی حدیث نبوی ﷺ کے خلاف ہوگا تو اسے چھوڑ دیا جائے گا اور اس کے مقابلے میں حدیث کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ حدیث نبوی ﷺ کے خلاف کسی کا قول حجت نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی بدعت ایجاد کی جائے جب کہ دین میں اُس کی کوئی اصل یا کوئی مرجع موجود نہ ہو تو وہ گمراہی ہوتی ہے، خواہ یہ گمراہی اعتقادی ہو یا عملی اور یہی اصطلاحی یا شرعی بدعت کہلاتی ہے۔ لیکن جب کسی نئی چیز کی کوئی اصل یا مرجع شریعت میں موجود ہو تو وہ وہاں بدعت کا لفظ محض لغوی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اُس وقت اس کے شرعی یا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہوتے۔

جیسے صحابہ کرام نے قرآن مجید کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا تو یہ اس لیے بدعت نہیں کہ اس کی اصل شریعت میں موجود تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید لکھنے کا حکم دیا تھا۔ وہ پہلے متفرق طور پر الگ الگ لکھا گیا لیکن صحابہ کرام نے حفاظت کی خاطر اُسے ایک مصحف میں جمع کر دیا۔

یہی معاملہ تراویح کی نماز کا ہے۔ اسے بھی شرعی طور پر بدعت اس لیے نہیں کہا جاسکتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو چند راتیں تراویح کی نماز باجماعت پڑھائی تھی۔ پھر اُس کے فرض ہونے کے خوف اور اندیشے سے آپ ﷺ نے نہیں پڑھائی۔ لیکن عہد نبوی ﷺ اور عہد صدیقی میں صحابہ کرام الگ الگ ٹولیوں میں نماز تراویح پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ عہد فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو پھر ایک امام کی اقتداء میں اسے باجماعت پڑھنے پر جمع کر دیا جیسے عہد نبوی ﷺ میں چند دن باجماعت پڑھی گئی تھی۔ کیونکہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد نماز تراویح کے فرض ہو جانے کا خوف اور اندیشہ باقی نہ رہا تھا۔ اسی طرح حدیث کی کتابت کا مسئلہ ہے۔ اس کی اصل بھی شریعت میں موجود تھی۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو کچھ احادیث لکھنے کی اجازت دی تھی، اگرچہ عام لوگوں کو حدیث کی کتابت سے منع فرمایا تھا۔ اس عمومی ممانعت کا سبب یہ اندیشہ تھا کہ کہیں قرآن اور احادیث آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ پھر جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہو گئی اور قرآن بھی مکمل ہو گیا تو اب قرآن اور احادیث کے خلط ملط ہونے کا

اندیشہ ختم ہو گیا تو احادیث کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے ان کی بھی کتابت اور تدوین کی گئی۔
یاد رکھیے، ہر بدعت، خواہ وہ کسی قسم کی ہو یا کسی شکل میں ہو، گمراہی ہے۔ صرف قرآن و سنت کی راہ ہی
ہدایت اور نجات کی راہ ہے۔

﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن
سَبِيلِهِ﴾ (الانعام: 153)

’اور یہ کہ یہی میری سیدھی شاہراہ ہے۔ اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں
اللہ کے راستے سے جدا کر دیں گے۔‘

اسی بات کی وضاحت ایک حدیث میں اس طرح کی گئی ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، خَطًّا، ثُمَّ قَالَ:
هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ، ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ، وَقَالَ: هَذِهِ سُبُلٌ
عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُوا إِلَيْهِ وَقَرَأَ ﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا
فَاتَّبِعُوهُ﴾ (الآية)) (نسائی، دارمی، مسند احمد)

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں دین اسلام کے بارے میں
سمجھا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک سیدھا خط کھینچا اور ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ
اللہ کا راستہ ہے پھر آپ ﷺ نے اس خط کے دائیں اور بائیں اس کے ساتھ ملتے ہوئے کئی خط
کھینچے اور فرمایا کہ یہ بھی راستے ہیں جن میں سے ہر راستے پر ایک شیطان بیٹھا ہے جو اپنے راستے کی
طرف بلاتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے آیت پڑھی۔“ (جس کا ترجمہ اوپر موجود ہے)

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے بھی اپنے مکتوبات میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

”بدانکہ ہر بدعت سیئہ باشد“

”جان لو کہ ہر بدعت بری ہوتی ہے۔“

3- بدعت کے اسباب:

ہمارے ہاں بے شمار بدعتیں پھیلی ہوئی ہیں جن کا دین و شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ عرس، تیجا،
چالیسواں، میلاد، شب برات کا حلوہ اور آتش بازی سب بدعات ہیں۔ ان کا ایک بڑا سبب ہندو معاشرت

کے اثرات ہیں۔ اس کے علاوہ بدعت کے درج ذیل اسباب ہیں:

1- جہالت:

بدعات کے پیدا ہونے اور پھیلنے کا سب سے بڑا سبب لوگوں کی عام جہالت اور دین سے دوری ہے۔ ہمارا معاشرہ اسلامی تعلیمات، اسلامی زندگی، اسلامی تہذیب و معاشرت سے کوسوں دور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں ایسی بدعات و محدثات ہیں جو دوسرے مسلم ممالک میں نہیں پائی جاتیں۔

پھر جوں جوں قیامت کا زمانہ قریب آتا جا رہا ہے، دین سے دوری بڑھتی جا رہی ہے۔ دین کا علم اور عمل کم ہو رہا ہے۔ مذہبی اختلافات زیادہ بڑھ رہے ہیں۔

بدعات کا خاتمہ صرف صحیح دینی علم سے ممکن ہے اور دین کا صحیح علم علمائے حق کے پاس ہے۔ جب علمائے حق کم ہو رہے ہیں تو دین کا علم بھی کم ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدعتوں کو زیادہ فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ:

((إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا، يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ. وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ. حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقِ عَالِمًا، اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَالًا، فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.))

(بخاری و مسلم، اللولو والمرجان حدیث: 1712)

”اللہ تعالیٰ بندوں سے علم چھین کر ختم نہیں کرے گا۔ بلکہ علماء کو ختم کر کے علم کو ختم کر دے گا۔ یہاں تک کہ جب وہ علماء ختم ہو جائیں گے تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو بغیر علم کے فتوے دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

2- خواہشات کی پیروی:

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص دین سے منہ موڑے گا وہ خواہشات کی پیروی میں لگ جائے گا اور جب وہ خواہشات کی پیروی کرے گا تو بدعات کو جنم دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (القصص: 50)

”پھر اگر یہ لوگ آپ ﷺ کو جواب نہ دیں تو آپ ﷺ یقین کر لیں کہ یہ اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں اور اُس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے؟ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ
وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً﴾
(الجاثیہ: 23)

”کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے! اور اللہ نے اس کے علم کے باوجود اُسے گمراہی میں ڈال دیا۔ اُس کے کان پر اور اُس کے دل پر مہر لگا دی اور اُس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔“

3- اندھی تقلید اور گروہی تعصب (Sectarian Prejudice):

اندھی تقلید اور گروہی تعصب کے نتیجے میں بھی معاشرے میں بدعتیں پیدا ہوتی اور پھیلتی ہیں۔ جب لوگ اندھی اور جامد تقلید میں مبتلا ہوں گے تو قرآن و سنت کی پیروی باقی نہیں رہے گی اور اس کے بعد صرف بدعات ہی کا ظہور ہوگا۔

قرآن مجید میں اندھی تقلید کے بارے میں ہے کہ:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا آَلَفِينَا عَلَيْهِ أَبَاءَنَا أَوْلُو
كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾
(البقرہ: 170)

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس پر چلو، تو جواب دیتے ہیں ہم تو اسی راہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو چلتے دیکھا ہے تو کیا اس صورت میں بھی جب ان کے باپ دادا نہ عقل سے کام لیتے ہوں اور نہ سیدھی راہ جانتے ہوں۔“

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اندھی تقلید کے نتیجے میں اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا لیا تھا۔

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ...﴾
(التوبہ: 31)

”انہوں نے اللہ کے علاوہ اپنے علماء اور مشائخ کو بھی اپنا رب بنا لیا تھا۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں بدعات و محدثات سے بچائے اور قرآن و سنت کی ٹھیک پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

37۔ بہترین کلام اللہ کا کلام ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے

37..... عَنْ أَجَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.))
مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 141
صحیح مسلم، رقم: 2005

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حمد وثنا اور صلوة و سلام کے بعد“

سب سے بہترین کلام، اللہ کی کتاب ہے۔ بہترین طریقہ ہدایت محمد ﷺ کا ہے۔ سب سے برے کام بدعتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

تشریح:

حضور ﷺ کے خطبے کا ایک حصہ ہے کیونکہ اس میں ”أَمَّا بَعْدُ“ کے بعد الفاظ آئے ہیں یہ حدیث جو آپ ﷺ کے اپنے خطبوں کے آغاز میں فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث کے چند امور بیان ہوئے ہیں۔

1۔ بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا کلام باقی ہر کلام سے افضل ہے اور یہ کہ لوگوں کے لیے بھی سب سے بہتر اور رہنما کلام قرآن مجید ہی ہے جو کہ مکمل دستور حیات ہے۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے بہترین رہنما ہے۔ جس کی پیروی سے دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

2۔ بہترین ہدایت حضور ﷺ کی ہدایت ہے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے طریقے سے بڑھ کر ہدایت کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے بڑھ کر انسانی زندگی کے لیے کوئی اور نمونہ عمل نہیں ہے جس کی پیروی میں دنیا اور آخرت کی فلاح مضمر ہے۔

3۔ دین میں نئی باتیں نکالنا سب سے بُری چیز ہے:

دین میں نئی باتیں نکالنا محدثات ہے جو بدعات کے ہم معنی لفظ ہے۔ محدث اور بدعت ایک ہی چیز

ہے۔ اور سب سے برے کام بدعتیں ہیں۔

4۔ ہر بدعت گمراہی ہے:

حدیث کے آخر میں فرمایا گیا کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اب جو لوگ بدعت کی دو تقسیمیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کر کے پہلی کو جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس صحیح حدیث کے بالکل خلاف بات کرتے ہیں۔

البتہ بدعت شرعی اور بدعت لغوی ہوتی ہے۔ بدعت شرعی وہ بدعت ہے جس کی شریعت میں کوئی دلیل موجود نہ ہو اور بدعت لغوی ہر نئے کام کو کہتے ہیں خواہ وہ کام اچھا ہو یا برا۔
(بدعت کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے حدیث نمبر 36 کی تشریح)



باب 6..... نبوت و رسالت

38- حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان نہ لانے والا دوزخی ہے

38..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ، يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يَوْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ.)) صحیح مسلم رقم 386
مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 386 مسند احمد، ج 2، ص 317, 250 كترالعمال ج 2، ص 268
”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اس امت کا کوئی شخص ایسا نہیں ہے، خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی، جو میری رسالت کی خبر سنے اور اس پیغام کو جو میں لایا ہوں، نہ مانے اور پھر دوزخیوں میں شامل نہ ہو۔“

تشریح:

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص خواہ وہ یہودی ہو، یا عیسائی ہو، یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو، جو بھی ہو اُس تک جب نبی ﷺ کی دعوت اور پیغام پہنچ جائے اور وہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو نہ اپنائے اور اسی حالت میں مر جائے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر اور آپ ﷺ کی شریعت کی پیروی کیے بغیر کوئی بندہ آخرت میں نجات نہیں پاسکے گا، وہ دوزخ میں جائے گا، جنت میں نہیں جاسکتا۔

البتہ اگر کوئی ایسا شخص ہو جس تک نبی ﷺ کی دعوت اور پیغام نہ پہنچے تو یہ اُس کے لیے عذر ہے اور ایسے شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ چاہے اُسے بخش دے اور چاہے عذاب دے۔

بعض لوگ صرف خدا پر ایمان لانے کو آخرت میں نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور آج کل بعض دوسرے لوگ صرف خدا اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کو نجات کے لیے کافی قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ یہ بات بنیادی اور اصولی ہے کہ جب تک کوئی شخص ایمان کے جملہ امور (Package) کو نہ مانے وہ ایمان والا ہی نہیں اور کوئی شخص ایمان کے بغیر جنت میں نہیں جاسکتا۔ یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ کسی ایک نبی کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے اور کسی ایک نبی کو نہ ماننے والے کا ایمان معتبر نہیں ہے۔ جیسا کہ کسی ایک آسمانی کتاب کا انکار تمام آسمانی کتب کا انکار ہے بلکہ قرآن کی ایک سورت یا آیت کا انکار بھی پورے قرآن کے انکار کے مترادف ہے۔

39۔ بعثت نبوی ﷺ کی ایک مثال

39..... وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَثَلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهَا، جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهَذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا، وَجَعَلَ يَحْجُزُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَتَّقَحَمْنَ فِيهَا، فَأَنَا آخِذٌ بِحُجْرِكُمْ عَنِ النَّارِ، وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُونَ فِيهَا.))

صحیح بخاری، رقم: 3426,6483

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1473

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 149

صحیح مسلم، رقم: 5958,5957

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 4

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میری مثال ایسے آدمی کی ہے جس نے آگ جلانی۔ پھر جب ارد گرد کی جگہ روشن ہوئی تو پتنگے پروانے اور بعض کیڑے مکوڑے جو آگ میں آکر گرتے ہیں، وہاں گرنے لگے۔ وہ آدمی ان سب کو گرنے سے روکے، مگر وہ زبردستی آگ میں گھستے جائیں۔ اس طرح میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر آگ سے بچا رہا ہوں لیکن تم لوگ اس میں گھستے جا رہے ہو۔“

تشریح:

اس حدیث میں ایک مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے کہ لوگ اپنی جہالت اور نفسانی خواہشات کے سبب گناہوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ پھر نہ وہ کسی اچھائی برائی یا حلال و حرام میں تمیز کرتے ہیں اور نہ اپنے نفع و نقصان کو پہچانتے ہیں۔ اس طرح وہ گمراہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے اپنے آپ کو تباہی اور بربادی کے گڑھے میں گرا دیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہی اور بربادی سے بچانے اور راہ ہدایت پر چلانے کے لیے ہر زمانے میں انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا۔

دوسرے پیغمبروں کی طرح حضرت محمد ﷺ بھی اپنی امت کو جہالت اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لاتے ہیں۔ مگر لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کی طرف لپکتے

جاتے ہیں اور حضور ﷺ اُن کو جہنم سے بچانے کی کوشش فرماتے ہیں، اُن کو ایمان کی طرف بلا تے اور نیک اعمال کی دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ دوزخ کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔

البتہ نبی ﷺ کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچا دینے کی ہے، آگے ایمان لانے یا نہ لانے کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے ملتی ہے اور وہ صرف اُنہی کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کے طلب گار ہوتے ہیں اور وہ کسی کو زبردستی سے نہ ہدایت دیتا ہے اور نہ جبراً گمراہ کرتا ہے۔

40۔ حضور ﷺ کی بعثت بارش کی طرح ہے

40..... عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ قَبِلَتْ الْمَاءَ، فَانْبَتَتِ الْكَلَّا وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا آجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَفَعَّ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا، وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةٌ أُخْرَى 'إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً، وَلَا تُنْبِتُ كَلًّا. فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقَّهَ فِي دِينِ اللَّهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا، وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللَّهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ.))

صحیح بخاری، رقم: 79

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 150

مسند احمد، رقم: 19802

صحیح مسلم، رقم: 5953

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1471

”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اُس کی مثال ایک موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی۔ پھر زمین کا جو ٹکڑا بہت زرخیز تھا اُس نے پانی کو جذب کر لیا اور گھاس اور سبزہ اُگایا۔ زمین کا دوسرا ٹکڑا سخت تھا۔ اُس نے پانی کو روک کر جمع کر لیا جس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا، انہوں نے خود پانی پیا، اپنے جانوروں کو پلایا، آب پاشی کی اور کھیتی پیدا کی۔ لیکن زمین کا جو ٹکڑا بالکل صاف چٹیل تھا اُس نے نہ پانی کو روک کر جمع کیا اور نہ سبزہ اُگایا۔ پہلی دو مثالیں ان لوگوں کی ہیں جن کو اللہ کے دین میں سمجھ بوجھ حاصل ہوئی اور میرے لئے ہوئے پیغام سے فائدہ پہنچا۔ انہوں نے خود اسے سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔ تیسری مثال ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے اس کی پروانہ کی اور میرے پیغام کو قبول نہ کیا۔“

تشریح:

اس حدیث میں نبی ﷺ نے اپنے لئے ہوئے علم و ہدایت کو بارش سے تشبیہ دی ہے۔ پھر اس سے

زیادہ فائدہ اٹھانے والوں کو زمین کے ایسے قطعے سے تشبیہ دی ہے جو بارش کے پانی کو اچھی طرح جذب کر لیتا ہے اور اُس میں غلہ، چارہ، پودے اور درخت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ پھر جنہوں نے اس سے کم فائدہ اٹھایا اُن کی مثال زمین کے ایسے ٹکڑے سے دی گئی ہے جو نشیب میں واقع تھا اور اُس میں گڑھے تھے جنہوں نے بارش کے پانی کو اپنے اندر جمع کر لیا۔ وہاں تالاب بن گیا جس کے پانی سے انسانوں اور جانوروں کو اپنی ضروریات کے لیے پانی میسر آ گیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبوی علم و ہدایت کی کتابیں لکھیں اور دوسروں نے ان سے استفادہ کیا۔

لیکن تیسری قسم ایسے لوگوں کی تھی جو چٹیل میدان کی طرح تھے، جس نے نہ تو پانی کو جذب کیا کہ اُس سے پیداوار آگتی، اور نہ پانی کو جمع کر کے رکھا کہ دوسرے اس سے فائدہ اٹھاتے بلکہ وہ چکنا گھڑا ثابت ہوئے یا پتھر کی چٹان بن گئے۔ انہوں نے نبوی علم و ہدایت سے نہ تو خود فائدہ اٹھایا اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ یہ آخری قسم کے لوگ بیکار زمین کی طرح نکلتے تھے۔

اس حدیث میں انسانوں کی پہلی دونوں قسمیں ایمان والوں کی ہیں اور تیسری قسم کافروں کی ہے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت اور پیغام کو ٹھکرا دیا اور ایمان نہیں لائے۔

41۔ نبی ﷺ کا کام اُمت کو خبردار کرنا ہے

41..... عَنْ أَبِي مُوسَى رضي الله عنه ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَنَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا، فَقَالَ: يَا قَوْمِ! إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بَعَيْنِي، وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ! فَالْنجَاءَ النِّجَاءَ، فَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهِ، فَأَذَلُّجُوا فَأَنْطَلَقُوا عَلَى مَهْلِهِمْ، فَفَجَّجُوا، وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ، فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَأَهْلَكَهُمْ. وَاجْتَا حَهُمْ فَذَلِكَ مِثْلُ مَنْ أَطَاعَنِي فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهِ، وَمِثْلُ مَنْ عَصَانِي وَكَذَّبَ مَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ.))

صحیح بخاری، رقم: 7283

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 148

للؤلؤ والمرجان، رقم: 1472

صحیح مسلم، رقم: 5954

”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میری اور مجھے اللہ کی طرف سے دیے گئے پیغام کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی قوم کے پاس آیا اور اُس سے کہنے لگا: اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے حملہ آور لشکر دیکھا ہے اور میں واضح اور کھلا ڈرانے والا ہوں۔ لہذا تم جلدی سے اپنا بچاؤ کر لو۔ اُس قوم کا ایک گروہ اس کی بات مان کر رات شروع ہوتے ہی اطمینان کے ساتھ کہیں روانہ ہو گیا اور بچ نکلا۔ مگر دوسرے گروہ نے اس شخص کی بات کو جھٹلایا اور اپنی جگہ پڑے رہے۔ پھر صبح ہوتے ہی حملہ آور لشکر ان پر ٹوٹ پڑا اور اُن کو تہس نہس کر دیا۔ پہلی مثال اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے میری اطاعت کی اور میرے لائے ہوئے پیغام کی پیروی کی۔ دوسری مثال اُن کی ہے جنہوں نے میری نافرمانی کی اور میرے لائے ہوئے پیغام کو جھٹلایا۔“

تشریح:

اس حدیث ”النذیر العریان“ کے الفاظ آئے ہیں جن کے معنی ”نگا ڈرانے والا“ کے ہیں۔

عربوں میں رواج تھا کہ جب کوئی شخص کسی لشکر کو اپنے قبیلے پر حملہ آور ہوتے دیکھ لیتا تو فوراً اپنے کپڑے اتار کر سر پر رکھ لیتا اور بالکل ننگا ہو کر اپنے قبیلے کی طرف بھاگتا تاکہ لوگ خبردار ہو جائیں اور دشمن

کے اچانک حملے سے بچنے کی تدبیر کریں۔ ایسے شخص کو ”نذیر عریان“ یعنی ننگا ڈرانے والا کہا جاتا تھا۔ لیکن نبی ﷺ نے اپنے لیے مذکورہ الفاظ محض عرب محاورے کے طور پر استعمال فرمائے جن کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ واضح الفاظ میں کھلم کھلا خبردار کرنے والے اور لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آپ ﷺ کو ”نذیر مبین“ یعنی کھلا ڈرانے والا کہا گیا ہے۔ سورہ الحج میں ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ (الحج : 49)

”آپ ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں تمہیں صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔“

پھر حضور ﷺ کے ڈرانے اور خبردار کرنے سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں تو ان کے لیے دوزخ سے نجات ہے اور وہ جنت میں جائیں گے۔ مگر جن لوگوں نے آپ ﷺ کی پکار پر کان نہ دھرا اور آپ ﷺ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو ایسے لوگ آخرت میں نجات نہیں پاسکیں گے اور وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔



42- حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں

42..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ قَصْرِ أَحْسَنَ بِنْيَانِهِ تُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ، فَطَافَ بِهِ النَّظَّارُ، يَتَعَجَّبُونَ مِنْ حُسْنِ بِنْيَانِهِ، إِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَةِ، فَكُنْتُ أَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ، خُتِمَ بِي الْبِنْيَانُ وَخُتِمَ بِي الرَّسُولُ)).

وَفِي رِوَايَةٍ: ((فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ)).

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5745
صحیح مسلم، رقم: 5959
اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1473
صحیح بخاری، رقم: 3535
رمذی، رقم: 3613
صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 2-

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خوب صورت محل تعمیر کیا گیا ہو لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو۔ دیکھنے والے اس کے گرد چکر لگا کر دیکھتے ہوں اور اس کے حسن تعمیر پر تعجب کا اظہار کرتے ہوں۔ پھر وہ ایک اینٹ کی خالی جگہ پر حیران ہوتے ہوں۔ تو وہ میں ہوں جس نے اب اس ایک اینٹ کے خلا کو پر کر دیا ہے۔ اب وہ عمارت مکمل ہو چکی ہے اور میرے ساتھ ہی رسالت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔

”ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں وہی اینٹ اور آخری نبی ہوں۔“

تشریح:

عقیدہ ختم نبوت قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ جو شخص حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے کا انکار کرتا ہے وہ کافر اور غیر مسلم

ہے۔ اسی عقیدے اور حقیقت کو مذکورہ حدیث میں ایک سادہ لیکن عمدہ اور بلیغ مثال کے ذریعے بیان کر دیا گیا ہے کہ حضور ﷺ انبیائے کرام کی شاندار عمارت کی آخری اینٹ ہیں جس کے بعد اب یہ عمارت مکمل ہوگئی ہے اور اس میں مزید کسی اضافے کی ضرورت اور گنجائش باقی نہیں ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خاتم النبیین (الاحزاب: آیت 40) کا لقب دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ:

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ، لَا نَبِيَّ بَعْدِي . (ابوداؤد ، رقم: 4252)
 ”میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا:

أَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَا نَبِيَّ بَعْدِي . (صحیح مسلم ، رقم: 6105)
 ”میں وہ عاقب (بعد میں آنے والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔“

43۔ نبی ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے

43..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَا مِنْ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا قَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيَتْ وَحِيًّا أَوْحَى اللَّهُ إِلَيَّْ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

صحیح بخاری، رقم: 4981

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5746

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 93

صحیح مسلم، رقم: 385

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزے دیے گئے جن کے مطابق بعض انسان ان پر ایمان لائے۔ مجھے جو معجزہ عطا ہوا وہ وحی یعنی قرآن مجید ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل کیا۔ مجھے اُمید ہے کہ قیامت کے دن ان (انبیائے کرام) کے مقابلے میں میرے پیروکاروں کی اکثریت ہوگی۔“

تشریح:

ہر نبی کو اُس کے حسب حال اور اُس کی قوم پر اتمامِ حجت کے لیے کوئی نہ کوئی معجزہ دیا گیا جو اُس نبی کے سچے ہونے کی دلیل بھی تھی۔

ان معجزوں کو دیکھ کر سلیم الفطرت انسان ایمان لاتے رہے لیکن پہلے تمام انبیائے کرام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے جو ان کے رخصت ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔

البتہ حضرت محمد ﷺ کو جو معجزہ عطا ہوا وہ اللہ کی وحی اور اُس کا کلام ہے جو قرآن مجید کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے اور قیامت تک باقی رہے گا ۵

أَفَلَتِ شُمُوسُ الْأَوَّلِينَ وَشَمْسُنَا

أَبَدًا عَلَى أَفُقِ الْعُلَى لَا تَغْرُبُ

”پہلوں کے سورج غروب ہو گئے مگر ہمارا سورج کبھی غروب نہ ہوگا ہمیشہ بلند افق پر چمکتا رہے گا۔“

یہی وجہ ہے کہ اتنے طویل عرصے میں اس سے متاثر ہو کر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔

اس لیے قیامت کے دن اکثریت اُن اہل ایمان کی ہوگی جو حضور ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان رکھنے والے اور آپ ﷺ کے زندہ جاوید معجزے، قرآن مجید کو ماننے والے ہوں گے۔

اعجاز القرآن یعنی قرآن مجید کے معجزہ (Miracle) ہونے کے کئی پہلو ہیں۔ ذیل میں اس کی چند نمایاں خصوصیات بیان کی جاتی ہیں:

1۔ کلام الہی (Word of God):

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام (Word of God) ہے۔ اس کی دلیل خود قرآن میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۗ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾ (التوبة: 6)

”اور اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ طلب کرے، تو اسے پناہ دے دیں تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کی امان کی جگہ پہنچادیں۔“

آج دنیا میں کوئی اور ایسا کلام نہیں جو کلام الہی کہلانے کا مستحق ہو اور کوئی کتاب ایسی نہیں جو اللہ کی کتاب ہو۔ یہ اعزاز آج صرف اور صرف قرآن مجید کو حاصل ہے کہ وہ اللہ کا کلام بھی ہے اور اللہ کی کتاب بھی۔

2۔ محفوظ کلام:

قرآن مجید سے پہلے کئی الہامی کتب نازل ہوئیں، لیکن آج وہ اپنی اصلی صورت میں کہیں موجود نہیں۔ امتدادِ زمانہ، مذہبی پیشواؤں کی خواہشات نفسانی اور شرارت کے باعث آج کوئی الہامی کتاب اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہی۔ یہ خصوصیت صرف قرآن عزیز کو حاصل ہے کہ وہ اول روز سے آج تک اپنی اصلی صورت میں بالکل محفوظ ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گا۔ کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے۔ قرآن اہل ایمان کے سینوں میں اور تحریری طور پر مصاحف کی شکل میں سواچودہ سو برس سے محفوظ ہے اور اس میں آج تک کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اس حقیقت کو اپنے اور بیگانے سب تسلیم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾ [الحجر: 9]

”بے شک ہم نے اس ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

3۔ معجزہ کلام:

قرآن ایک ایسا معجزہ (Miracle) ہے جس کی زبان، جس کا اسلوب (Style)، جس کا نظم، جس کی فصاحت و بلاغت اور جس کی اثر انگیزی (Effectiveness) سب معجزہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو یہ مستقل اور ابدی (Permanent and Eternal) معجزہ عطا فرمایا ہے اس کے علاوہ قرآن عربی زبان کا بھی شاہکار (Masterpiece) ہے۔

قرآن نے اپنے منکرین اور مخالفین (Opponents) کو چیلنج دیا ہے کہ وہ اگر اسے اللہ کا کلام نہیں مانتے تو اس جیسا کوئی اور کلام پیش کریں۔ اس جیسی دس سورتیں لاکر دکھائیں، یا کم سے کم ایک ہی سورت اس جیسی بنا کر لے آؤ۔ مگر کوئی شخص بھی قرآن کے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکتا اور کوئی بھی اس جیسا کلام پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا کہ:

﴿قُلْ لِّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ

بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ [بنی اسرائیل: 88]

”کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس جیسا قرآن لانا چاہیں تو نہیں لاسکتے،

اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔“

4۔ کامل ہدایت (Complete Guidance):

قرآن مجید پوری انسانیت کے لیے مکمل ہدایت نامہ ہے۔ انسانی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق قرآنی ہدایات موجود ہیں۔ قرآن کے علاوہ دوسری ہر الہامی کتاب اس طرح زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں کامل ہدایت دینے سے قاصر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ [البقرة: 185]

”رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں ایسا قرآن نازل ہوا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔“

اور یہ قرآنی ہدایت انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔

5۔ عالمگیر کتاب:

قرآن سے پہلے کی تمام الہامی کتب کسی خاص علاقے، قوم یا نسل کے لیے ہدایت بن کر آئی تھیں کیونکہ وہ جن پیغمبروں پر نازل ہوئی تھیں وہ بھی کسی خاص علاقے، قوم یا نسل کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ لیکن قرآن عالمگیر کتاب ہے۔ یہ اللہ کے جس رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا وہ سارے جہان کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

قرآن کا ایک عالمگیر کتاب ہونا خود قرآن مجید سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝ ﴾ [القلم: 52]

”اور یہ قرآن سارے جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔“

اسی طرح حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا عالمگیر ہونا درج ذیل آیات سے ثابت ہوتا ہے:

1..... ﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ﴾ [الاعراف: 158]

”کہہ دیجیے، اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔“

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا کہ:

2..... ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ ﴾ [الانبیاء: 107]

”اور ہم نے آپ کو سارے جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

6۔ فصیح و بلیغ کلام:

قرآن مجید ایک فصیح و بلیغ کلام ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت کی نظیر لانا مخلوق کے بس کی بات نہیں۔ قرآن کے الفاظ کی فصاحت، اس کے معانی کی بلاغت اور اس کا انداز بیان (Style)، سب معجزہ ہیں۔ قرآن کا انداز بیان نظم یا شاعری (Poetry) کا بیان نہیں ہے، لیکن اس میں اعلیٰ درجے کی شعریت موجود ہے۔ اس کا انداز بیان نثر (Prose) کا بھی نہیں کیونکہ اس میں جو سجع اور آہنگ (Rythm) پایا جاتا ہے وہ کسی اور نثر میں نہیں۔

دور جدید کے نامور مصری ادیب ڈاکٹر طہ حسین نے اس حوالے سے کیسی عمدہ بات کہی ہے:

((الْقُرْآنُ لَا نَظْمٌ وَلَا نَثْرٌ بَلْ هُوَ الْقُرْآنُ))

”قرآن نہ تو نظم ہے، اور نہ نثر، بلکہ قرآن قرآن ہے۔“

7۔ تضاد (Contradiction) سے پاک:

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ کا علم ہر شے پر محیط اور حاوی ہے۔ اس کے لیے ماضی، حال اور مستقبل سب ایک جیسے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کی تعلیمات (Teachings) میں کوئی تضاد اور باہم اختلاف نہیں پایا جاتا، بلکہ اس کے مضامین میں مکمل آہنگی (Harmony) اور ارتباط (Integrity) پایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ طَوَّلُوا لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ [النساء: 82]

”کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو وہ اس کے اندر بڑا اختلاف اور تضاد پاتے۔“

اس کے برعکس دنیا کے فلسفیوں اور دانشوروں کے افکار و نظریات میں ہمیشہ تضاد پایا جاتا ہے۔

8۔ پرتاثر (Effective) کلام:

قرآن مجید ایک پرتاثر کلام ہے۔ اس کی اثر انگیزی مسلم ہے۔ یہ انسان کے دل و دماغ پر اثر کرتا ہے۔ جب کوئی قاری قرآن پڑھتا ہے، تو اسے سننے والا شخص خواہ قرآن کو سمجھے یا نہ سمجھے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قرآن کا یہی وہ اعجاز تھا، جس نے کفار اور مشرکین کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ وہ اس کی اثر انگیزی کو جادو سے تعبیر کرتے تھے اور صاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نعوذ باللہ جادوگر کہتے تھے۔

صحابہ کرام کی ایک تعداد صرف قرآن سن کر مسلمان ہوئی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ اپنی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے قرآن سن کر اسلام لائے تھے۔ اسی طرح عرب کا سب سے مشہور شاعر لیبید بھی قرآن سن کر ہی دائرۃ اسلام میں داخل ہوا تھا۔

44- حضرت محمد ﷺ کے خصائص

44..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتِّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ ، وَأُحِلَّتْ لِي الْغَنَائِمُ ، وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا ، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً ، وَخُتِمَ بِي النَّبِيُّونَ .

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 5748 صحیح مسلم ، رقم: 1167 مسند احمد ، رقم: 9326

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مجھے چھ چیزوں میں دوسرے نبیوں پر فضیلت عطا کی گئی: مجھے جوامع الکلم (مختصر الفاظ اور معانی زیادہ) دیے گئے۔ دشمن پر رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی۔ میرے لیے مالِ غنیمت حلال ہوا۔ میرے لیے ساری زمین سجدہ گاہ اور پاک قرار دی گئی۔ مجھے تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔“

تشریح:

اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنی وہ خصوصیات بیان فرمائی ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے کسی اور نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔ یہ گویا آپ ﷺ کے خاص فضائل ہیں، عام فضائل کی تو کوئی حد نہیں ہے۔

1- جوامع الکلم:

نبی ﷺ کو جوامع الکلم عطا کیے گئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو مختصر مگر جامع کلمات سے نوازا گیا۔ آپ ﷺ نہایت فصیح و بلیغ گفتگو فرماتے تھے۔ چند الفاظ میں بڑے سے بڑا مضمون ادا کر سکتے تھے۔ عربی زبان میں ویسے ہی فصاحت و بلاغت ہے۔ اہل عرب اپنی زبان پر فخر کرتے تھے اسی مناسبت سے آپ ﷺ کو قرآن مجید کا معجزہ بھی عطا ہوا اور جوامع الکلم کی فضیلت اور خصوصیت بھی عطا ہوئی۔

2- دشمن پر رعب:

نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت اور فضیلت بھی عنایت فرمائی کہ دشمن پر آپ ﷺ کا رعب طاری ہو جاتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ابھی ایک مہینے کے سفر کے برابر دور ہوتے تو بھی دشمن پر آپ ﷺ کا رعب طاری ہو جاتا اور اُس کا حوصلہ پست ہو جاتا۔ یہ حضور ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا

اور غیبی تائید تھی۔

3۔ مالِ غنیمت کا حلال ہونا:

حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لیے مالِ غنیمت حلال ہے۔ یہ بھی نبی ﷺ کی خصوصیات اور فضائل میں سے ہے ورنہ پہلے تمام انبیائے کرام میں سے کسی کے لیے بھی مالِ غنیمت حلال نہ تھا۔

4۔ ساری زمین مسجد بن گئی اور پاک کر دی گئی:

حضور ﷺ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کی امت کے لیے ساری زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا۔ دنیا کے کسی حصے اور جگہ میں بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے خشکی، تری پر اور فضا میں بھی نماز ہو سکتی ہے۔ پہلی امتوں کے لیے جگہ مخصوص تھا جہاں وہ عبادت کر سکتے تھے اور ہر جگہ عبادت نہیں کر سکتے تھے۔ اور زمین کے پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں مٹی سے تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

5۔ عالمگیر نبوت:

حضور ﷺ کی نبوت عالمگیر ہے۔ آپ ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کو تمام دنیا کے لوگوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا۔ پہلے انبیاء کرام کو کسی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا تھا اور ان کی نبوت وقتی اور عارضی تھی جب کہ حضور ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لیے ہے۔

6۔ ختم نبوت:

حضور ﷺ کی ایک اہم خصوصیت اور فضیلت یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ ﷺ کو ”خاتم النبیین“ (الاحزاب آیت: 40) کا لقب دیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ:

((أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ، لَا نَبِيَّ بَعْدِي . (ابوداؤد، رقم: 4252)

”میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا:

((أَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَا نَبِيَّ بَعْدِي .)) (صحیح مسلم، رقم: 6105)

”میں وہ عاقب (بعد میں آنے والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

لیکن یاد رہے حضور ﷺ کی بعض دیگر خصوصیات اور فضائل کا ذکر بھی قرآن اور احادیث میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر:

1: آپ ﷺ کو شفاعت کبریٰ کا حق دیا گیا۔

2: آپ ﷺ کے پیروکاروں کی تعداد دوسرے تمام پیغمبروں کے پیروکاروں سے زیادہ ہوگی۔

3: آپ ﷺ کو قرآن مجید کا دائمی معجزہ عطا ہوا۔

4: آپ ﷺ کے ذریعے دین اسلام کی تکمیل ہوئی۔

تاہم اس سب کچھ کے باوجود آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہی نکلا کہ مجھے دوسرے انبیاء کرام پر فضیلت نہ دی جائے:

..... لَا تُخَيِّرُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ .

(صحیح مسلم، رقم: 2412- صحیح مسلم، رقم: 6156- ابوداؤد، رقم: 4668)

”انبیاء کو ایک دوسرے پر برتری یا ترجیح نہ دو۔“

نیز فرمایا:

..... مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ: أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى . (صحیح مسلم، رقم: 6160)

”کسی بندے کے لیے جائز نہیں کہ وہ میرے بارے میں کہے کہ میں یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر

ہوں۔“

تو یہ حضور ﷺ کی عاجزی اور انکساری کا اظہار تھا۔ حقیقت یہ ہے جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے

کہ تمام انبیائے کرام منصب نبوت میں برابر ہیں۔ پھر اولوالعزم رسول ہونے کے لحاظ سے بعض کا درجہ

دوسروں سے بلند تر ہے اور ان میں بھی سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں۔

45- حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ

45..... عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: بُعِثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِأَرْبَعِينَ سَنَةً، فَمَكَثَ بِمَكَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ سَنَةً يُوحَى إِلَيْهِ، ثُمَّ أُمِرَ بِالْهَجْرَةِ، فَهَاجَرَ عَشْرَ سِنِينَ، وَمَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ سَنَةً.

صحیح بخاری، رقم: 3851

ترمذی، رقم: 3652

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5837

صحیح مسلم، رقم: 6096

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1516

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو چالیس برس کی عمر میں مبعوث کیا گیا۔ آپ ﷺ تیر (13) سال مکے میں رہے اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ دس سال تک (مدینے میں) قیام فرمایا اور تریسٹھ (63) سال کی عمر میں آپ ﷺ نے وفات پائی۔

تشریح:

بظاہر یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول معلوم ہوتا ہے لیکن اگر کوئی صحابی نبی ﷺ کے احوال و کیفیات میں سے کوئی چیز بیان کرے تو اصطلاح میں یہ بھی حدیث کہلاتی ہے۔ اس حدیث میں نہایت ہی مختصر انداز میں نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت چالیس برس کی عمر میں ہوئی۔ اس کے بعد آپ تیرہ (13) سال مکے میں رہے۔ پھر مدینہ ہجرت فرمائی۔ وہاں دس برس رہے اور تریسٹھ (63) برس کی عمر میں دنیا سے تشریف لے گئے۔

حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی تفصیل جاننے کے لیے سیرت پر لکھی گئی بہت سی کتب موجود ہیں۔



46۔ نبی ﷺ کی شان میں مبالغہ نہ کرو

46..... ((عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَبَتِ النَّصَارَى بِنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 4897

صحیح بخاری، رقم: 3445

دارمی، رقم: 2784

مسند احمد، رقم: 154

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میری شان بیان کرنے میں حد سے نہ بڑھو، جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں حد سے بڑھ گئے۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، لہذا تم بھی مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ﷺ کہو۔“

تشریح:

اس حدیث میں ”لَا تُطْرُونِي“ کے الفاظ آئے ہیں جو ”أَطْرَى يُطْرِي إِطْرَاءً“ سے ہیں۔ مشہور

و مستند عربی لغت ’لسان العرب‘ میں ’إِطْرَاءٌ‘ کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں:

”مُجَاوِزَةٌ الْحَدِّ فِي الْمَدْحِ وَالْكَذِبِ فِيهِ .

”کسی کی تعریف میں حد سے بڑھ جانا اور اس میں جھوٹ شامل ہونا“

پھر اس لفظ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے صاحب لسان العرب نے لکھا ہے:

أَطْرَى فُلَانٌ فُلَانًا: إِذَا مَدَحَهُ بِمَا لَيْسَ فِيهِ . (لسان العرب، لابن منظور، مادہ ’طری‘)

”فلاں نے فلاں کی ’إِطْرَاءً‘ کی کا مطلب ہے اُس نے اُس کی ایسی خوبی بیان کی جو اُس میں نہیں

پائی جاتی۔“

’إِطْرَاءٌ‘ سے ملتا جلتا لفظ ”عُلوٌ“ بھی ہے۔ جس کے لفظی معنی حد سے بڑھنے اور تجاوز کرنے کے ہیں۔

یہ دونوں لفظ ’افراط‘ کے معنوں میں آتے ہیں۔ قرآن مجید میں ’عُلوٌ فی الدین‘ یعنی دین میں افراط کے فتنے سے

روکا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾ (النساء: 171)

”اے اہل کتاب! دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں صرف حق بات کہو۔“

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ:

..... إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِي الدِّينِ .

(نسائی رقم: 3057- ابن ماجہ، رقم: 3029- ابن خزیمہ، رقم: 2867- الصحیحہ، رقم: 1283)

”دین میں غلو کرنے سے بچو، تم سے پہلے لوگ غلو فی الدین کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔“

’غلو فی الدین‘ کا مطلب یہ ہے کہ دین میں کسی چیز کو اُس کے اصل درجے اور مقام سے بڑھا کر کچھ

سے کچھ کر دینا۔

مثال کے طور پر نفل کو فرض اور واجب کا درجہ دینا۔ کسی اُمتی کو امام معصوم بنا دینا۔ کسی نبی کو خدا بنا لینا، یا خدا کا بیٹا بنا لینا، یا خدائی میں شریک سمجھنا، جس چیز کا ادب اور احترام کرنا چاہیے اُسے سجدہ کرنا اور اُس کی پوجا شروع کر دینا یہ سب غلو فی الدین ہے جو گمراہی ہے، بدعت ہے اور فتنہ ہے۔

حدیث میں ”نصاری“ یعنی عیسائیوں کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ ’اطراء‘ غلو، اور ’افراط‘ کے فتنے میں سب سے زیادہ مبتلا ہوئے۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو جو اللہ کے بندے اور اُس کے رسول تھے، خدا کا بیٹا بنا دیا اور پھر اُن کو خدائی اور الوہیت کا درجہ دے دیا۔ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو جو عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں، نعوذ باللہ خدا کی ماں بنا دیا۔ انہوں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو، جو اللہ کے بندے اور فرشتے ہیں، خدائی کی تثلیث (Trinity) میں شامل کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کو زہد و تقویٰ کی تعلیم دی تھی مگر انہوں نے اس میں غلو کر کے رہبانیت کی بدعت کا رپورا کا خانہ بنا لیا۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو ’اطراء‘ غلو اور افراط کے جس فتنے میں خبردار کیا تھا، افسوس ہماری اُمت بھی اُسی کا شکار ہو گئی۔

آج بھی بعض لوگ حضرت محمد ﷺ کو حاضر و ناظر، سمیع و بصیر، مشکل کشا، حاجت روا اور عالم الغیب مانتے ہیں حالانکہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی الصفات کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی طرح کئی عاشقانِ رسول ﷺ، ایسے بھی ہیں جو حضور ﷺ کو ”نورٌ مِّنْ نُورِ اللَّهِ“ یعنی اللہ کے نور کا ٹکڑا قرار دیتے ہیں۔

انا لله وانا اليه راجعون.

47- حضور ﷺ اور قربِ قیامت

47..... عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5509

صحیح بخاری، رقم: 6504

صحیح مسلم، رقم: 7405, 7404

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1863

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں اور قیامت ان دونوں (انگلیوں) کی طرح بھیجے گئے ہیں۔“

تشریح:

یہ حدیث قیامت کے قرب کو ظاہر کرتی ہے۔ اس میں نبی ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کلمہ شہادت والی انگلی اور اُس کے برابر والی انگلی کو ملا کر یہ فرمایا ہے کہ: میری بعثت اور قیامت ایک دوسرے کے اتنے ہی قریب ہے جتنی یہ دو انگلیاں ایک دوسرے کے قریب اور ساتھ ساتھ ہیں۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تاریخی اعتبار سے ہر نبی اور اُس کی اُمت کا دور ختم ہو چکا۔ اب حضور ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کی اُمت کا دور شروع ہو گیا ہے جو قیامت پر جا کر ختم ہوگا۔ اس تمام عرصے کے دوران میں نہ کوئی دوسرا نبی آئے گا اور نہ کوئی اور اُمت برپا ہوگی۔ اب یہ آخری نبی اور اُس کی آخری اُمت کا زمانہ ہے جو جلد ختم ہو جائے گا۔ لہذا قیامت کو دُور سمجھ کر اُس سے بے فکر نہ ہو جاؤ بلکہ اُسے قریب جان کر اُس کے لیے تیاری کرو۔

اس حدیث میں انگلیوں کے اشارے سے جہاں حضور ﷺ کے سمجھانے کا ایک انداز ملتا ہے وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امانت و دیانت اور حدیث کی حفاظت کے سلسلے میں اُن کا احساسِ ذمہ داری بھی ظاہر ہوتا ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی بات کو اسی طرح اُمت تک پہنچایا جس طرح کہ دیکھا تھا اور انہوں نے آپ ﷺ کی حرکات و سکنات کو بھی محفوظ رکھا۔ دو انگلیوں کی اس حالت کو صحیح مسلم کی حدیث رقم، 1705 میں راویوں کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

48۔ نبی ﷺ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریبی تعلق

48..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ، الْآنِبِيَاءُ إِخْوَةٌ مِنْ عِلَاتٍ، وَأُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى، وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ، وَلَيْسَ بَيْنَنَا نَبِيٌّ.))

صحیح بخاری، رقم: 3443, 3442

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5722

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1526

صحیح مسلم، رقم: 6130, 6131, 6132

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 134

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دنیا اور آخرت میں دوسرے لوگوں کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہا السلام سے میرا زیادہ قریبی تعلق ہے،

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیسے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تمام انبیاء آپس میں علاقائی بھائی ہیں۔ اُن کی مائیں الگ الگ ہیں۔ سب کا دین ایک

ہے، اور میرے اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے۔“

تشریح:

حضرت محمد ﷺ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو خاص نسبت اور قریبی تعلق ہے وہ کسی اور نبی کو حاصل

نہیں۔ اس کے درج ذیل دلائل ہیں:

(1)..... ان دونوں کے درمیان میں کوئی اور نبی نہیں بھیجا گیا۔ ان دونوں کا درمیانی عرصہ پانچ

(500) برس کے لگ بھگ ہے۔ گویا انبیائے کرام کی صف میں یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ

کھڑے ہیں۔

(2)..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہایت واضح الفاظ میں حضور ﷺ کی آمد کی بار بار پیش گوئی فرمائی

جیسا کہ انجیلوں سے ثابت ہے۔ خود قرآن مجید میں اُن کی طرف سے حضور ﷺ کے بارے میں یہ پیش گوئی

موجود ہے:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ (الصف: 6)

”اور ایک ایسے رسول کے آنے کی خوش خبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے، اُن کا نام احمد ﷺ ہوگا۔“

اور سب جانتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کا ایک نام ’احمد‘ بھی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں تین مقامات پر نبی ﷺ کا یہ قول روایت کیا گیا ہے:

..... أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ (صحیح مسلم، رقم: 6105, 6106, 6108)

”میں محمد ﷺ ہوں اور میں احمد ﷺ ہوں۔“

(3)..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریبی زمانے میں امت محمدیہ ﷺ کے درمیان دوبارہ تشریف لائیں گے۔ سب لوگوں کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کریں گے، دجال کو قتل کریں گے اور اسلامی شریعت نافذ کریں گے۔

پھر اس حدیث میں یہ جو فرمایا گیا کہ ”تمام انبیائے کرام آپس میں علاقی بھائی ہیں جن کا باپ ایک اور مائیں الگ الگ ہیں“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام صاحبِ وحی ہونے میں برابر ہیں اور منصبِ نبوت کی ذمہ داری گویا باپ ہے جس کے تحت سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کی الگ الگ شریعتیں گویا الگ الگ مائیں ہیں البتہ سب کا دین ایک ہی ہے جو توحید کا دین ہے جس میں شرک نہیں ہے۔ سب کے ہاں بنیادی تعلیم ایک جیسی ہے جیسے عقیدہ نبوت و رسالت، عقیدہ آخرت، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، ایک اللہ کی عبادت جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ، حقوق العباد جیسے والدین سے حسن سلوک اور اچھے اخلاق جیسے سچ بولنا، دیانتداری وغیرہ۔ (البتہ اولوالعزم رسولوں کو دوسرے انبیاء پر فضیلت حاصل ہے)

اس حدیث کی روشنی میں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ آج کل کے عیسائیوں کو یہ پیغام دیں اور اُن پر یہ حقیقت واضح کریں کہ:

- 1: حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں ہی اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔
- 2: ان دونوں کا دین ایک ہی ہے۔
- 3: اسلام صرف مسلمانوں کا دین نہیں ہے بلکہ یہ عیسائیوں کا بھی دین ہے جسے وہ غلطی سے غیروں کا دین

سمجھ بیٹھے۔

- 4: حضرت محمد ﷺ صرف مسلمانوں کے لیے رہنما، ہادی اور پیغمبر نہیں ہی بلکہ آپ ﷺ عیسائیوں کے لیے بھی رہنما، ہادی اور پیغمبر ہیں۔
- 5: قرآن صرف مسلمانوں کے لیے کتابِ ہدایت نہیں ہے بلکہ وہ عیسائیوں کے لیے بھی کتابِ ہدایت ہے۔



49- حضرت ایوب علیہ السلام اور سونے کی ٹڈیوں کا واقعہ

49..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((بَيْنَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا ، فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ ، فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحْتِثِي فِي ثَوْبِهِ ، فَنَادَاهُ رَبُّهُ: يَا أَيُّوبُ! أَلَمْ أَكُنْ أَغْنِيكَ عَمَّا تَرَى؟ قَالَ: بَلَى وَعِزَّتِكَ ، وَلَكِنْ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5707 صحیح بخاری، رقم: 279 نسائی، رقم: 409

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ایک دفعہ حضرت ایوب علیہ السلام (غسل خانے میں) برہنہ حالت میں غسل کر رہے تھے کہ اُن پر سونے کی ٹڈیاں کا ایک دل گرنے لگا۔ انہوں نے ان کو اپنے کپڑوں میں سمیٹنا شروع کر دیا۔ اس پر اُن کے رب نے اُن کو پکارا: ایوب علیہ السلام! کیا میں نے تمہیں مال عطا کر کے ان ٹڈیوں سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ انہوں نے عرض کیا:

تیری عزت و عظمت کی قسم! کیوں نہیں، لیکن میں تیری برکت سے کیسے بے نیاز ہو سکتا ہوں؟

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک نبی ہو گزرے ہیں۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر درج ذیل چار (4)

مقامات پر آیا ہے

سورہ النساء آیت: 163، سورہ الانعام آیت: 84، سورہ الانبیاء آیت: 83، سورہ ص آیت: 41۔

ایک بار آپ سخت بیمار ہو گئے تھے لیکن آپ نے نہایت صبر و ہمت سے کام لیا۔ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو

صابر اور ”نِعْمَ الْعَبْدُ“ (اچھا بندہ) کا خطاب دیا ہے۔ (سورہ ص آیت: 44)

اپنی بیماری سے شفا پانے کے لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی:

﴿رَبِّ إِنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾

”اے میرے راب! مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے“
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاءِ کامل عطا فرمادی۔

اس حدیث میں حضرت ایوب علیہ السلام کا جو واقعہ بیان ہوا ہے اُس سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں:

- 1: کسی ایسی جگہ ننگے ہو کر نہالینا، جہاں دوسرے لوگ نہ دیکھ سکیں، بالکل جائز ہے۔
- 2: غربت اور تنگ دستی کی زندگی سے خوش حالی کی زندگی بہتر ہے۔
- 3: اس حدیث سے حلال روزی حاصل کرنے کی ترغیب بھی ملتی ہے۔
- 4: اس میں مال و دولت اور خوش حالی کو ”برکت“ کہا گیا ہے، قرآن مجید میں بھی حلال روزی کو اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے جیسا کہ سورہ الجمعہ آیت 10 میں ہے کہ:
﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾
”پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔“
- 5: مال و دولت بجائے خود کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک نعمت بھی ہے اور آزمائش بھی۔ بندہ اسے جائز طریقے سے مصرف میں لائے تو اس میں بھلائی ہی بھلائی ہے لیکن اگر وہ اسے ناجائز طور پر خرچ کرے۔ فضول خرچی، اسراف اور تبذیر سے کام لے تو یہ فتنہ اور وبالِ جان بھی ہے اور آخرت میں اس کا حساب دینا پڑے گا۔



باب 7..... سنت کی پیروی

50۔ سنت کی پیروی لازمی ہے

50..... عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ؛ أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبَعَانٌ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ: عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ، فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ، وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ، وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَمَا حَرَّمَ اللَّهُ؛ أَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ الْجِمَارُ الْأَهْلِيُّ، وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ، وَلَا لُقْطَةٌ مُعَاهِدٍ إِلَّا أَنْ يَسْتَعْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا، وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ، فَعَلَيْكُمْ أَنْ يَقْرُوهُ، فَإِنْ لَمْ يَقْرُوهُ، فَلَهُ أَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاءِهِ.))

ابوداؤد، رقم: 4604

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 163

ابن ماجہ، رقم: 12

دارمی، رقم: 586

مسند احمد، رقم: 17326

”حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یارکھو، مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس کی مثل عطا کی گئی ہے۔ سُنو! ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب کوئی شکم سیر خوشحال آدمی اپنی مسند پر بیٹھے ہوئے یہ کہے گا کہ:

”تم اس قرآن کو لازم پکڑو۔ اس میں جو حلال بتایا گیا ہے اسے حلال سمجھو اور اس میں جو چیز

حرام قرار دی گئی ہے اُسے حرام جانو۔“

حالانکہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے اُسے اللہ تعالیٰ نے

حرام قرار دیا ہو۔ یاد رکھو! پالتو گدھا، کچلی والے (نوکیلے دانتوں والے) درندے اور ذمی کی گری پڑی چیز یہ

سب تمہارے لیے حرام ہے۔ البتہ اگر خود ذمی کو اس گری پڑی چیز کی حاجت نہ ہو تو پھر وہ چیز تمہارے لیے

جائز ہے۔ اگر کوئی مسافر شخص کسی قوم کا مہمان ہو تو اُن کو چاہیے کہ اُس کی مہمانی کریں۔ اگر وہ اس کی ضیافت

نہیں کریں گے تو مہمان کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اُن سے ضیافت کی چیزیں خود لے لے۔“

تشریح:

یہ حدیث ابو داؤد سے لی گئی ہے لیکن الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ یہی حدیث دارمی اور ابن ماجہ میں بھی آئی ہے تاہم ان سب کا مضمون ایک ہی ہے۔

اس حدیث میں پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کو قرآن کے علاوہ اسی جیسی اور چیز بھی عطا کی گئی ہے جسے حدیث و سنت کیا جاتا ہے۔

پھر یہ پیش گوئی کی گئی ہے کہ آئندہ میری امت کے کچھ خوش حال اور دولت مند لوگ صرف قرآن کو مانیں گے اور حدیث و سنت کا انکار کریں گے۔

آپ ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہو چکی ہے۔ دورِ قدیم میں خوارج اور بعض معتزلہ نے حدیث کا انکار کیا تھا اور ہمارے زمانے میں جدید منکرین حدیث بھی پائے جاتے ہیں۔

پھر اس حدیث میں آگے چل کر کچھ ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں آیا ہے مگر حدیث نے ان کے بارے میں احکامات دیے ہیں تاکہ اس دعوے کی تصدیق ہو جائے کہ نبی ﷺ کو قرآن کے علاوہ اس جیسی اور چیز بھی عطا ہوئی اور وہ بھی وحی ہے جو حدیث و سنت کی صورت میں موجود ہے اور جس کے احکام بھی قرآن احکام کی طرح شرعی احکام ہیں:

- 1: پالتو گدھے کا گوشت حرام ہے۔
 - 2: کچلی والے (نوکیلے دانتوں والے) درندوں کا گوشت بھی حرام ہے۔
 - 3: ذمی یعنی غیر مسلم اقلیت کی گری پڑی چیز اٹھالینا بھی حرام ہے۔ سوائے اس صورت کے جب اس کے مالک کو اس کی کوئی ضرورت نہ ہو۔
 - 4: مہمان کی مہمان نوازی ضروری ہے۔ اگر اُس کی مہمان نوازی سے انکار کیا جائے گا تو مہمان کو حق حاصل ہوگا کہ وہ لوگوں کے مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق کوئی چیز لے لے۔
- حدیث بھی وحی ہے:

اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ حدیث و سنت بھی وحی کا درجہ رکھتی ہے اور رسول اللہ ﷺ پر

قرآن کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی۔

لیکن ماضی کے خوارج اور کچھ معتزلہ کی طرح بعض جدید دور کے منکرین حدیث نے بھی حدیث و سنت کے وحی ہونے کا انکار کیا ہے اور ایک غلط اور گمراہ کن موقف اختیار کیا ہے کہ حضور ﷺ پر قرآن کے علاوہ اور کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ اگر ہوتی بھی تھی تو اس کا تعلق دین سے نہیں ہے۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:

((اَلَا اِنِّي اُوتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ .))

(ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، عن مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ)

”سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس جیسی اور چیز بھی دی گئی ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے رسول اللہ ﷺ پر ہونے والی وحی کی دو اقسام کی ہیں۔ ایک وحی متلو: جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور وہ قرآن ہے۔ اور دوسری وحی غیر متلو: جس کی تلاوت نہیں کی جاتی اور وہ حدیث کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے اور اسی پر تمام فقہاء اسلام کا اجماع ہے۔ پھر جس طرح ہر مسلمان قرآن کی وحی (وحی متلو) کا پابند ہے، اسی طرح وہ حدیث کی وحی (وحی غیر متلو) کے احکام کا بھی پابند ہے۔

51۔ سنت کی پیروی کرنا اور بدعت سے پرہیز کرنا

51.....عَنِ الْعَرَبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَوَعظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً، ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ. فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةٌ مُودِعٌ فَأَوْصِنَا، فَقَالَ: ((أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسِيرِي اخْتِلَافًا كَثِيرًا؛ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَارْتَضُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ، وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 165

مسند احمد، رقم: 17272

ابوداؤد، رقم: 4607

ترمذی، رقم: 2676

ابن ماجہ، رقم: 42

دارمی، رقم: 95

”حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ پھر اپنا رخ انور ہماری طرف کیا اور اتنے بلیغ اور موثر انداز میں ہمیں وعظ و نصیحت فرمائی کہ سب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دل ڈر گئے۔

اس موقع پر ایک شخص نے عرض کیا:

یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو الوداعی شخص کی نصیحتیں معلوم ہوتی ہیں، ہمیں کچھ اور بھی تاکید فرمائیں۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

میں تم لوگوں کو تاکید کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کی اور اپنے حکمرانوں کا حکم سننے اور اُسے ماننے کی، خواہ وہ امیر کوئی حبشی غلام ہو۔ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ اُس وقت تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا۔ اس سے چمٹے رہنا اور داڑھوں کے ساتھ اسے پکڑے رکھنا۔ دیکھو، دین میں نئی باتیں پیدا کرنے سے بچنا کیونکہ ایسی ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر

بدعت گمراہی ہے۔“

تشریح:

نبی ﷺ بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے خطبوں اور اپنی تقریروں کے ذریعے دین کی تعلیم دیتے اور ان کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔

اس حدیث میں کسی خاص خطبے کی طرف اشارہ ہے جو اس قدر بلیغ اور اثر انگیز تھا کہ سامعین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ان کے دلوں پر رقت طاری ہوگئی اور ان کو یوں محسوس ہوا جیسے حضور ﷺ ایک ایسے شخص کی طرح ارشاد فرما رہے ہیں جو آخری وقت وصیت کے انداز میں دوسروں سے باتیں کر رہا ہو۔ اسی کیفیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے مزید ارشادات سننے کی فرمائش کی تو آپ ﷺ نے ان کو درج ذیل امور کی تلقین فرمائی:

- 1: اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا تاکہ گناہوں سے بچے رہو۔
- 2: مسلمان حکمرانوں کی معروف میں اطاعت کرنا خواہ تمہارا امیر کوئی حبشی غلام ہو، تاکہ تم متحد رہو اور بڑی قوت بنو۔
- 3: اختلاف کی صورت میں سنت کو اور خلفائے راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اس سے اختلاف ختم کرنے میں مدد ملے گی۔
- 4: بدعت سے بچنا کیونکہ یہ گمراہی ہے (بدعت کی وضاحت حدیث نمبر 37,36 میں کی گئی ہے وہاں دیکھ لی جائے)



52- حضور ﷺ کی اطاعت نہ کرنے والا دوزخی ہے

52..... وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبِي)) قِيلَ وَمَنْ أَبِي؟ قَالَ: ((مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبِي.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 143 صحیح بخاری، رقم: 7280 مسند احمد، رقم: 8713

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان کے جنہوں نے انکار کیا۔

عرض کیا گیا: کس نے انکار کیا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے گویا انکار کیا۔

تشریح:

اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1: حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے والے اور آپ ﷺ کی اطاعت کرنے والے نیک اہل ایمان جنت میں جائیں گے۔

2: امتِ دعوت میں سے جو لوگ حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے وہ کافر ٹھہرے اس لیے وہ جنت میں نہیں جاسکتے۔ بلکہ وہ دوزخ میں جائیں گے کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کوئی شخص حضور ﷺ پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں پاسکتا کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے انکار کی شکل ہے۔

3: ایسے لوگ جو نام کے مسلمان ہیں مگر ان کی ساری عمر نبی ﷺ کی اطاعت کی بجائے سرکشی، انحراف اور بغاوت میں گزری، ایسے نافرمان لوگ بھی جنت میں نہیں جاسکیں گے۔ ان کے لیے بھی دوزخ کا عذاب ہوگا۔

غرض اس حدیث میں حضور ﷺ کی اعتقادی اور عملی نافرمانی کرنے والوں کا انجام دوزخ بتایا گیا ہے اور آپ ﷺ کی اعتقادی اور عملی اطاعت کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

باب 8..... قرآن مجید

53- تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے

53..... ((عَنْ عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.))

صحیح بخاری، رقم: 5027

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2109

ترمذی، رقم: 2909

ابوداؤد، رقم: 1452

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔“

تشریح:

اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ پہلے خود قرآن سے تعلیم و ہدایت حاصل کریں اور پھر اسے

دوسروں تک پہنچانے کا کام کریں وہی مسلمانوں کے اندر بہترین انسان ہیں۔

اگر کوئی شخص اللہ کی ہدایت پا کر اپنی زندگی کی اصلاح کر لیتا ہے تو بے شک وہ بھی اچھا انسان ہے

لیکن اس سے اور باقی تمام انسانوں سے بہتر وہ انسان ہے جو اللہ کی ہدایت پانے کے بعد نہ صرف اپنی

اصلاح کر لے بلکہ دوسرے لوگوں تک بھی اس ہدایت کو پہنچانے کی کوشش کرے تاکہ ان کی بھی اصلاح

ہو سکے۔

پھر چونکہ دنیا میں سب سے اعلیٰ تعلیم قرآن کی تعلیم ہے اس لیے اس کا متعلم (سیکھنے والا) اور اس کا معلم

(سکھانے والا) بھی دوسروں سے بڑھ کر ہیں۔

54- قرآن پڑھنے والا مومن کی مثال

54..... وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مِثْلُ الْأَثْرُجَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ، وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مِثْلُ التَّمْرَةِ، لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ، لَيْسَ لَهَا رِيحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مِثْلَ الرَّيْحَانَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ.))

صحیح بخاری، رقم: 5427

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2114

ابوداؤد، رقم: 4829

صحیح مسلم، رقم: 1860

ترمذی، رقم: 2865

”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قرآن کی تلاوت کرنے والا مومن نارنگی کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہے اور ذائقہ بھی اچھا ہے۔ جو مومن قرآن نہ پڑھے وہ کھجور کی طرح ہے جس کی کوئی خوشبو نہیں البتہ ذائقہ میٹھا ہے۔ وہ منافق جو قرآن نہ پڑھنا ہو وہ حنظل یعنی تٹے کی طرح ہے جس کی خوشبو نہیں اور ذائقہ کڑوا ہے۔ جو منافق قرآن پڑھتا ہے وہ نازبو کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی مگر ذائقہ کڑوا ہے۔“

تشریح:

قرآن مجید کی عظمت اور شان بیان کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے کتنی عمدہ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ گویا قرآن ایک خوشبو کی طرح ہے۔ اگر مومن اسے پڑھتا ہے تو بھی اس کی خوشبو پھیلتی ہے اور اگر منافق بھی اسے پڑھے تو اس کی خوشبو پھیلتی ہے۔

لیکن چونکہ مومن اور منافق میں ایمان اور نفاق کا فرق ہوتا ہے، اس لیے مومن اگر قرآن پڑھتا ہے تو وہ ترنج یعنی نارنگی کی طرح ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور ذائقہ بھی اچھا ہے۔ لیکن جو مومن نہ پڑھے تو اس کی خوشبو تو نہیں پھیلتی لیکن اس کی شخصیت بہر حال اُس پھل (یعنی کھجور) کی طرح ہے جو خوش ذائقہ ہو۔ لیکن

جو منافق قرآن نہیں پڑھتا تو اُس کی خوشبو بھی نہیں پھیلے گی اور اُس کی شخصیت بھی بدمزہ اور کڑوے پھل حنظل یعنی ایلوے یا تھے کی طرح ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اُس کے مطابق عمل بھی کرتا ہے تو اس کی مثال ترنج یعنی نارنگی کی سی ہے۔ اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا مگر اُس کے مطابق عمل کرتا ہے اُس کی مثال کھجور کی طرح ہے۔

ان دونوں روایتوں میں بس اتنا فرق ہے کہ ایک روایت میں قرآن پڑھنے اور اُس پر ایمان رکھنے کا نتیجہ

بیان کیا گیا ہے اور دوسری روایت میں قرآن پڑھنے اور اُس پر عمل کرنے کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔

اصولی طور پر دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔



55۔ قرآن کے ماہر کی فضیلت

55..... عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَّةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعُّعُ فِيهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ.))

صحیح بخاری، رقم: 4937

ابوداؤد، رقم: 1454

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2112

صحیح مسلم، رقم: 1862

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 461

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قرآن کا ماہر شخص ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو معزز اور فرماں بردار ہیں۔ جو شخص ایک ایک کر قرآن کو مشکل سے پڑھتا ہو، اُس کے لیے دوہرا اجر ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں پہلے تو یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص قرآن مجید کا علم حاصل کرتا ہے، اس میں سمجھ اور بصیرت پیدا کرتا ہے اور اس میں مہارت و کمال کے درجے تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے وہ آخرت میں ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو قرآن لکھنے والے، معزز اور پاکیزہ ہیں۔

قرآن مجید میں ان فرشتوں کا ذکر اس طرح آیا ہے:

﴿فِي صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ. مِّنْ فَوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ. بِأَيْدِي سَفَرَةٍ. كِرَامٍ بَرَرَةٍ﴾

(عبس: 13 تا 16)

”یہ (قرآن) ان صحیفوں میں درج ہے جو تعظیم کے لائق ہیں، بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں۔ وہ لکھنے

والے ایسے فرشتوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں جو معزز اور نیک ہیں۔“

لیکن اس کا یہ طلب نہیں ہے کہ ایسا انسان ان فرشتوں جیسا بن جائے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ اُسے فرشتوں

جیسا مقام و مرتبہ حاصل ہو جائے گا۔

اس حدیث میں دوسری بات یہ بتائی گئی کہ اگر معمولی عقل کا کوئی شخص جس کی زبان بھی صحیح نہ چلتی ہو اور وہ اٹک اٹک کر بڑی مشکل سے قرآن مجید پڑھنے کی کوشش اور محنت کرتا ہے تو اُسے دوہرا اجر و ثواب ملے گا۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ قرآن کو سمجھے بغیر پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن اُن کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے اُسے ہر حرف کے بدلے دس (10) نیکیاں ملتی ہیں اور اسی حدیث میں جن الفاظ کی مثال دی گئی ہے وہ اَلَمْ کی دی گئی ہے کہ یہ تین الگ الگ حرف ہیں اور ان کے پڑھنے سے گویا تیس (30) نیکیاں ملتی ہیں۔ حالاں کہ سب جانتے ہیں کہ اَلَمْ کے معنی کسی کو معلوم نہیں ہیں۔

وہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُولُ: (الْم) حَرْفٌ. أَلِفٌ حَرْفٌ، وَ لَامٌ حَرْفٌ، وَ مِيمٌ حَرْفٌ.))

ترمذی، رقم: 2910 مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2137 دارمی، رقم: 3356

”جو شخص اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھتا ہے اُس کے بدلے میں اسے ایک نیکی ملتی ہے اور (یہ قرآنی اصول ہے کہ) ہر نیکی کا بدلہ دس (10) نیکیاں ملتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اَلَمْ ایک حرف ہے۔ بلکہ اَلَمْ ایک حرف ہے، لَام ایک حرف ہے اور مِيم ایک حرف ہے۔“

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہ کریں اور اسے صرف تلاوت تک محدود رکھیں۔ قرآن مجید کے ہم پر جو درج ذیل پانچ (5) حقوق ہیں اُن کو بہر حال پورا کرنے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے:

- 1: یہ کہ اُس پر ایمان لایا جائے۔
- 2: یہ کہ اُس کی تلاوت کی جائے۔
- 3: یہ کہ اس کو سمجھا جائے۔
- 4: یہ کہ اُس پر عمل کیا جائے۔
- 5: اس کی دعوت دوسروں تک پہنچائی جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں یہ قرآنی حقوق پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

56۔ سورۃ اخلاص قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ ہے

56..... عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِي لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ)) قَالُوا: وَكَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: ((قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ)) يَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ. ((

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2127 صحیح مسلم، رقم: 1886 ترمذی، رقم: 2896

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی یہ بھی نہیں کر سکتا کہ وہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ایک تہائی قرآن ایک رات میں کیسے پڑھا جاسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سورہ اخلاص ایک تہائی 1/3 قرآن کے برابر ہے۔

تشریح:

سورہ اخلاص قرآن مجید کی ایک سو بارھویں (112) سورت ہے۔ اس کی کل چار آیتیں ہیں۔ اس سورت کے مضمون میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی ذات و صفات کا ذکر ہے، توحید کا اثبات کیا گیا ہے اور ہر قسم کے شرک کی نفی کی گئی ہے۔ مضامین و مطالب کے لحاظ سے قرآن مجید کو تین جامع عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: توحید، رسالت اور آخرت۔

پھر چونکہ سورہ اخلاص میں توحید کا مضمون جامع طریقے سے بیان ہوا ہے اس لیے مذکورہ حدیث میں اس سورت کو قرآن کے ایک تہائی 1/3 کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ گویا اسے ایک بار پڑھنے سے ایک تہائی قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص اس سورت کو تین بار پڑھ

لے، اُسے پورا قرآن پڑھنے کا ثواب مل جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رات کو سوتے وقت اس سورت کا پڑھنا ایک مسنون وظیفہ ہے۔

اس سورت کے کچھ اور فضائل بھی بعض دوسری احادیث سے ثابت ہیں۔

اس سورت کا ایک اور نام سورہ توحید بھی ہے۔



57- حضور ﷺ کا ایک صحابی سے قرآن سن کر رونا

57..... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: ((اقْرَأْ عَلَيَّ)) قُلْتُ: أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أَنْزَلَ؟ قَالَ: ((إِنِّي أَحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي)) فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتَّى آتَيْتُ إِلَى هَذِهِ الْآيَةِ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ قَالَ: ((حَسْبُكَ الْآنَ)) فَالْتَفَتْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرَفَانِ .

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2195

صحیح بخاری، رقم: 5050

صحیح مسلم، رقم: 1867

ابوداؤد، رقم: 6368

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 463

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب کہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، مجھے ارشاد فرمایا کہ: مجھے قرآن سناؤ۔

میں نے عرض کیا: کیا میں آپ ﷺ کو قرآن سناؤں حالانکہ وہ آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ پسند ہے کہ میں دوسروں سے قرآن سنوں۔

اس پر میں نے سورہ النساء پڑھنی شروع کی۔ جب میں اس آیت ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء: 41) پر پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اب بس کرو۔“

پھر جب میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔“

تشریح:

اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1: نبی کریم ﷺ منبر پر بیٹھ کر ایک صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سننے کی فرمائش کرتے ہیں۔

2: وہ صحابی بڑے ادب و احترام سے عرض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ یہ قرآن تو خود آپ ﷺ پر اترا ہے

- آپ ﷺ سے بہتر تو میں اسے نہیں پڑھ سکتا۔

3: اس پر حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ”دوسروں سے قرآن سننا بھی مجھے پسند ہے۔“

4: محبوب کی باتیں دوسروں کی زبانی سننے میں بھی ایک طرح کی لذت ہوتی ہے۔

5: ادب پر حکم غالب آجاتا ہے اور وہ صحابی آپ ﷺ کے سامنے سورہ النساء کی تلاوت شروع کر دیتے ہیں۔

6: جب وہ اس آیت پر پہنچتے ہیں کہ:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾

(النساء: 41)

”پھر اُس دن کیا حال ہوگا جب سب لوگ جمع ہوں گے اور ہم ہر اُمت میں سے ایک ایک نبی کو

گواہ لائیں گے اور اے نبی ﷺ! ہم آپ ﷺ کو ان پر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے۔“

تو رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور آپ ﷺ اُس صحابی کو تلاوت روک دینے

کی ہدایت فرماتے ہیں۔

7: وہ صحابی تلاوت ختم کر کے جب آپ ﷺ کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں تو اُن کو حضور ﷺ کی آنکھوں

میں آنسو جھلملاتے نظر آتے ہیں۔

8: اس موقع پر حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے کا سبب کیا تھا؟ اُس نازک اور عظیم ذمہ داری کی

جو ابد ہی کا احساس کہ کیا آپ ﷺ نے پیغمبرانہ حیثیت سے اُمت کے سامنے دین اسلام کی قوی و عملی

شہادت دی اور اس کی دعوت کو دوسروں تک صحیح طور پر پہنچایا۔ دوسرے یہ تصور کرتے ہوئے کہ معلوم

نہیں اُمت کے اعمال کیسے ہوں گے اور اُن کا انجام کیا ہوگا؟

9: آپ ﷺ کی اُمت دو طرح کی ہے، ایک اُمت دعوت، جو آپ ﷺ کی تبلیغ کی مخاطب ہے اور

دوسری وہ جو آپ ﷺ پر ایمان لائی اور اُمتِ مسلمہ کہلاتی ہے۔

10: اس حدیث سے نبی ﷺ کی اپنی اُمت پر شفقت و محبت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

11: حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تمام تر بشری جذبات و

احساسات رکھتے تھے اور غم انگیز موقع پر غمگین ہو جاتے تھے اور مسرت آمیز لمحات میں مسکراتے اور کبھی

ہنستے بھی تھے۔

58۔ قرآن کو یاد کرتے رہو کیونکہ جلد بھول جاتا ہے

58..... عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهَوَ أَشَدُّ تَفْصِيًّا مِنَ الْإِبْلِ فِي عُقْلِهَا.))

صحیح بخاری، رقم: 5033

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2187

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 545

صحیح مسلم، رقم: 1844

”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قرآن کا خاص خیال رکھو، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ قرآن سینوں سے نکل جانے میں اُس اونٹ سے زیادہ تیز ہے جو رسی کھل جانے سے جلد بھاگ جاتا ہے۔“
تشریح:

یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے علاوہ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی الفاظ کی کچھ تبدیلی کے ساتھ ایک ہی جیسے مضمون میں بیان ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا قرآن یاد کیا جائے اُسے یاد رکھنے کی کوشش بھی کی جائے۔ اگر اُسے بار بار تکرار کے ذریعے ذہن میں محفوظ رکھنے کی کوشش نہ کی جائے تو یہ جلد بھول جاتا ہے اور ذہن سے نکل جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کے حفاظ ہمیشہ قرآن کو دہراتے رہتے ہیں۔ رمضان المبارک کی نماز تراویح میں قرآن سنانے کے لیے اُن کو پہلے سے تیاری کرنی پڑتی ہے (جسے وہ منزل یاد رکھنا کہتے ہیں)۔ اگر کوئی شخص قرآن یاد کرنے کے بعد اسے محفوظ رکھنے کا اہتمام نہ کرے تو یہ بہت جلد بھول جاتا ہے۔



59۔ قرآن مجید، اُمت کے عروج و زوال کا پیمانہ

59..... عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2115 صحیح مسلم، رقم: 1897 ابن ماجہ، رقم: 218

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید) کے ذریعے کچھ لوگوں کو بلندی عطا فرماتا ہے اور کچھ کو پستی میں دھکیل دیتا ہے۔“

تشریح:

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اس کتاب یعنی قرآن کی دعوت پر لبیک کہیں اور اس کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو عروج، عزت اور ترقی دے گا اور دنیا اور آخرت میں سر بلندی عطا فرمائے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ اس قرآن کی دعوت کو ٹھکرا دیں گے اور اس کے مطابق عمل نہیں کریں گے یا اسے رد کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن پر ذلت و زوال مسلط کرے گا اور اُن کو پستی میں گرا دے گا۔ ان کے لیے نہ تو دنیا کی سر بلندی ہے اور نہ آخرت کی کامیابی۔

گویا قرآن مجید کسی قوم کی پستی و بلندی اور عروج و زوال کے لیے ایک پیمانہ اور معیار ہے جو لوگ اس پر پورا اتریں اُن کے لیے بلندی اور عروج ہے اور جو اس پر پورے نہ اتریں اُن کے لیے پستی اور زوال ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں یہ دعویٰ ایک ایسی حقیقت ہے جو مسلمانوں کی تاریخ سے سچی ثابت ہوئی ہے۔ جب تک امت مسلمہ قرآن کی دعوت پر عمل پیرا رہی اُسے عروج حاصل رہا اور یہ عرصہ ابتدائی چار سو برس تک محیط ہے۔ پھر جس قدر قرآن کی دعوت سے انحراف ہوتا گیا اُمت مسلمہ زوال کا شکار ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ آٹھویں صدی ہجری میں غیر مسلم تاتاریوں نے مسلمانوں کے سیاسی مرکز بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس کے بعد ابھی چند صدیاں نہیں گزری تھیں کہ مغربی اقوام نے مسلمانوں کے تمام ممالک اور مقبوضات کو فتح کر کے اُن کی رہی سہی قوت کا خاتمہ کر دیا۔

باب 9..... تقدیر

60۔ انسانی تقدیر کیا ہے؟

60..... عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ: ((إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بَارِعَ كَلِمَاتٍ: فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ، وَاجَلَهُ وَرِزْقَهُ، وَشَقِيًّا أَوْ سَعِيدًا، ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ، فَوَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّىٰ مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّىٰ مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا.

صحیح بخاری، رقم: 3208

ابوداؤد، رقم: 4708

ابن ماجہ، رقم: 76

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 82

صحیح مسلم، رقم: 6723

ترمذی، رقم: 2137

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1695

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صادق و مصدوق رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا:

تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں اس طرح مکمل ہوتی ہے کہ وہ چالیس (40) دن تک نطفے کی حالت میں رہتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدت تک وہ جما ہوا خون ہوتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدت تک وہ گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔ پھر اللہ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو چار باتیں لکھتا ہے اُس کے اعمال، اُس کی عمر، اُس کی روزی اور اس کا بد نصیب یا خوش نصیب ہونا۔ پھر اُس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

اُس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک تم میں سے کوئی شخص جنتوں جیسے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے مگر اُس پر تقدیر غالب آجاتی ہے تو وہ دوزخیوں جیسا کوئی عمل کرتا ہے اور اُسے دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔

اسی طرح تم میں سے کوئی شخص دوزخ والوں جیسے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے مگر اُس پر تقدیر غالب آتی ہے اور وہ جنت والوں جیسا کوئی عمل کرتا ہے اور اُسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

تشریح:

اس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان رحمِ مادر میں چالیس (40) دن تک نطفے کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر علقہ (جما ہوا خون) بن جاتا ہے جو مزید چالیس (40) دنوں تک اسی حالت میں رہتا ہے۔ پھر وہ مُضغہ (گوشت کا لوتھڑا) بنتا ہے اور مزید چالیس (40) اسی حالت پر گزر جاتے ہیں۔ پھر 120 دن پورے ہو جانے پر اللہ تعالیٰ اُس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس شخص کے اچھے برے اعمال، اُس کی عمر، اُس کی روزی اور اس کا جنتی یا دوزخی ہونا لکھ دیتا ہے۔ یہی تقدیر ہے جو اللہ نے ہر انسان کے لیے پہلے سے لکھ دی ہے۔

1- تقدیر کیا ہے؟

تقدیر سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ قواعد و ضوابط ہیں جو اُس نے کائنات کی ہر چیز کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ یہی وہ تدابیر الہی ہے جس کے مطابق دنیا کا یہ سارا نظام چل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ صرف خالق اور مدبر ہی نہیں ہے بلکہ وہ علم والا اور قدرت رکھنے والا بھی ہے۔ وہ ہر چیز کے بارے میں خوب جانتا ہے۔ اُسے ابتدا سے انتہا تک، ازل سے ابد تک، زندگی، موت، عالم برزخ، محشر اور اس کے بعد کے حالات کا بخوبی علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی علم اور اندازہ ہے جو لوح محفوظ میں درج ہے۔ اسی پر یقین رکھنا تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ دوسرے یہ کہ خیر و شر اور بھلائی برائی کا خالق بھی صرف اللہ ہی ہے۔

2- بے عملی اور بد عملی کا بہانہ:

بعض لوگ تقدیر کو اپنی بے عملی اور بد عملی کا بہانہ بنا لیتے ہیں کہ ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہے، سب کچھ تقدیر کے مطابق ہوتا ہے، پھر ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ایسے لوگ تقدیر کو اپنے گناہوں اور برائیوں کا بہانہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسے لوگ لوح محفوظ میں اپنی تقدیر پڑھ کر برائی یا گناہ کرتے ہیں؟

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی

عمل سے فارغ ہوا مسلمان، بنا کے تقدیر کا بہانہ

(اقبال)

یہ وہی عذر لنگ (Lame Excuse) ہے جو عرب کے مشرکین بھی اپنے شرک کے جواز میں پیش کرتے تھے۔

﴿سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام: 148)

”عنقریب وہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے، نہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کر لیتے۔“

تقدیر کو اپنی بے عملی یا بد عملی کا بہانہ بنانے والے اس لیے بھی اپنی بات میں سچے نہیں ہیں کہ وہ روزمرہ کی زندگی میں بیماری، بھوک پیاس، کھانے پینے اور دوسرے بہت سے امور میں تقدیر کا بہانہ نہیں بناتے۔ صرف دینی کاموں اور ذمہ داریوں سے بچنے کے لیے یہ عذر تراشتے ہیں۔

3- ثواب اور عذاب:

عام طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب ہر بات پہلے سے لکھی ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی ہے اور اللہ کا قانون بدلا بھی نہیں جاسکتا تو پھر آخرت میں عذاب و ثواب کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو کے لحاظ سے انسان آزاد اور خود مختار ہے اور دوسرے پہلو کے لحاظ سے وہ مجبور محض ہے۔

انسان اس پہلو سے آزاد و مختار ہے کہ وہ اپنی عقل سے اچھائی اور برائی میں تمیز کرتا ہے۔ پھر اپنے آزاد ارادے سے نیکی یا برائی کرتا ہے۔ وہ اپنے ارادے سے نماز پڑھتا ہے اور اپنے ارادے سے چوری بھی کر سکتا ہے۔

دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو انسان اپنی اس آزادی و خود مختاری کے باوجود مجبور بھی ہے۔ بہت سے ایسے امور ہیں جن میں وہ بے بس اور بے اختیار ہے۔ وہ اپنی مرضی سے اپنے ماں باپ کا انتخاب نہیں کر سکتا، وہ اپنے آپ کو بھوک پیاس سے بری نہیں کر سکتا۔ وہ موت سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ ثواب و عذاب کا تعلق ہماری زندگی کے اس پہلو سے ہے جس میں ہم اپنے ارادے اور اختیار کے مالک ہیں۔ گویا ہم سے صرف ان امور کا حساب لیا جائے گا جن کے کرنے یا نہ کرنے کا ہمیں ارادہ و اختیار دیا گیا ہے۔

4- مشیت اور رضا:

لوگ عام طور پر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اُس کی رضا کا فرق نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے وہ اکثر غلط فہمی اور گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اللہ کی مشیت یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ہوتا ہے:

﴿وَمَا تَشَاءُ وَاِنْ اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (التکویر: 29)

”اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے جب تک سارے جہانوں کا رب اللہ نہ چاہیے۔“

مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ انسان کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ مشیت کا یہ وہ دائرہ ہے جس میں انسان بالکل بے اختیار ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں اُس سے آخرت میں کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اللہ کی رضا یہ ہے کہ بعض کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور بعض ناپسند۔ جب کوئی شخص اپنے ارادے اور اختیار سے نماز پڑھتا ہے تو اس میں اللہ کی رضا ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور جب کوئی شخص اللہ کے اس حکم پر عمل کرتا ہے تو وہ بندے کے اس کام پر راضی ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص چوری کرتا ہے۔ اس میں اس کا اپنا ارادہ اور اختیار شامل ہوتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں ہوتی کیونکہ اُس نے چوری نہ کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ وہ شخص اپنے اس فعل کا خود ذمہ دار قرار پاتا ہے اور اس پر اس سے مواخذہ بھی ہوگا۔

5- اللہ تعالیٰ کا پیشگی علم اور جبر:

تقدیر کے حوالے سے ایک اور غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے پیشگی علم کو اُس کا جبر سمجھ لیتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور چیز ہے اور اُس کا جبر اس سے مختلف چیز ہے۔ یوں کہا جاتا ہے کہ جب ہر کام کی تقدیر پہلے سے لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے تو اب بندہ وہ کام کرنے پر مجبور ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔

لوح محفوظ میں پہلے سے ہر چیز کی تقدیر لکھی جانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہر چیز کے بارے میں علم ہے۔ کیونکہ اُس کا علم ماضی، حال اور مستقبل پر حاوی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندہ وہ کام کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ کسی چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا پیشگی علم بندے کو وہ کام کرنے پر ہرگز مجبور نہیں کرتا۔ ورنہ دوزخ اور جنت کا تصور بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ بلکہ دنیا کی کوئی عدالت بھی اس تصور کو قبول

نہیں کر سکتی۔

6- تقدیر مبرم اور تقدیر معلق:

تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ تقدیر مبرم یعنی اٹل اور تقدیر معلق یعنی قابل تغیر۔

تقدیر مبرم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فیصلے اٹل ہیں جن میں بندہ بالکل بے اختیار اور مجبور محض ہے۔ وہ کس خاندان میں پیدا ہو، وہ کتنی عمر پائے، اُسے کب موت آئے، یہ ایسے امور ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اٹل فیصلے ہیں اور ان میں بندہ مجبور ہے۔

تقدیر معلق یہ ہے کہ انسان سے گناہ سرزد ہوں گے تو اس کے نتیجے میں اللہ اُسے سزا دے گا۔ لیکن اگر بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لے یا صدقہ کرے تو اس سے وہ سزا اٹل سکتی ہے۔ اس کی واضح مثال قرآن مجید میں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس قوم کے گناہوں کی پاداش میں اُن پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ لیکن جب قوم نے اپنے کفر اور گناہوں سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر سے عذاب اٹھالیا۔

حقیقت یہ ہے کہ تقدیر کا مسئلہ بہت مشکل اور پیچیدہ ہے۔ اس میں زیادہ کھوج کرید کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ خلق بھی اُسی کے لیے ہے اور امر بھی اُسی کے لیے اور انسان آزاد و خود مختار ہونے کے باوجود مجبور بھی ہے۔ جن چیزوں میں وہ مجبور ہے اُن میں اُس سے کوئی مواخذہ نہیں ہے اور جن امور میں اُسے آزادی اور خود مختاری حاصل ہے صرف ان کے بارے میں اُس سے حساب لیا جائے گا۔



باب 10..... موت، قبر اور عالم برزخ

61..... موت کی تمنا نہ کرو

61..... عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ مِنْ ضُرِّ أَصَابِهِ ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَأَعْلًا فَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ احْنِنِي مَا كَانَتْ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي ، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتْ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي .))

صحیح بخاری، رقم: 5671

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 1600

ترمذی، رقم: 970

صحیح مسلم، رقم: 6814

نسائی، رقم: 1821

ابوداؤد، رقم: 3108

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1717

ابن ماجہ، رقم: 4265

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 77

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر ایسا ناگزیر ہو جائے تو پھر یہ دعا کرنی چاہیے کہ ”اے اللہ! مجھے اُس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرا زندہ رہنا بہتر ہے اور مجھے دنیا سے اٹھالے اگر وفات میرے لیے بہتر ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں اپنے لیے موت مانگنے سے منع کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس حدیث سے یہ باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں:

1: اپنے لیے موت کی تمنا کسی حال میں نہیں کرنی چاہیے خواہ کیسی ہی مشکل اور مصیبت آن پڑی ہو۔ ایسا کرنا کم ہمتی، بے صبری اور ایمان کی کمزوری ہے۔ اگر وہ نیک ہے تو اس کی نیکیوں میں اضافہ ہو سکتا ہے اور اگر وہ برا ہے تو اُسے توبہ کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔

2: لیکن اگر کوئی زیادہ ہی لاچار اور بے بس ہو جائے تو اسے یہ دعا کرنی چاہیے:

”اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّي.“

”اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے، مجھے اس وقت تک زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو اُس وقت مجھے دنیا سے اٹھا لینا۔“

3: مرنے کے ساتھ ہی ہر شخص کا اعمال نامہ بند کر دیا جاتا ہے اور اس کے لیے نیکی کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے، سوائے صدقہ جاریہ کے۔ اور مومن کے لیے عمر کا زیادہ ہونا اُس کی نیکیوں میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔



62- قبر کا عذاب

62..... عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ، أَنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا ، فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ ، فَقَالَتْ لَهَا :
 أَعَاذِكِ اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ، فَسَأَلَتْ عَائِشَةَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ - فَقَالَ :
 ((نَعَمْ ، عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ)) قَالَتْ عَائِشَةُ : فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعْدُ صَلَّى صَلَاةً
 إِلَّا تَعَوَّذَ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ .

صحیح بخاری ، رقم: 1372

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 128

نسائی ، رقم: 2067

صحیح مسلم ، رقم: 1319 1321

اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 343

مسند احمد ، رقم: 25933

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی تو اس نے قبر کے عذاب کی بات کی اور ان سے کہا: اللہ آپ کو قبر کے عذاب سے بچائے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، قبر کا عذاب برحق ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس کے بعد آپ ﷺ جب بھی نماز پڑھتے تو عذابِ قبر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے۔“
تشریح:

قبر کی زندگی آخرت کی پہلی منزل ہے اور یہ عالم برزخ کا مقام ہے جو اس مقام سے سلامتی سے گزر گیا وہ آخرت کے باقی مقامات میں بھی امن و سلامتی میں رہے گا۔
 ایک حدیث میں ہے کہ:

((إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ ، أَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفْرِ النَّارِ .))

(جامع ترمذی ، رقم: 2460)

”قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا پھر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔“
 قبر کا عذاب برحق ہے۔ قرآن مجید سے بھی قبر کے عذاب کا ثبوت ملتا ہے کہ قوم فرعون کو عالم برزخ میں

صبح و شام آگ کے سامنے لایا جاتا ہے اور اس کے بعد دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾
(المومن: 46)

”ان لوگوں کو (برزخ میں) صبح و شام دوزخ کی آگ کے سامنے کھڑا کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ قوم فرعون کو سخت عذاب میں ڈالا جائے۔“

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبر کے عذاب سے خود پناہ مانگا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ قبر میں منکر نکیر فرشتوں کا آکر مردے سے سوالات کرنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔



63۔ قبر میں ثواب و عذاب

63..... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:
 ((إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ ، إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ
 فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ ، فَيُقَالُ: هَذَا مَقْعَدُكَ حَتَّى
 يَبْعَثَكَ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .))

صحیح بخاری، رقم: 1379

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 127

نسائی، رقم: 2070

صحیح مسلم، رقم: 7211

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1822

ابن ماجہ، رقم: 4270

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم میں سے جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو صبح و شام اُسے اُس کا آخری ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو جنت والوں میں سے ہے اور اگر وہ دوزخی ہے تو دوزخ والوں میں سے ہے۔ پھر اُسے کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا آخری ٹھکانا ہوگا اُس وقت جب اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا۔“

تشریح:

اس سے معلوم ہوا کہ عالم برزخ میں ہر شخص کو اُس کی آخری قیام گاہ دکھائی جاتی ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو اُسے جنت دکھائی جاتی ہے کہ یہ تمہارا نیک انجام ہوگا اس سے اُسے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وہ دوزخی ہے تو اُسے دکھایا جاتا ہے کہ یہ دوزخ تمہارا برا ٹھکانا ہوگا۔ اس سے وہ غمگین اور خوف زدہ ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے برزخی زندگی اور عذابِ قبر کا ثبوت ملتا ہے۔

64- مرنے کے بعد بھی صدقہ جاریہ

64..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ أَشْيَاءٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ.

صحیح مسلم، رقم: 4223

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 203

نسائی، رقم: 3651

ابوداؤد، رقم: 2880

ترمذی، رقم: 1376

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے، ایک صدقہ جاریہ، دوسری چیز وہ علم ہے جس سے فائدہ اٹھایا جائے، اور تیسری وہ نیک اولاد ہے جو اس کے حق میں دعا کرے۔“

تشریح:

حدیث میں ’انسان‘ کا لفظ آیا ہے لیکن اس سے مراد مسلمان ہے جس کے مرنے کے ساتھ ہی اُس کے اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ البتہ تین قسم کے اعمال کا اجر و ثواب مرنے کے بعد بھی اُسے ملتا رہتا ہے۔

1: صدقہ جاریہ

2: صحیح اور مفید علم

3: نیک اولاد

1- صدقہ جاریہ:

وہ عمل ہے کہ مرنے والا اپنی زندگی میں کوئی ایسا صدقہ کر گیا جس سے بعد میں بھی دوسرے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں۔ جیسے کسی نے مسجد بنوادی، ڈپنسری یا ہسپتال قائم کر دیا، یا دینی مدرسہ بنایا، یا مسافروں کے لیے راستے میں درخت لگوائے یا اُن کے پانی کے لیے کنواں کھدوایا۔ جب تک یہ چیزیں موجود رہیں گی ان کا ثواب مرنے والے کو پہنچتا رہے گا۔

2۔ صحیح اور مفید علم:

اس سے مراد وہ صحیح اور مفید علم ہے جو مرنے والا شخص اپنی زندگی میں دوسروں کو سکھا گیا اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوں۔ یہ بھی اُس کا ایک عمل تھا جس میں اُس کی دینی کتابیں اور وہ شاگرد بھی شامل ہیں جن کو اُس نے دین کا علم سکھایا تھا۔ اب جب تک اُس کی دینی کتب سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے اُسے ثواب ملتا رہے گا اور جب تک اُس کے شاگردوں کا سلسلہ جاری رہے گا اُسے اجر پہنچتا رہے گا۔

3۔ نیک اولاد:

اولاد، اولاد کی پرورش اور اُس کی صحیح اخلاقی تعلیم و تربیت بھی انسان کا کسب اور عمل ہے۔ اولاد نیک ہوگی تو وہ اپنے والدین کے حق میں بخشش اور مغفرت کی دعا کرتی رہے گی۔ جس کا فائدہ فوت شدہ والدین کو پہنچے گا۔ بلکہ اولاد جو نیک کام بھی کرے گی اُس کا ثواب خود اسے بھی ملے گا اور اتنا ہی ثواب والدین کو بھی ملتا رہے گا جنہوں نے اُس کی اچھی تربیت کی تھی۔

اس حدیث سے ہمیں ان تینوں کاموں کے کرنے کی ترغیب ملتی ہے جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ہمیں مل سکتا ہے۔

باب 11..... قرب قیامت کے فتنے

65- دجال کا فتنہ

65..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا عَنِ الدَّجَالِ مَا حَدَّثَ بِهِ نَبِيٌّ قَوْمَهُ إِنَّهُ أَعْوَرٌ، وَإِنَّهُ يَجِيءُ مَعَهُ بِمِثْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَالَّتِي يَقُولُ: إِنَّهَا الْجَنَّةُ، هِيَ النَّارُ، وَإِنِّي أَنْذِرُكُمْ كَمَا أَنْذَرَ بِهِ نُوحٌ قَوْمَهُ.))

صحیح بخاری، رقم: 3338

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5472

للؤلؤ والمرجان، رقم: 1857

صحیح مسلم، رقم: 7372

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سنو! دجال کے بارے میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی۔ وہ یہ ہے کہ دجال کا نا ہوگا۔ وہ جب آئے گا تو اس کے ساتھ جنت اور دوزخ کی تمثیل ہوگی۔ وہ جس کے بارے میں کہے گا کہ یہ جنت ہے وہ دراصل دوزخ کی آگ ہوگی۔ میں تم لوگوں کو اُس کے فتنے سے اسی طرح ڈراتا ہوں جس طرح نوح علیہ السلام نے اس کے بارے میں اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔“

تشریح:

قیامت کی ایک نشانی دجال کے فتنے کا ظاہر ہونا ہے۔ اس فتنے سے ہر نبی نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے اس فتنے کو اپنی احادیث میں زیادہ تفصیل سے بیان فرمایا اور مسلمانوں کو اس سے ڈرایا ہے۔

دجال قرب قیامت میں ایک یہودی سردار ہوگا جو بائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کفر، کالفظ لکھا ہوا ہوگا۔ وہ ہر طرف فتنہ و فساد پھیلائے گا مگر مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ دجال کا فتنہ مسلمانوں کے ایمان کے لیے انتہائی سخت آزمائش ہوگی۔ وہ اپنی مصنوعی جنت دکھائے گا جو حقیقت میں دوزخ کی آگ ہوگی۔ احادیث میں اُس کے بارے میں اور بھی کئی علامتیں بتائی گئی ہیں۔ آخر کار وہ عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں لڈ (موجودہ اسرائیل کا ایک شہر جو ہوائی اڈہ بھی ہے) کے مقام پر قتل ہوگا۔

66۔ مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی پیروی کریں گے

66..... عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتَّىٰ لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ۔ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ؟ قَالَ: فَمَنْ.))

صحیح بخاری، رقم: 7320 و 3456

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5361

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1708

صحیح مسلم، رقم: 6781

ابن ماجہ، رقم: 3994

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم اپنے سے پہلے لوگوں کی پوری پوری نقل اور پیروی کرو گے اور ان کے پیچھے چلو گے جیسے بالشت بالشت کے اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گاوہ (یعنی سائڈے) کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے۔

عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ان لوگوں سے مراد یہودی اور عیسائی لوگ ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تو اور کون؟

تشریح:

اس حدیث میں وارد لفظ ”سُنَنَ“ کو بخاری اور مسلم میں ’سَنَنَ‘ لکھا گیا ہے اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی ’یعنی طور طریقے‘ اسی مضمون کی ایک حدیث ترمذی میں اس طرح روایت ہوئی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَرَكِبَنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ.“ (ترمذی، رقم: 2180)

”قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم لوگ بھی پہلی اُمتوں کے طور طریقے

اختیار کر لو گے۔“

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَتَّبِعَنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، بَاعًا بِبَاعٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، وَشِبْرًا بِشِبْرٍ، حَتَّىٰ لَوْ دَخَلُوا فِي جُحْرِ ضَبِّ، لَدَخَلْتُمْ فِيهِ. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ؟ قَالَ: فَمَنْ، إِذَا؟.)) (ابن ماجہ، رقم: 3994)

”تم لوگ بھی اپنے سے پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے جیسے بازو کے بازو برابر اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہوتا ہے اور بالشت بالشت کے برابر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گاوہ (یعنی سانڈے) کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی اُس میں داخل ہو گے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا پہلے لوگوں سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں؟ فرمایا: تو پھر اور کون؟

زیر نظر حدیث میں نبی ﷺ نے پیش گوئی فرماتے ہوئے بتایا ہے کہ میری امت کے لوگ بھی یہود و نصاریٰ کے طور طریقے اپنائیں گے جس کے نتیجے میں وہ اپنی دنیا بھی برباد کر لیں گے اور اپنی عاقبت بھی خراب کر لیں گے۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے بالعموم اور مغربی اقوام یہود و نصاریٰ کے طور طریقے اور فیشن اختیار کر لیے ہیں جس سے اُن کا اپنا ملی تشخص مجروح ہو چکا ہے۔ اُن کے ہاں کھانے پینے میں، لباس میں، اٹھنے بیٹھنے میں، وضع قطع میں، ہفتہ وار چھٹی ہیں، عادات و اطوار میں، رسم و رواج میں افکار و نظریات میں، غرض ہر کام میں غیر مسلموں کی نقالی کی جا رہی ہے بلکہ غلاموں کی طرح اُن کے احکام بجالائے جا رہے ہیں اور اُن کی طرف سے ”اور کرو“ (DO MORE) کی آوازیں آرہی ہیں۔

علامہ اقبال مرحوم نے اسی صورت حال کے بارے میں کہا تھا

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

حدیث میں یہود و نصاریٰ کی مثال اس لیے دی گئی کہ یہ لوگ خدا کو، فرشتوں کو، رسولوں کو، کتابوں کو اور آخرت کو بھی مانتے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے پیغمبروں کی اصل تعلیم کو بھلا دیا۔ توریت اور انجیل کو بدلا ڈالا اور اُن میں تحریف کر دی۔ یہی حال مسلمانوں کا بھی ہو جائے گا وہ سب کچھ مانتے ہوئے بھی دین سے دُور ہو جائیں گے۔ یہودیوں کی طرح احکام الہی کی نافرمانی کریں گے۔ دین میں غلو اور حیلہ بازی کریں گے اور عیسائیوں کی طرح بدعات کی گمراہی میں پڑ جائیں گے۔ حالاں کہ اہل اسلام کو ہر نماز کی ہر رکعت میں ان دونوں قوموں۔ مغضوب علیہم اور الضالین کے غلط راستے سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

67۔ اسلام کی اجنبیت

67..... ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ.))

صحیح مسلم، رقم: 372

ابن ماجہ، رقم: 3986

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 159

ترمذی، رقم: 2629

مسند احمد، رقم: 9042

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اسلام ایک اجنبی ماحول میں شروع ہوا اور عنقریب وہ اسی کی طرف لوٹ جائے گا جس میں وہ شروع ہوا تھا، لہذا خوشخبری ہے اُن اجنبیوں کے لیے جنہوں نے اُس کا ساتھ دیا۔“

تشریح:

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کا آغاز جس طرح کے اجنبی اور ناسازگار ماحول میں ہوا تھا، اُس کے ماننے والوں میں افراد کی قلت، کمزوری، بے بسی اور بے سروسامانی تھی۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اسلام پر پھر وہی پہلا دور آجائے گا کہ اُس کے سچے پیروکار تعداد میں تھوڑے رہ جائیں گے، وہ کمزور، بے بس اور بے سروسامان ہوں گے۔ معاشرے میں مشرکانہ اور کافرانہ طور طریقوں، بدعتوں اور فتنوں کا دور دورہ ہوگا۔ حقیقی اسلام پر چلنے والے کم ہو جائیں گے۔ اسلام کے جھوٹے دعویداروں، منافقوں، مشرکوں اور کافروں کی اکثریت ہوگی۔ جعلی پیروں اور علمائے سوء کی بھیڑ ہوگی۔ بستیوں اور آبادیوں میں کہیں کہیں گنتی کے چند لوگ صحیح دین پر عمل پیرا ہوں گے مگر وہ معاشرے کے اجتماعی دھارے (MAIN STREAM) سے الگ اجنبیوں کی طرح وہاں رہ رہے ہوں گے۔ عام لوگ اُن کو حقیر، کمزور، بے وقعت اور ذلیل سمجھیں گے۔

ایسے پُر فتن اور ناسازگار حالات میں، بدعت و ضلالت کے ماحول میں اور باطل و طاغوت کی آندھیوں کے سامنے جو قلیل لوگ اسلام کی شمع کو روشن رکھیں گے اور دین حق سے وابستہ رہیں گے، اُن کے لیے خوش

خبری ہے اور اجرِ عظیم کی، جنتِ نعیم کی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دائمی خوشنودی کی ع
 ہوا ہے گو تیز و تند لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
 وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ

(اقبال)

اجتماعی طور پر اسلام کی اجنبیت اور بے کسی کا حال یہ ہوگا کہ خلافت کا نظام درہم برہم ہو چکا ہوگا۔ پوری
 امت سیاسی گروہوں اور مذہبی فرقوں میں بٹ کر رہ جائے گی۔ اغیار اُن کو تر نوالہ سمجھ کر اُن پر حملہ آور
 ہو جائیں گے۔ مرکز اسلام اپنی حفاظت کے لیے کفار سے دفاعی معاہدے کرے گا۔ سب سے زیادہ بدعنوان
 اور کرپٹ آدمی مرکز یقین شادباد کا سربراہ ہوگا۔ آئے دن چوریاں ہوں گی، ڈاکے پڑیں گے مگر اسلام کے نام
 پر بننے والی اسلامی جمہوریہ کی اعلیٰ و عظیمی عدالتوں کے مسلمان ججوں کو یہ توفیق اور ہمت نہ ہوگی کہ وہ کسی چور یا
 ڈاکو کو اُس کی شرعی سزا دے سکیں۔ کلمہ حق کہنا مشکل ہو جائے گا اور دین پر چلنا اپنے ہاتھوں میں ازگارے لینے
 کے مترادف ہوگا۔



باب 12..... قیامت کی نشانیاں

68- قیامت کی دس (10) بڑی نشانیاں

68..... ((عَنْ حُدَيْفَةَ بْنِ أَسِيدِ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِطَّلَعَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاكُرُ- فَقَالَ: مَا تَذْكُرُونَ قَالُوا نَذْكُرُ السَّاعَةَ. قَالَ:

إِنهَالنَّ تَقُومَ حَتَّى تَرَوْا قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ، فَذَكَرَ الدُّخَانَ، وَالذَّجَالَ، وَالذَّابَّةَ، وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَنُزُولَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، وَيَا جُوجَ وَمَا جُوجَ، وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ: خُسُوفٍ بِالشَّرْقِ، وَخُسُوفٍ بِالمَغْرِبِ، وَخُسُوفٍ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَآخِرُ ذَلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ إِلَى مَحْشَرِهِمْ.

وَفِي رِوَايَةٍ نَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنَ تَسُوقُ النَّاسَ إِلَى المَحْشَرِ.

وَفِي رِوَايَةٍ فِي الْعَاشِرَةِ: وَرِيحٌ تُلْقَى النَّاسَ فِي البَحْرِ.))

صحیح مسلم، رقم: 7285

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5464

ترمذی، رقم: 2183

ابوداؤد، رقم: 4311

”حضرت حذیفہ بن اُسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اُس وقت ہم لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے آپ ﷺ نے پوچھا: تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو؟ عرض کیا گیا: ہم قیامت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔

پھر آپ ﷺ نے ذکر فرمایا دھوئیں کا، دجال کا، جانور کے نکلنے کا، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا، عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے تشریف لانے کا، یاجوج ماجوج کے نکلنے کا، تین بار زمین کے دھسنے کا، ایک بار مشرق میں، ایک بار مغرب میں اور ایک بار جزیرہ عرب میں دھسنے گا۔

ان دس میں سے آخری نشانی کا ذکر فرمایا کہ یمن کی طرف سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو حشر کے میدان کی

طرف ہانک کر لے جائے گی۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ: عدن کے آخری کنارے سے آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو حشر کے میدان کی طرف ہانکے گی۔

ایک اور روایت میں دسویں نشانی کے بارے میں ہے کہ: وہ آندھی ہوگی جو لوگوں کو اڑا کر سمند میں پھینک دے گی۔“

تشریح:

اس حدیث میں قیامت کے قریبی زمانے کی دس (10) نشانیاں بیان کی گئی ہیں:

1۔ دھواں:

یہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا دھواں ہوگا جو چالیس (40) دن تک فضا میں چھایا رہے گا جس کی وجہ سے لوگ سخت پریشان ہوں گے۔

2۔ دجال کا فتنہ:

دجال کے فتنے کے بارے میں حدیث نمبر 265 کی تشریح دیکھیے۔

3۔ دَابَّةُ الْأَرْضِ کا ظہور:

قیامت کی اس نشانی کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے:

﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ
كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ﴾
(النمل: 82)

”اور جب اللہ کا وعدہ قیامت لوگوں پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم اُن کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے کلام کرے گا اور بتائے گا کہ کون لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔“

4۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا:

قیامت کی نشانیوں میں سب سے آخری نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔ پھر جب سورج

مغرب سے نکلے گا تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

5۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول:

قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 72 کی تشریح۔

یا جوج ماجوج کا ذکر قرآن مجید میں دو مقامات پر آیا ہے سورہ الکہف میں اور سورہ الانبیاء میں۔ یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ وحشی لوگ دنیا میں فتنہ پھیلائیں گے۔

7۔ مشرق میں زمین کا دھنس جانا:

زمین کا دھنس جانا کسی زلزلے کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے اور سونامی جیسا سمندری طوفان بھی مراد ہو سکتا ہے جو سمندر کے اندر زمین کے دھنس جانے کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور ماضی قریب میں یہ واقعہ ہو چکا ہے اور آئندہ بھی کبھی ہو سکتا ہے۔

8۔ مغرب میں زمین کا دھنس جانا:

اس سے یورپ اور افریقہ کا علاقہ مراد ہو سکتا ہے جہاں قیامت کے قریب زمین کا بڑا حصہ نیچے دھنس جائے گا، خواہ خشکی کا ہو یا سمندر کا اور یہ کسی زلزلے کا نتیجہ ہوگا۔

9۔ جزیرہ عرب میں زمین کا دھنس جانا:

کسی زلزلے کے سبب سے جزیرہ عرب میں زمین کے دھنس جانے کا واقعہ ہو سکتا ہے کہ ماضی میں بھی واقع ہو چکا ہو اور قیامت کے آخر میں بھی ایسا حادثہ ہوگا۔

10۔ یمن سے آگ کا ظاہر ہونا یا سخت آندھی کا آنا:

قیامت کے قریبی زمانے میں یمن سے ایک سخت آگ اُٹھے گی جو سرزمین حجاز سے ہوتی ہوئی شام و فلسطین تک جائے گی وہ اپنے آگے لوگوں کو ہانک کر وہاں جمع کرے گی کیونکہ وہی علاقہ حشر کا میدان بنایا جائے گا۔ یا اسی آگ کے ساتھ سخت آندھی بھی ہوگی جو کفار کو سمندر میں دھکیل کر پھینک دے گی۔

قیامت کی ان نشانیوں کے بارے میں دو باتیں قابل غور ہیں:

(1)..... ایک یہ کہ احادیث میں ان کو زمانی ترتیب سے نہیں بیان کیا گیا بلکہ کسی نشانی کو پہلے اور کسی کو

بعد میں بیان کر دیا گیا ہے۔

(2)..... قیامت کی نشانیاں دو قسم کی ہیں ایک وہ جو قیامت کے آنے سے بہت عرصہ پہلے ظاہر ہوں گی

اور دوسری قسم ان نشانیوں کی ہے جو قیامت برپا ہونے کے وقت تھوڑی دیر پہلے ظاہر ہوں گی۔



69۔ قیامت کے قریب علم اٹھالیا جائے گا

69..... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ أَنْتَزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا؛ اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 206

صحیح بخاری، رقم: 100

صحیح مسلم، رقم: 6796

ترمذی، رقم: 2652

ابن ماجہ، رقم: 52

مسند احمد، رقم: 6511

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1712

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ بندوں کے سینوں سے علم کو نہیں نکالے گا بلکہ وہ علماء کی رو میں قبض کر کے علم کو اٹھالے گا۔ پھر جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار اور رہنما بنالیں گے اور ان سے مسائل پوچھیں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے۔“

تشریح:

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے قریب علمائے حق ناپید ہو جائیں گے اور علمائے سوء کی کثرت ہوگی۔ باعمل علماء باقی نہیں رہیں گے اور بے عمل اور جاہل لوگ علماء کے روپ میں ہوں گے۔ صحیح علم اٹھ جائے گا اور جہالت و گمراہی عام ہو جائے گی۔ فرقہ بندی کا دور دورہ ہوگا اور صحیح دین پر عمل کرنیوالے کم ہوں گے۔ منصب پرنا اہل لوگ ہوں گے۔ تاریخی طور پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ ہر آنے والی نسل دین کے علم و عمل کے لحاظ سے پہلی سے پست تر ہے اور علمائے دین کا علمی معیار پہلے سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ صحیح علم صحیح عمل سکھاتا ہے اور ناقص علم بے عملی کا سبب بنتا ہے۔ آج ہر شخص مفتی بن کر فتوے دے رہا ہے۔ قرآن و سنت کا صحیح علم کم یاب اور خواہش پرستی، خود غرضی اور مفاد پرستی کا غلبہ ہے۔ علم و جہالت کا فرق مٹ چکا ہے۔ پروپیگنڈہ کے زور پر ہر آدمی علامہ اور شیخ الاسلام بنا بیٹھا ہے۔ دین چند ظاہری رسوم تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کی حقیقی روح مفقود ہو گئی ہے۔ یہی زوال امت اور قرب قیامت کی نشانی ہے۔

70۔ قیامت کی ایک نشانی، قتل و غارت کا عام ہونا

70..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتْنُ، وَيُلْقَى الشُّحُّ، وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ. قَالُوا: وَمَا الْهَرْجُ؟ قَالَ: الْقَتْلُ. ((

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5389
صحیح مسلم، رقم: 6792
ابن ماجہ، رقم: 4052
اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1711
صحیح بخاری، رقم: 85
ابوداؤد، رقم: 4255
صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 23

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
زمانہ آپس میں قریب ہو جائے گا، علم ختم ہو جائے گا، فتنے ظاہر ہوں گے، بخل دلوں میں گھر کر جائے گا اور
’ہرج‘ زیادہ ہو جائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ’ہرج‘ کیا چیز ہے؟
آپ ﷺ نے فرمایا: ’قتل و غارت‘۔

تشریح:

اس حدیث میں قیامت کی پانچ (5) نشانیاں بیان ہوئی ہیں:

1۔ زمانہ آپس میں قریب ہو جائے گا:

قیامت کی ایک نشانی زمانے کی تیز رفتاری ہے۔ جو کام پہلے ایک سال میں ہوتا تھا وہ ایک دن میں ہو جائے گا، ایک دن کا کام ایک گھنٹے میں اور ایک گھنٹے کا کام ایک سیکنڈ میں ہو جائے گا۔

2۔ علم کا اٹھ جانا:

قیامت کی ایک نشانی علم کا اٹھ جانا ہے۔ یہ اس طرح ہوگا جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث نمبر 100 اور صحیح مسلم کی حدیث نمبر 6796 میں ہے کہ علماء فوت ہو جائیں گے تو ان کی جگہ لینے والے علماء پیدا نہ ہوں گے۔

ایسا نہیں ہوگا کہ لوگوں کے سینوں سے علم کھینچ لیا جائے یا کتابیں ختم ہو جائیں۔
3۔ فتنے ظاہر ہوں گے:

قیامت کی ایک نشانی نئے نئے فتنوں کا ظاہر ہونا ہے۔ ایک فتنہ ختم نہ ہوگا کہ دوسرا پیدا ہو جائے گا بلکہ ایک ہی وقت میں کئی کئی فتنے برپا ہوں گے۔ جیسے بد امنی کا فتنہ، دہشت گردی کا فتنہ، بے حیائی کا فتنہ، جرائم کا فتنہ، جھوٹی نبوت کا فتنہ، مال کا فتنہ، ناپلوں کی حکمرانی کا فتنہ، غداروں کا فتنہ، جعلی پیروں کا فتنہ، علمائے سو کا فتنہ، دجال کا فتنہ اور ارضی و سماوی حادثات و آفات کے فتنے، غرض ہر طرف فتنے ہی فتنے ہوں گے۔
4۔ دلوں میں بخل گھر کر جائے گا:

قیامت کی ایک نشانی یہ بتائی گئی کہ لوگوں کے دلوں میں بخل پیدا ہو جائے گا۔ وہ لالچ اور خود غرضی کا شکار ہو جائیں گے۔ ہر کسی کو صرف اپنا مفاد عزیز ہوگا۔
5۔ قتل کی کثرت ہوگی:

قیامت کی ایک نشانی یہ بتائی گئی کہ اس کے قریبی زمانے میں قتل عام ہوگا۔ بہت سے لوگ مارے جائیں گے، یہاں تک کہ بعض احادیث کے مطابق نہ قاتل کو علم ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور نہ مرنے والے کو خبر ہوگی کہ اُسے کیوں قتل کیا جا رہا ہے۔

قیامت کی یہ نشانیاں الگ الگ زمانوں اور وقتوں میں بھی ظاہر ہو سکتی ہیں اور ان کا بیک وقت امکان اور وقوع بھی ہو سکتا ہے۔



71۔ قیامت کی چند نشانیاں

71..... ((عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ((إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَكْثُرَ الْجَهْلُ، وَيَكْثُرَ الزِّنَا، وَيَكْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ، وَيَقِلَّ الرَّجَالُ، وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ، حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقِيمُ الْوَاحِدُ. وَفِي رَوَايَةٍ: يَقِلُّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ.))

صحیح بخاری، رقم: 81080

ترمذی، رقم: 2205

مشکوٰۃ المصابیح، رقم:

صحیح مسلم، رقم: 6786

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1709

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:

قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ علم اٹھ جائے گا، جہالت زیادہ ہوگی، زنا کثرت سے ہوگا، شراب نوشی عام ہوگی۔ مردوں کی تعداد گھٹ جائے گی، عورتیں تعداد میں بہت زیادہ ہوں گی یہاں تک کہ پچاس عورتوں کے لیے ایک ہی مرد سرپرست ہوگا۔“

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ:

”علم کم ہو جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی۔“

تشریح:

قیامت واقع ہونے کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں جیسا کہ حدیث جبریل سے بھی ثابت ہے۔ البتہ قیامت کی بعض نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ یہ نشانیاں نبی ﷺ نے مختلف اوقات میں بیان فرمائیں اور موقع کی مناسبت سے کبھی کم اور کبھی زیادہ کا ذکر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں تکرار (Repetition) بھی پایا جاتا ہے۔

زیر نظر حدیث میں قیامت کی پانچ (5) نشانیاں بیان ہوئی ہیں:

(1)..... علم اٹھ جائے گا اور وہ اس طرح کہ صحیح علماء ناپید ہو جائیں گے۔ فوت ہو جانے والے علماء کی

- جگہ لینے والے نئے علمائے حق پیدا نہیں ہوں گے۔ اس کے نتیجے میں دین کا علم دنیا سے اٹھ جائے گا۔
- (2)..... جہالت عام ہوگی۔ یہ گویا پہلی نشانی ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے جب علم اٹھ جائے گا تو جہالت ہی پھیلے گی۔ دین کی صحیح تعلیم بتانے والے نہ رہیں گے تو جاہل لوگ فتوے دینے شروع کر دیں گے۔
- (3)..... زنا کی کثرت ہوگی۔
- (4)..... شراب نوشی عام ہو جائے گی۔
- (5)..... عورتوں کی آبادی مردوں سے بڑھ جائے گی۔ مردوں کی تعداد کم ہونے کا ایک سبب یہ ہوگا کہ جنگوں اور لڑائیوں کی وجہ سے بہت سے مرد مارے جائیں گے۔ آخر میں حالت یہ ہوگی کہ بعض علاقوں میں ایک ہی مرد پچاس (50) عورتوں کا سرپرست (Guardian) ہوگا۔
- اسی ایک بات سے اُس زمانے کی اخلاقی پستی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔
- قیامت کی ان نشانیوں میں سے بعض ظاہر ہو چکی ہیں اور باقی ظاہر ہونے والی ہیں کیونکہ صادق و مصدوق نبی ﷺ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے۔

72۔ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

72..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ :

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزَلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا ، فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ ، وَيَقْتُلُ الْخَنزِيرَ ، وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ ، وَيَفِيضُ الْمَالَ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ ، حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا)). ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : فَأَقْرَأُوا

إِنْ شِئْتُمْ: وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ. (النساء: 159)

صحیح بخاری ، رقم: 3448

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 5505

ترمذی ، رقم: 2233

صحیح مسلم ، رقم: 390389

اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 95

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے عنقریب ابن مریم علیہ السلام (عیسیٰ علیہ السلام) تمہارے درمیان ایک عادل حاکم کے طور پر نازل ہوں گے۔ وہ صلیب توڑ دیں گے۔ خنزیر کو مار ڈالیں گے۔ جزیہ ختم کر دیں گے۔ مال کی اتنی ریل پیل ہوگی کہ اُسے لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ ایک سجدہ دنیا اور اُس کی ہر چیز سے بہتر ہوگا۔

پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو:

﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ (النساء: 159)

”اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے اُن پر ایمان لائے گا۔“

تشریح:

قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔

یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دوبارہ زمین پر اتریں گے۔ وہ انصاف پسند حکمران ہوں گے اور درج ذیل کام سرانجام دیں گے۔ اُس وقت اُن کی حیثیت ایک نبی کی نہیں ہوگی بلکہ امت محمدیہ کے ایک فرد کی ہوگی۔

1۔ وہ صلیب کو توڑیں گے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عیسائیت کے موجودہ مذہب کا خاتمہ کریں گے اور شریعت محمدیہ کی پیروی اور اس کا نفاذ کریں گے۔

2۔ خنزیر کو مار ڈالیں گے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خنزیر (سور) کا پالنا اور کھانا حرام قرار دیں گے اور اُس کو مارنا جائز کر دیں گے۔

3۔ وہ جزیہ ختم کر دیں گے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس وقت تمام غیر مسلم اسلام قبول کر لیں گے اس لیے جزیے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مال و دولت کی اتنی ریل پیل ہوگی کہ معاشرے میں کوئی محتاج نہ ہوگا کہ اُس کی خاطر غیر مسلموں پر جزیہ لگانا پڑے۔

اس کے علاوہ مال کی اتنی کثرت اور فراوانی ہوگی کہ کوئی حاجت مند باقی نہ رہے گا۔ لوگوں کو مال و دولت کی ہوس اور رغبت نہیں رہے گی۔ بلکہ صدقہ و خیرات کی اہمیت باقی نہ رہے گی۔ اس لیے نماز میں بھی لوگوں کی دلچسپی بڑھ جائے گی۔ یا فطری اور طبعی طور پر لوگ اتنے عبادت گزار ہو جائیں گے کہ اُن کو عبادت کا ایک سجدہ دنیا کے سارے مال و متاع سے زیادہ پسندیدہ ہو جائے گا۔

آخر میں اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے بعد اہل کتاب سمیت سب لوگ ایک ہی دین، دین اسلام کے پیروکار ہو جائیں گے۔ یہودیوں کو یقین ہو جائے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں اور عیسائیوں کو بھی اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ اور یہ ساری صورت حال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی وفات سے پہلے واقع ہو جائے گی۔



باب 13..... میدان حشر اور شفاعت نبوی ﷺ

73۔ قیامت کے دن لوگ ننگے اٹھیں گے

73..... عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ:

((يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةَ عُرَاةٍ غُرْلًا)). قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! الرَّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيعًا

يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ؟ فَقَالَ: ((يَا عَائِشَةُ! الْأَمْرُ أَشَدُّ مِنْ أَنْ يَنْظُرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ.))

صحیح بخاری، رقم: 6727

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5536

سائی، رقم: 2084

صحیح مسلم، رقم: 7198

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1817

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: قیامت کے دن لوگ جمع کیے جائیں گے اُن کی حالت یہ ہوگی کہ وہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنے کے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا مرد اور عورتیں اکٹھے ہوں گے اور ایک دوسرے کو اسی حالت میں دیکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! وہ معاملہ اتنا سخت گھبراہٹ کا ہوگا کہ ایک دوسرے کو دیکھنے کا کسی کو ہوش نہ ہوگا۔“

تشریح:

یہ حدیث مختلف طریقوں اور سندوں سے بیان ہوئی ہے کہ قیامت کے دن لوگ اس حالت میں اٹھائے جائیں گے کہ وہ بالکل برہنہ اور ننگے ہوں گے۔ وہاں اُن پر ایسی گھبراہٹ اور سراسیمگی طاری ہوگی اور ایسا کڑا اور کٹھن وقت آن پڑے گا کہ کسی کو کچھ دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا اور بے پردگی کا کسی کو احساس تک نہ ہوگا۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ جامع ترمذی اور مستدرک حاکم میں اضافہ بھی ہے کہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت نبی ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت بھی تلاوت فرمائی:

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ (عبس: 37)

”اُس دن ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی۔“

74- حضور ﷺ کی شفاعت

74..... عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا جَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ - ، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: اشفعِ إِلَى رَبِّكَ - فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِإِبْرَاهِيمَ فَإِنَّهُ خَلِيلُ الرَّحْمَنِ، فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ، فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوسَى فَإِنَّهُ كَلِيمُ اللَّهِ، فَيَأْتُونَ مُوسَى، فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيسَى فَإِنَّهُ رُوحُ اللَّهِ، وَكَلِمَتُهُ، فَيَأْتُونَ عِيسَى، فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ، فَيَأْتُونِي فَأَقُولُ: أَنَا لَهَا، فَاسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي، فَيُؤْذَنُ لِي، وَيُلْهِمُنِي مَحَامِدَ أَحْمَدَهُ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْآنَ، فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، وَآخِرُ لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ: تُسْمَعُ، وَسَلْ تُعْطَهُ، وَاشْفَعْ تُشْفَعُ، فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِي أُمَّتِي، فَيُقَالُ: اِنطَلِقْ، فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ شَعِيرَةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ، فَانطَلِقْ فافْعَلْ، ثُمَّ أَعُودُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ آخِرُ لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ تُسْمَعُ، وَسَلْ تُعْطَهُ، وَاشْفَعْ تُشْفَعُ، فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِي أُمَّتِي. فَيُقَالُ: اِنطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ، فَانطَلِقْ فافْعَلْ، ثُمَّ أَعُودُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ آخِرُ لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، فَقَالَ تُسْمَعُ، وَسَلْ تُعْطَهُ، وَاشْفَعْ تُشْفَعُ، فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِي أُمَّتِي. فَيُقَالُ: اِنطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ آذَنِي آذَنِي مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ، فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَانطَلِقْ فافْعَلْ، ثُمَّ أَعُودُ الرَّابِعَةَ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ آخِرُ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ تُسْمَعُ، وَسَلْ تُعْطَهُ وَاشْفَعْ تُشْفَعُ، فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! ائْذَنْ لِي فِيمَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. قَالَ: لَيْسَ لَكَ، وَلَكِنْ وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكِبْرِيائِي وَعَظَمَتِي لَا أَخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ .))

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 5573

صحیح بخاری ، رقم: 7510

صحیح مسلم ، رقم: 479

ابن ماجہ ، رقم: 4312

ترمذی ، رقم: 2434

اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 119

”حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا:

جب قیامت کا دن ہوگا تو انسان اپنی تعداد کی کثرت کی وجہ سے سمندر کی موجوں کی طرح باہم گتھم گتھا ہو رہے ہوں گے اور پریشان ہو کر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے درخواست کریں گے کہ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجیے۔ وہ جواب دیں گے: میں اس کام کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ خلیل اللہ ہیں۔ چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا، البتہ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ کلیم اللہ ہیں۔ چنانچہ سب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے: یہ کام میرے بس کا نہیں ہے، تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے، وہ بھی کہیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں، تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں کہوں گا: ہاں، میں ہی یہ کام کر سکتا ہوں اور کروں گا۔ پھر میں اللہ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مانگوں گا اور مجھے اجازت مل جائے گی۔ مجھے اُس وقت حمد و ثنا کے ایسے الفاظ سکھائے جائیں گے جو ابھی مجھے یاد نہیں، میں ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد فرمایا جائے گا: اے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، جو کہنا چاہتے ہو، تمہاری بات سنی جائے گی! مانگو جو مانگنا چاہتے ہو، تمہاری درخواست منظور کی جائے گی۔ اس وقت میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت کو بخش دیجیے! میری امت کے گناہ معاف فرما دیجیے! چنانچہ مجھے کہا جائے گا: جاؤ اور جا کر ہر اُس شخص کو دوزخ سے نکال لو، جس کے دل میں ایک جو کے برابر بھی ایمان ہو۔ چنانچہ میں جاؤں گا اور ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکال لوں گا۔ پھر واپس آؤں گا اور انہی الفاظ سے جو مجھے سکھائے گئے تھے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کروں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا۔ چنانچہ پھر کہا جائے گا: اے محمد ﷺ! سر اٹھائیے! بات کیجیے، آپ ﷺ کی بات سنی جائے گی! سوال کیجیے آپ ﷺ کا سوال پورا کیا جائے گا۔ شفاعت کیجیے، آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی! میں پھر کہوں گا: اے میرے رب! میری امت

کو بخش دیجیے! پھر فرمایا جائے گا: جائیے اور جا کر ان سب لوگوں کو دوزخ سے نکال لیجیے جن کے دلوں میں ایک ذرے یا رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو۔ میں پھر جاؤں گا اور ایسے تمام لوگوں کو جہنم سے نکال لوں گا۔ میں پھر واپس آؤں گا، پہلے جیسے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا اور اُس کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ پھر فرمایا جائے گا: اے محمد ﷺ! سر اٹھائیے! بات کیجیے! آپ ﷺ کی بات سنی جائے گی۔ سوال کیجیے، آپ ﷺ جو مانگیں گے، دیا جائے گا۔ شفاعت کیجیے، آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی! میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری اُمت کو معاف فرما دیجیے! میری اُمت کو دوزخ سے بچا لیجیے! مجھ سے فرمایا جائے گا: جائیے اور جا کر ان سب لوگوں کو دوزخ سے نکال لیجیے جن کے دلوں میں رائی کے دانے سے بھی بہت کم ایمان ہو۔ چنانچہ میں پھر جاؤں گا اور ایسے تمام لوگوں کو دوزخ سے نکال لوں گا۔

پھر میں چوتھی مرتبہ واپس آؤں گا اور گذشتہ الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا اور اس کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ پھر فرمایا جائے گا: اے محمد ﷺ! کہیے! آپ ﷺ کی بات سنی جائے گی۔ مانگیے، جو مانگیں گے آپ ﷺ کو دیا جائے گا۔ شفاعت کیجیے! آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! مجھے ایسے تمام لوگوں کو دوزخ سے نکالنے کی اجازت دیجیے جنہوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ زبان سے ادا کیا ہو؟ جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ایسا نہیں ہے بلکہ مجھے اپنی عزت، جلال اور عظمت و کبریائی کی قسم! میں خود دوزخ سے ہر اُس شخص کو نکال دیتا ہوں جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ زبان سے ادا کیا ہوگا۔“

تشریح:

اسی مضمون کی حدیث جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ شفاعت کے عقیدے پر اہل اسلام کا اجماع اور اتفاق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے فضل و کرم سے اہل ایمان کی بڑی تعداد کے لیے شفاعت کے ذریعے بھی نجات (Salvation) ممکن ہوگی۔ دراصل ہر طرح کی شفاعت صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت پر منحصر ہوگی۔

1- قرآن اور شفاعت:

قرآن مجید میں شفاعت کے بارے میں دو طرح کی آیات ملتی ہیں۔

1- وہ آیات جن میں شفاعت کی بالکل نفی کر دی گئی ہے جیسے:

﴿وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةً وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ (البقرہ: 48)
 ”اور نہ کوئی شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ معاوضہ لے کر اسے چھوڑا جائے گا اور نہ ان کو مدد مل سکے گی۔“

ایسی تمام آیات جن میں شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ کفار اور مشرکین کے بارے میں ہیں۔ رہے اہل ایمان تو ان کے لیے شفاعت ہوگی۔

وہ آیات جن میں بعض حدود و شرائط کے ساتھ شفاعت کا ثبوت ملتا ہے۔ مثال کے طور پر:
 ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (البقرہ: 255)

”ایسا کون ہے جو اُس کے پاس اُس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ بعض شرائط اور بعض حدود و قیود کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت کرنے والے شفاعت کریں گے۔

2- شفاعت کے مقاصد:

شفاعت کے دو بنیادی مقاصد ہیں:

1- یہ شفاعت گناہ گار اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے جیسے کسی امتحان میں اضافی نمبر (Grace Marks) دیے جاتے ہیں۔

2- یہ شفاعت بعض اعلیٰ درجے کے نیک انسانوں کو ان کی اسلامی خدمات پر ان کے اعزاز و اکرام کے لیے ہوگی۔ انبیائے کرام، شہداء، صدیقین اور صالحین بھی گناہ گار مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت کریں گے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید، رمضان المبارک اور نیک اعمال کی طرف سے بھی گناہ گار اہل ایمان کے حق میں شفاعت ہوگی۔ نیز کم عمری میں فوت ہونے والے مسلمانوں کے بچے بھی اپنے والدین کے حق میں شفاعت کریں گے۔ لیکن یاد رہے شفاعت صرف اہل ایمان کے لیے ہوگی، کفار اور مشرکین شفاعت سے محروم رہیں گے۔

3- شفاعت کبریٰ یا شفاعت عظمیٰ:

آخرت میں گناہ گار ایمان والوں کے لیے نبی کریم خصوصی طور پر شفاعت فرمائیں گے۔ اسے شفاعت

کبریٰ یا شفاعت عظمیٰ کہا جاتا ہے۔ یہ شفاعت حضرت محمد ﷺ مقام محمود پر کھڑے ہو کر کریں گے۔
قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں آیا ہے:

﴿عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾
(بنی اسرائیل: 79)

”امید ہے کہ آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو مقام محمود پر کھڑا کر دے گا۔“

حضور ﷺ کی شفاعت سے متعلق مذکورہ حدیث قرآن مجید کے اسی بیان کی تفسیر ہے۔ اہل علم کا اسی پر

اتفاق ہے۔



باب 14..... جنت

75۔ جنت کی عجیب و غریب نعمتیں

75..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَعَدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ. وَاقْرَأُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾.

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5612

صحیح بخاری، رقم: 4780 4779 3244 3498

صحیح مسلم، رقم: 7135 7134 7133 7132 ترمذی، رقم: 3197

ابن ماجہ، رقم: 4328 اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1798

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 31

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے (جنت میں) ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ان کا خیال بھی کسی انسان کے دل و دماغ میں کبھی آیا۔ اگر تم چاہو تو یہ (قرآنی آیت) پڑھ لو: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ (السجدہ: 17) (کوئی کیا جانے کہ لوگوں کے لیے ان کے اعمال کے بدلے میں آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے)۔“

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے اور معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ کئی کتب حدیث میں مروی ہے۔ صحیح مسلم میں درج ذیل مزید الفاظ کے ساتھ بھی روایت ہوئی ہے۔.... ذُخْرًا ، بَلَّهٗ مَا أَطَّلَعَكُمْ اللَّهُ عَلَيْهِ (چھوڑیے وہ تو ذخیرہ ہے جس سے اللہ نے تمہیں آگاہ نہیں فرمایا)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے جنت میں جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں وہ ایسی ہیں جو دنیا میں کہیں نہیں پائی جاتیں۔ ان کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی کے تصور میں کبھی آئیں۔ ان کی

اصل حقیقت انسانوں کو معلوم نہیں۔

جنت وہ مقام ہے جہاں آخرت میں اہل ایمان داخل ہوں گے۔ یہ راحت اور سکون کا ابدی مقام ہے۔ جہاں جنتی لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کو صلے کے طور پر جنت ملے گی۔ وہاں سب کو اُن کی خواہش اور طلب کے مطابق ہر نعمت اور آسائش ملے گی۔ اُن کو وہاں کبھی موت نہ آئے گی۔



76۔ جنت میں داخل ہونے والا پہلا گروہ

76..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((إِنَّ أَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ كَأَشَدِّ كَوَكِبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ إِضَاءَةً، قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ، لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ، لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ، يُرَى مَخُ سُوْقِهِنَّ - مِنْ وَرَاءِ الْعِظْمِ وَاللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ، يُسَبِّحُونَ اللَّهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا، لَا يَسْقُمُونَ، وَلَا يَبُولُونَ، وَلَا يَتَغَوِّطُونَ وَلَا يَتَفَلُونَ، وَلَا يَمْتَخِطُونَ، أُنَيْتُهُمُ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ، وَأَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ، وَوُقُودُ مَجَامِرِهِمْ الْأَلْوَةُ -، وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ، عَلَى خَلْقِ رَجُلٍ وَاحِدٍ، عَلَى صُورَةِ أَبِيهِمْ آدَمَ، سِتُونَ ذِرَاعًا فِي السَّمَاءِ.))

صحیح بخاری، رقم: 3245 3246

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5619

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1805

صحیح مسلم، رقم: 7149

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 86

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو گروہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا، اُن کی صورتیں چودھویں کے چاند جیسی ہوں گی۔ ان کے بعد والے گروہ کی صورتیں آسمان کے روشن ترین ستاروں کی طرح ہوں گی۔ اُن کے دل ایک انسان کے دل کی طرح شیر و شکر ہوں گے۔ ان میں باہم نہ کوئی اختلاف ہوگا اور نہ بغض۔ ہر مرد کے لیے بڑی آنکھوں والی دو حوریں بیویاں ہوں گی، جو اتنی خوب صورت ہوں گی کہ اُن کی پنڈلیوں کا گودا صاف طور پر ہڈیوں اور گوشت میں نظر آئے گا۔ وہ سب صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہوں گے۔ نہ وہ بیمار ہوں گے، نہ وہ پیشاب کریں گے، نہ اُن کو پاخانے کی حاجت ہوگی، نہ اُن کو تھوک آئے گی اور نہ اُن کی ناک سے کوئی آلائش نکلے گی۔ ان کے برتن سونے اور چاندی کے ہوں گے، اُن کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، اُن کی انگلیٹھیوں کا ایندھن خوشبودار عود ہوگا۔ اُن کا پسینہ کستوری کی طرح ہوگا، اپنی بناوٹ اور تخلیق کے لحاظ سے سب ایک دوسرے کے

برابر ہوں گے۔ اُن کا قد اپنے باپ آدم ﷺ کی طرح ساٹھ (60) ہاتھ اُونچا ہوگا۔“
تشریح:

اس حدیث میں جنتی لوگوں کے اُس گروہ کا ذکر ہے جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ وہاں اُن کو سب سے اعلیٰ درجہ حاصل ہوگا۔ عمدہ سے عمدہ نعمتیں میسر ہوں گی۔ جو نہ کبھی کم ہوں گی اور نہ ختم ہوں گی۔ اور یہ صلہ ہوگا اُن کے بہترین اعمال کا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں گروہوں کی شکل میں داخلہ ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾ (الزمر: 73)

”اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے رہے وہ گروہ درگروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے۔“

پھر جنت میں داخلہ درجات کے لحاظ سے ہوگا۔ جس کا زیادہ درجہ ہوگا وہ پہلے جنت میں جائے گا اور اعلیٰ ترین مقام پائے گا اور جس کا کم درجہ ہوگا وہ بعد میں داخل ہوگا۔



77۔ جنت میں چابک رکھنے کی جگہ کی فضیلت

78..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.))

صحیح بخاری، رقم: 2796

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5613

دارمی، رقم: 2820

ترمذی، رقم: 3013

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 55

ابن ماجہ، رقم: 4330

”جنت میں ایک کوڑا (چابک) رکھنے کی جگہ بھی دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، ان سے بہتر ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں دنیا کا لفظ آیا ہے لیکن ایک دوسری روایت میں ”آسمان اور زمین“ کے الفاظ آئے ہیں۔ تاہم مفہوم ایک ہی رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری دنیا بہت حقیر ہے اور جنت نہایت اعلیٰ، عمدہ اور وسیع مقام ہے۔

عربوں میں رواج تھا کہ جب سفر کے دوران کہیں ٹھہرتے تو وہاں جو شخص اپنا کوڑا (چابک) رکھتا وہ جگہ اسی کے لیے مخصوص ہو جاتی۔

اس حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت میں ایک کوڑا یا چھوٹی سی چھڑی یا چابک رکھنے کی جگہ بھی موجودہ دنیا کے زمین و آسمان بلکہ تمام کائنات سے بڑھ کر قیمتی اور بہتر ہے۔

اس ایک مثال سے جنت کی دوسری تمام نعمتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ حدیث مذکورہ بالا حوالوں کے علاوہ مسند احمد اور مصنف عبدالرزاق میں بھی موجود ہے۔

78۔ جنت کے درخت کا سایہ

78..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((أَنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجْرَةً يَسِيرُ الرَّأَكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا، وَلَقَابُ قَوْسٍ أَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ أَوْ تَغْرُبُ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5615

صحیح بخاری، رقم: 3252①3253①6552

صحیح مسلم، رقم: 7136①7132

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1799

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 5

”حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جنت میں ایک اتنا بڑا درخت ہے جس کے سائے میں کوئی سوار اگر سو سال تک چلتا رہے تو بھی وہ سایا طے نہ ہو۔ اور جنت میں کمان کے برابر جگہ بھی پوری دنیا سے بہتر ہے جس پر سورج نکلتا اور ڈوبتا رہتا ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں دنیا کی چیزوں کے مقابلے میں جنت کی نعمتوں کی افضلیت بیان کی گئی ہے۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کے حصول کا شوق پیدا ہو اور وہ ایسے کام کریں جن کے نتیجے میں وہ جنت کے مستحق ٹھہریں۔ پہلی بات جو اس حدیث میں بتائی گئی وہ یہ ہے کہ جنت میں ایک اتنا لمبا چوڑا درخت ہے جس کے سائے کی جگہ کو کوئی سوار سو (100) سال میں بھی طے نہیں کر سکتا۔

جنت کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے جہاں کا ماحول، نظام اور قوانین ہماری دنیا سے بالکل مختلف ہیں۔

قرآن مجید میں جنت کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر بتائی گئی ہے۔

﴿وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (الحديد: 21)

”اور جنت جس کی چوڑائی آسمانی اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔“

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جنت میں لمبے لمبے سائے ہوگا:

(الواقعه: 30)

﴿وَوَيْلٌ مِّنْهُمُ الَّذِينَ﴾

”اور لمبے لمبے سائے ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے جنت میں جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہاں ایک اتنا بڑا سایہ دار درخت ہوگا جس کے سائے کی جگہ کو کوئی سوار سو (100) سال تک چلنے کے بعد بھی طے نہیں کر سکتا۔

دوسری بات جو اس حدیث میں بیان فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جنت میں ایک کمان رکھنے کی جگہ بھی دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

عربوں میں دستور تھا کہ جب کوئی سوار کسی مقام پر ٹھہرتا تو وہاں اپنا کوڑا (چابک) ڈال دیتا۔ اگر وہ پیدل چل رہا ہوتا تو اپنی کمان ڈال دیتا تا کہ وہ جگہ اسی کے لیے مخصوص ہو جائے اور کوئی دوسرا اُس جگہ پر نہ ٹھہرے۔

مطلب یہ ہے کہ جنت کی تھوڑی سی جگہ بھی دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ جنت کی نعمتیں اعلیٰ بھی ہیں اور ہمیشہ رہنے والی بھی۔ جب کہ اُس کے مقابلے میں دنیا کی ساری چیزیں ادنیٰ بھی ہیں اور جلد فنا ہو جانے والی بھی۔

79۔ جنت کا سب سے ادنیٰ مقام

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ :
 ((إِنَّ أَدْنَى مَقْعَدٍ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ أَنْ يَقُولَ لَهُ: تَمَنَّ، فَيَتَمَنَّى، وَيَتَمَنَّى. فَيَقُولُ لَهُ: هَلْ
 تَمَنَيْتَ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ. فَيَقُولُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ مَا تَمَنَيْتَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ.))

صحیح مسلم، رقم: 453

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5627

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 56

مسند احمد، رقم: 8153

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جنت میں سب سے کم درجے کے شخص سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

”تمنا کرو وہ تمنا کرے گا اور تمنا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا: کیا تم نے تمنا کر لی؟ وہ کہے گا: جی ہاں۔

پھر اسے کہا جائے گا کہ تمہارے لیے وہ سب کچھ ہے جس کی تم نے تمنا کی اور اتنا ہی اور بھی اُس کے ساتھ۔“

تشریح:

اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی اُس رحمت و شفقت، فضل و کرم اور بے پایاں بخشش و عطا کا تصور کیا جاسکتا

ہے جو وہ اپنے جنتی بندوں پر کرے گا کہ وہ اُن کی تمناؤں اور آرزوؤں سے بھی کئی گنا زیادہ دے گا۔

سبحان اللہ، جب جنت کے سب سے کم اور ادنیٰ درجے کی نعمتوں کا یہ حال ہے تو اس کے اعلیٰ درجوں کی

نعمتوں کی کیا کیفیت ہوگی!

اس حدیث میں آخرت کے مقابلے میں ہماری دنیا کے حقیر ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے اور یہ بھی کہ

اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ جس قدر خرچ کرے، کوئی کمی نہیں ہوتی۔



80۔ اہل جنت سے اللہ تعالیٰ کا خطاب

80..... عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضي الله عنه ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:
 ((إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! فَيَقُولُونَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ،
 وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ. فَيَقُولُ: هَلْ رَضِيتُمْ؟ فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبُّ وَقَدْ
 أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ؟ فَيَقُولُ: أَلَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ؟ فَيَقُولُونَ: يَا
 رَبُّ، وَآيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ؟ فَيَقُولُ: أَحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ
 بَعْدَهُ أَبَدًا.))

صحیح بخاری، رقم: 6549

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5626

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1802

صحیح مسلم، رقم: 7140

”حضرت ابوسعید خدری رضي الله عنه سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ جنت والوں کو مخاطب کر کے فرمائے گا کہ اے جنت والو! وہ عرض کریں: اے ہمارے رب! ہم دل و جان سے حاضر ہیں تیری سعادت حاصل کرنے کے لیے! ہر طرح کی بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ وہ فرمائے گا: کیا تم لوگ خوش ہو؟

وہ عرض کریں گے: جی ہاں، اے ہمارے رب، ہم کیوں خوش نہ ہوں، آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تمہیں اس سے بھی بہتر چیز نہ دوں؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! اس سے بہتر بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں اپنی ہمیشہ رضا اور خوشنودی تمہیں عطا کرتا ہوں۔ آج کے بعد میں کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔“

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے۔

اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

جنت میں ہر شخص کو اتنی زیادہ نعمتیں حاصل ہوں گی جو اس کے تصور سے بھی بڑھ کر ہوں گی اس لیے وہ

ان کو پا کر خوش اور مطمئن ہو جائے گا۔

2: جنت والوں کی خوشی اور اطمینان ہی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھے گا کہ کیا تم لوگ میرے انعامات پالینے کے بعد خوش اور مطمئن ہو؟ یہ سوال دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید فضل و رحمت کی تمہید ہوگا۔

3: پھر اللہ تعالیٰ اُن کی اور زیادہ تسلی اور خوشی کی خاطر ارشاد فرمائے گا کہ دیکھو، میں تم سے ہمیشہ کے لیے راضی ہوں اور تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان بھی اہل جنت کے لیے مزید خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگا کیونکہ یہ ﴿رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ﴾ وہ رضائے الہی ہے جو بہت بڑی نعمت ہے۔

(التوبہ: 72)

4: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتیوں کے لیے اپنی رضا اور خوشنودی کا یہ اعلان اپنے اندر یہ حقیقت بھی رکھتا ہے کہ اہل جنت کو ملنے والی تمام نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہیں اور ان میں کبھی کوئی کمی یا ناغہ نہ ہوگا۔

5: اللہ کی رضا اور اُس کی خوشنودی کا حصول بجائے خود اتنی بڑی نعمت ہوگی کہ جنت کی تمام نعمتیں اس کے سامنے ہچ اور معمولی ہوں گے۔ البتہ پھر اس رضائے الہی سے بھی بڑھ کر ”دیدارِ الہی“ کی عظیم ترین نعمت ہوگی جس سے اہل جنت فیض یاب ہوں گے۔



81۔ جنت میں کاشتکاری

81..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ يَتَحَدَّثُ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ: ((إِنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ فِي الزَّرْعِ. فَقَالَ لَهُ: أَلَسْتَ فِيمَا شِئْتَ؟ قَالَ: بَلَى، وَلَكِنْ أَحَبُّ أَنْ أَزْرَعَ، فَبَدَّرَ، فَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهُ وَاسْتَوَاوَهُ، وَاسْتَحْصَادُهُ فَكَانَ أَمْثَالَ الْجِبَالِ، فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: دُونَكَ يَا ابْنَ آدَمَ! فَإِنَّهُ لَا يُشْبِعُكَ شَيْءٌ)) فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ: وَاللَّهِ لَا تَجِدُهُ إِلَّا قُرَيْشِيًّا أَوْ أَنْصَارِيًّا، فَإِنَّهُمْ أَصْحَابُ زَرْعٍ؛ وَأَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِأَصْحَابِ زَرْعٍ! فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ.

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5653 صحیح بخاری، رقم: 2348 مسند احمد، رقم: 10650

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ گفتگو فرما رہے تھے۔ ایک دیہاتی شخص بھی وہاں موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

جنت والوں میں سے ایک آدمی اپنے رب سے کاشت کاری کرنے کی اجازت مانگے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسے فرمائے گا: کیا تجھے ہر چیز حاصل نہیں؟ وہ عرض کرے گا: کیوں نہیں، مجھے سب کچھ میسر ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ کاشت کاری کروں۔ پھر وہ بیج بوئے گا۔ پلک جھپکتے وہ کھیتی اُگ کر تیار ہوگی اور کٹ بھی جائے گی۔ اناج کے ڈھیر پہاڑوں جیسے ہوں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے انسان! اسے لے لو، تیرا پیٹ کسی چیز سے نہیں بھرتا۔ اُس اعرابی نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

اللہ کی قسم! وہ کوئی قریشی یا انصاری ہی ہوگا کیونکہ وہی کاشتکاری کرتے ہیں، رہے ہم، تو ہم کاشت کار نہیں ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے۔“

تشریح:

جنت کی بے انتہا نعمتیں پالینے کے باوجود وہاں کسی آدمی کا کھیتی باڑی اور کاشت کاری کی خواہش کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ انسان کی حرص اور لالچ کا پیٹ کبھی نہیں بھر سکتا اور یہ کہ دولت کی فراوانی کے بعد اور عیش و عشرت کی آخری حد تک پہنچ کر بھی وہ قناعت نہیں کرتا۔

اسی مضمون کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿الْهَكْمُ التَّكَاثُرُ. حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾
(التکائر: 26)

”تمہیں بہت زیادہ حرص نے غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچتے ہو۔“

اسی بات کی وضاحت ایک متفق علیہ حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ:

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ كَانَ لابنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَا يَتَغَيَّرُ ثَالِثًا، وَلَا يَمَلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ تَابَ.))

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر انسان کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کی خواہش کرے گا۔ انسان کا پیٹ صرف قبر کی مٹی ہی بھرے گی۔ اور اللہ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے۔“

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کے پاس اتنی دولت ہوتی ہے کہ اُس کو وہ خود شمار نہیں کر سکتے، کوٹھیاں، جاگیریں، اقتدار، کارخانے اور بینک بیلنس مگر اس سب کچھ کے باوجود اُن کے اندر سے ہل من مزید (کچھ اور بھی) کی صدا بلند ہوتی رہتی ہے۔

اصل بات یہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث بھی ہے کہ امیری اور دولت مندی مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ دل سے حاصل ہوتی ہے۔ اصل غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہے۔

شیخ سعدی رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے: ”تو نگری بدل است نہ بمال“ (امیری دل سے ہے نہ کہ مال سے)۔

مشہور صحابی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بھی حضور ﷺ نے قناعت کی نصیحت کی تھی کیونکہ اُن میں بھی پہلے دولت کی کثرت طلی تھی۔ پھر حضور ﷺ کے سمجھانے پر انہوں نے قناعت پسندی اختیار کر لی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ دل کا اطمینان رزق کفاف، ہی میں ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آدمی اللہ کے دیے ہوئے پر قناعت کرے اور زیادہ کی ہوس نہ کرے ورنہ اُسے کبھی اطمینان حاصل نہ ہوگا۔

حدیث کے آخر میں اعرابی کی بات سن کر نبی ﷺ کے ہنسنے کا ذکر آیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ بھی تمام تر بشری جذبات و احساسات رکھتے تھے اور ہنسی کے موقع پر ہنستے اور غمی کے موقع پر غم کا اظہار فرماتے تھے۔

82۔ دوزخ سے نکل کر جنت میں جانے والا آخری شخص

82..... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((إِنِّي لَا أَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا ، وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا ، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا فَيَقُولُ اللَّهُ: إِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ ، فَيَأْتِيهَا ، فَيُخِيلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلَأَى فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! وَجَدْتُهَا مَلَأَى . فَيَقُولُ اللَّهُ: إِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ ، فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشْرَةَ أَمْثَالِهَا ، فَيَقُولُ: أَتَسْخَرُمِنِّي - أَوْ تَضْحَكُ مِنِّي - وَأَنْتَ الْمَلِكُ؟)) وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ، وَكَانَ يُقَالُ: ذَلِكَ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً .

صحیح بخاری، رقم: 6571

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5586

ترمذی، رقم: 2595

صحیح مسلم، رقم: 308,461

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 117

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں اُس شخص کو اچھی طرح جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکل کر جنت میں جائے گا۔ یہ ایسا شخص ہوگا جو سرین کے بل گھسٹ کر دوزخ سے نکلے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ، جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ وہاں آئے گا تو یہ خیال کرے گا کہ وہ تو بھر چکی ہے۔ اس لیے وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! جنت تو بھر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ تمہارے لیے اُس دنیا کے دس گنا برابر وسیع مقام ہے۔ وہ عرض کرے گا: کیا تو مجھ سے مذاق کرتا ہے، حالاں کہ تو بادشاہ ہے۔

اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حدیث بیان فرمائی تو آپ ﷺ ہنس دیے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھیں نظر آنے لگیں، کہا جاتا ہے کہ وہ جنت میں سب سے کم درجے والا شخص ہوگا۔“

تشریح

ظاہر ہے دوزخ سے نکالا جانے والا یہ آخری شخص ضرور کوئی ایمان والا ہی ہوگا کیونکہ بغیر ایمان لائے

کوئی بھی جنت میں نہیں جاسکتا۔ اس لیے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جب اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو وہ خیال کرے گا شاید جنت بھر چکی ہے اور اس میں کوئی جگہ خالی نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اُسے دنیا سے بھی دس گنا زیادہ وسیع جگہ عطا فرمائے گا۔ سبحان اللہ! جنت کی بے پایاں وسعتوں کا کیا ٹھکانا! جہاں سب سے کم درجے کے جنتی کو اتنی کشادہ سرزمین حاصل ہوگی وہاں اعلیٰ درجے کے جنتیوں کے لیے کتنے وسیع مقامات ہوں گے!

اس حدیث کے آخری الفاظ:

((وَكَانَ يُقَالُ: ذَلِكَ أَذْنَىٰ أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً.))

نہ تو حدیث کا اصل متن ہے اور نہ یہ نبی ﷺ کا کلام ہے بلکہ یہ بعد کے کسی راوی کا اضافہ ہے جو حدیث کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔



83- حوضِ کوثر

83..... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((حَوْضِي مَسِيرَةٌ شَهْرٍ ، وَزَوَايَاهُ سَوَاءٌ ، وَمَاوُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ ، وَرِيحُهُ أَطْيَبُ مِنْ الْمِسْكِ ، وَكَيْزَانُهُ كَنْجُومِ السَّمَاءِ ، مَنْ يَشْرَبُ مِنْهَا فَلَا يَظْمَأُ أَبَدًا.))

صحیح بخاری ، رقم: 6579

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 5567

اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 1478

صحیح مسلم ، رقم: 5971

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میرے حوض کی لمبائی ایک مہینے کے سفر کے برابر ہے اور اس کے چاروں اطراف برابر ہیں۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو کستوری سے بڑھ کر ہے۔ اس کے پیالے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں۔ جس شخص نے اس سے پی لیا وہ پھر کبھی (میدان محشر میں) پیاسا نہ ہوگا۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آخرت میں رسول اللہ ﷺ کو حوضِ کوثر بھی عطا فرمائے گا۔ اس کا

ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے:

﴿إِنَّا آعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾

(الکوثر: 1)

”بے شک ہم نے آپ ﷺ کو کوثر عطا کر دیا۔“

حوضِ کوثر کے بارے میں جو صحیح احادیث ملتی ہیں وہ تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ جنت کی عظیم الشان نہر ہوگی۔ اس کا پانی برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس میں دودھ ملا ہوگا۔ اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ عمدہ ہوگی۔ اس کے لیے رکھے گئے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوں گے۔ اس سے اہل ایمان سیراب ہوں گے اور کافر اور نافرمان لوگ اس سے محروم ہوں گے۔

84۔ جنت میں دیدارِ الہی

84..... عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((انَّكُمْ سَتَرُونَ رَبَّكُمْ عَيَانًا))

وَفِي رِوَايَةٍ: قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَانْظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: ((انَّكُمْ سَتَرُونَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرُونَ هَذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَيْهِ، فَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا)). ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا.﴾

صحیح بخاری، رقم: 5547435

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5655

ابوداؤد، رقم: 4729

صحیح مسلم، رقم: 1434

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 368

”حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک تم لوگ اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے صاف طور پر ظاہر دیکھو گے۔

دوسری روایت میں ہے کہ: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا:

عنقریب تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اسے دیکھنے میں تمہیں کوئی زحمت نہ ہوگی۔ اگر تم سے ہو سکے تو صبح کی نماز اور عصر کی نماز ادا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ بلکہ ان کو ضرور ادا کرو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا...﴾ (طہ: 130)

”اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کریں سورج نکلنے سے پہلے، سورج ڈوبنے سے پہلے۔“

تشریح:

اہل سنت کے عقیدے کے مطابق جنت میں اہل جنت کے لیے سب سے آخری اور عظیم نعمت اللہ تعالیٰ

کا دیدار ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَجُودًا يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾
(القیامہ: 22: 23)

”کچھ چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔“

دوسری جگہ فرمایا کہ دیدارِ الہی کی اس عظیم نعمت سے کافر لوگ محروم رہیں گے۔

﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ۝﴾
(المطففين: 15)

”ہرگز نہیں! اس دن ان کافروں کو ان کے رب کے دیدار سے محروم رکھا جائے گا۔“

ایک سے زیادہ صحیح احادیث کی رو سے آخرت میں جنتیوں کے لیے دیدارِ الہی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس

حدیث میں چاند کی اس مثال کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ ایسا دیکھنا یقین کے اعلیٰ ترین درجے عین الیقین کی صورت میں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جیسے لاکھوں انسان بیک وقت چاند کو بغیر کسی رکاوٹ کے دیکھ سکتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا دیدار بغیر کسی رکاوٹ کے ہوگا۔

اہل جنت کے لیے دیدارِ الہی کی نعمت دوسری نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی۔

((عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ.))
(صحیح مسلم، رقم: 449)

”حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم کچھ اور بھی چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے کیا تو نے ہمیں سرخرو نہیں کیا؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور دوزخ سے نجات نہیں دی۔ پھر اللہ تعالیٰ حجاب ہٹائے گا تو جنت والوں کو اپنے رب کے دیدار سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہ ہوگی۔“

باب 15..... دوزخ

85- دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر (70) گنا زیادہ سخت گرم ہے

85..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ :

((نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ))

قِيلَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! إِنْ كَانَتْ لِكَافِيَةٍ . قَالَ : ((فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَسِتِّينَ جُزْءًا
كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا .))

صحیح بخاری ، رقم: 3265

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 5665

ترمذی ، رقم: 2589

صحیح مسلم ، رقم: 7166, 7165

صحیفہ ہمام بن منبہ ، رقم: 14

اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 1808

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تمہاری اس دنیا کی آگ سے دوزخ کی آگ ستر (70) گنا زیادہ گرم ہے۔ عرض کیا گیا: وہ اگر اسی دنیا کی آگ کے برابر گرم ہوتی تو بھی کافی تھی۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر (69) حصے زیادہ بڑھ کر ہے اُن میں سے ہر ایک حصہ دنیا کی آگ کے برابر حرارت رکھتا ہے۔“

تشریح:

اس حدیث کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر دنیا کی ساری وہ آگ جمع کی جائے جو انسانوں نے جلائی یا جلاتے ہیں یا جلائیں گے تو یہ سب مل کر بھی جہنم کی آگ کے ستر (70) حصوں کے مقابلے میں صرف ایک حصے برابر ہوگی۔

اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ دوزخ کی آگ کی سختی اور شدت کا ذکر ہے کہ گرمی کی شدت اور

حرارت کی زیادتی کے لحاظ سے جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستر (70) گنا زیادہ تیز اور شدید ہے۔
اس حدیث کو سن کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہماری دنیا کی آگ بھی انسانوں کو جلانے
اور بھسم کرنے کے لیے کافی تھی۔

جہنم کی آگ کی تیزی اور شدت اس وجہ سے بھی زیادہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جلانی ہوئی آگ کا عذاب
ہے جو ظاہر ہے کسی مخلوق کی تیار کی ہوئی آگ نہیں ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ:

﴿نَارُ اللَّهِ الْمَوْقَدَةُ﴾

(الہمزہ: 6)

”اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔“

دراصل دوزخ آگ کا بہت بڑا گڑھا ہے جہاں آخرت میں کافر، مشرک اور گناہ گار لوگ ڈالے جائیں
گے۔ کفار و مشرکین تو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے مگر گناہ گار مسلمان سزا بھگتنے کے بعد جنت میں بھیج دیے
جائیں گے۔ دوزخ کے اندر مختلف سزاؤں اور عذابوں کی تفصیل قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔

86۔ دوزخ خواہشاتِ نفسانی سے اور جنت ناگوار چیزوں سے ڈھانپ دی گئی ہے

86..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ، وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5160 صحیح بخاری، رقم: 6487

صحیح مسلم، رقم: 7130 ترمذی، رقم: 2559

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1797

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دوزخ کو خواہشاتِ نفسانی سے ڈھانپ دیا گیا ہے اور جنت کو ناگوار چیزوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔“

تشریح:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو برے اعمال دوزخ کی طرف لے جانے کا باعث بنتے ہیں، ان میں عام طور پر انسان کی طبیعت اور نفس کے لیے بڑی کشش اور لذت رکھی گئی ہے اور ان سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے اکثر لوگ اپنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کر کے دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ اسی طرح جو اچھے اعمال جنت کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں، عام طور پر انسانی طبیعت اور نفس کو ان سے ناگواری محسوس ہو سکتی ہے۔ جیسے نماز، روزے اور جہاد جیسے شرعی احکام نفس انسانی پر دشوار اور شاق گزرتے ہیں لیکن انہی کی پابندی کر لینے اور کچھ مشقت اٹھالینے کے نتیجے میں انسان کو جنت مل سکتی ہے۔ اس مضمون کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے بھی ہو جاتی ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ الْجَنَّةَ

وَالنَّارَ أَرْسَلَ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى الْجَنَّةِ، فَقَالَ: انظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا

أَعَدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِيهَا، قَالَ: فَجَاءَهَا وَنَظَرَ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعَدَّ اللَّهُ لِأَهْلِهَا

فِيهَا. قَالَ فَرَجَعَ إِلَيْهِ، قَالَ: فَوَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا، فَأَمَرَهَا

فَحُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ، فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَيْهَا فَانظُرْ إِلَى مَا أَعَدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِيهَا،

قَالَ: فَرَجَعَ إِلَيْهَا، فَإِذَا هِيَ قَدْ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ، فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ لَقَدْ حُفَّتُ أَنْ لَا يَدْخُلَهَا أَحَدٌ. قَالَ: اذْهَبْ إِلَى النَّارِ فَانظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعَدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِيهَا. فَرَجَعَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ فَيَدْخُلُهَا. فَأَمَرَبَهَا فَحُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ. فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَيْهَا. فَرَجَعَ إِلَيْهَا. فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ لَا يَنْجُو مِنْهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا. ((

(جامع ترمذی، ابو داؤد، سنن نسائی)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ نے جنت کو پیدا کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: جاؤ جا کر دیکھ لو۔ وہ گئے، اسے دیکھا اور واپس کر کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! اس کے بارے میں جو بھی سنے گا اس میں ضرور داخل ہوگا۔ پھر اللہ نے جنت کو تکلیفوں اور مشقتوں سے بھر دیا اور فرمایا: اے جبریل علیہ السلام؛ جاؤ اسے جا کر دیکھو وہ گئے پھر وہ گئے اور پھر واپس آ کر کہنے لگے: اے میرے رب تیری عزت کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ اب اس میں کوئی بھی داخل نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح جب دوزخ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا جاؤ اور جا کر اسے دیکھ لو۔ وہ گئے، اسے دیکھا پھر واپس آئے اور عرض کیا: ”آپ کے جلال کی قسم! اس کے بارے میں سن کر کوئی بھی اس میں داخل نہ ہوگا۔“ پھر اللہ نے اسے خواہشوں اور لذتوں سے بھر دیا۔ پھر جبریل علیہ السلام سے فرمایا جاؤ، جا کر اسے دیکھو وہ گئے اسے دیکھا اور پھر عرض کیا: اے میرے رب! آپ کے جلال کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ اس میں داخل ہونے سے کوئی بھی بچ نہ سکے گا۔“

87۔ جنت اور دوزخ کے غوطے

87..... وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((يُوتَى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا ابْنَ آدَمَ! هَلْ رَأَيْتُ خَيْرًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّبِكَ نَعِيمٌ قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا وَاللَّهِ يَا رَبِّ! وَيُوتَى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ، فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ ، فَيُقَالُ لَهُ: يَا ابْنَ آدَمَ! هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ؟ وَهَلْ مَرَّبِكَ شِدَّةٌ قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا وَاللَّهِ ، يَا رَبِّ! مَا مَرَّبِي بُؤْسٌ قَطُّ ، وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ .))

صحیح مسلم ، رقم: 7088

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 5669

مسند احمد ، رقم: 13143

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن دوزخ میں جانے والوں سے ایسے شخص کو لایا جائے گا جس کو دنیا میں سب نعمتیں حاصل تھیں، اُسے دوزخ کی آگ میں غوطہ دیا جائے گا۔ پھر اُس سے پوچھا جائے گا: اے انسان! کیا تم نے کبھی کوئی نعمت اور راحت دیکھی تھی؟ کیا کوئی نعمت تیرے پاس سے بھی گزری تھی؟ وہ کہے گا:

اے میرے رب! اللہ کی قسم! کبھی نہیں۔

پھر جنت میں جانے والوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا جس نے دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف اور تنگ دستی دیکھی ہوگی۔ اُسے جنت میں لے جا کر ایک غوطہ دیا جائے گا اس سے پوچھا جائے گا؟ کیا تو نے کبھی تکلیف یا تنگ دستی دیکھی تھی؟ یا کوئی بد حالی تیرے پاس سے بھی گزری تھی؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! اللہ کی قسم! میں نے کبھی بد حالی یا کوئی تنگی یا تکلیف نہیں دیکھی تھی۔“

تشریح:

اس حدیث سے دوزخ کی ہولناکی اور جنت کے عیش و آرام کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

دوزخ کا عذاب اتنا سخت ہوگا کہ انسان کو دنیا کا عیش و عشرت ایک لمحے میں بھول جائے گا۔
 دوسری طرف جنت کے عیش و آرام کا حال یہ ہوگا کہ اُس میں قدم رکھتے ہی انسان کے عمر بھر کے تمام
 دکھ اور تکلیفیں دُور ہو جائیں گی اور اُن کا احساس تک باقی نہ رہے گا ۵
 ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کُلنتیں تمام
 گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا
 پھر جب معاملہ یہ ہے تو عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دنیا کے اس عارضی عیش و آرام کو توجہ دیں جو
 ہمیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دینے والا ہو اور جو ہمیں دوزخ میں لے جانے والا ہو۔ ہر اُس تکلیف اور پریشانی
 کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے جو ہمیں اللہ کو راضی کرنے کے لیے اُس کے دین کی راہ میں پیش آئے
 اور دنیا کے فانی عیش کو جنت کے لافانی عیش پر قربان کر دینا چاہیے۔



88۔ ابوطالب کے لیے دوزخ کا سب سے کم عذاب

88.....عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا أَبُو طَالِبٍ وَهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ.))

صحیح مسلم، رقم: 515

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5668

مسند احمد، رقم: 2636

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دوزخ والوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا جس نے آگ کے دو جوتے پہنے ہوں گے جن سے اس کا دماغ کھولے گا۔“

تشریح:

ابوطالب حضور ﷺ کے چچا کا نام ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی پرورش کی۔ اُن کی شفقت اور سرپرستی سے حضور ﷺ کو بہت فائدہ پہنچا مگر انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ قبیلہ بنو ہاشم کا سردار ہونے کی وجہ سے انہوں نے دشمنوں کے مقابلے میں نبی ﷺ کا ساتھ دیا لیکن ایمان قبول نہ کر سکنے کی وجہ سے وہ بھی دوزخ میں جائیں گے کیونکہ اُن تک حضور ﷺ نے دین کی دعوت پہنچا دی تھی۔

حدیث میں دوزخ کے سب سے ہلکے عذاب کا ذکر ہے جو ابوطالب کو ہوگا کہ اُن کو آگ کے دو ایسے جوتے پہنائے جائیں گے جس سے اُن کا دماغ کھولے گا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دوزخ کے بڑے عذاب کتنے شدید اور ہولناک ہوں گے۔

باب 16..... دعوت و تبلیغ

89۔ نیکی یا برائی کی ترغیب دینے والے کے لیے جزا و سزا

89..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورٍ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا. وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا.))

صحیح مسلم، رقم: 6804

ترمذی، رقم: 2674

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 158

ابوداؤد، رقم: 4609

ابن ماجہ، رقم: 206

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص کسی ہدایت کے کام کی طرف دعوت دے تو اسے بھی اُس ہدایت کی پیروی کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور اُن کے اپنے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح جو کوئی کسی گمراہی کے کام کی طرف بلائے گا تو اسے بھی اُس گمراہی کی پیروی کرنے والوں کے برابر گناہ ملے گا اور اُن کے اپنے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔“

تشریح:

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے کسی نیک کام کا ذریعہ بنتا ہے تو اُسے بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اس نیک کام کرنے والے کو ملے گا اور اُس کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اسی طرح جب کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے برے کام کا باعث بنتا ہے تو اسے بھی اتنا گناہ ملے گا جتنا گناہ اُس برے کام کرنے والے کو ملے گا اور اُس کے گناہ میں کمی نہیں ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

”الذَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ.“ (صحیحہ للالبانی: 1660)

کسی نیک کام کی ترغیب دینے والے کے لیے بھی ایسا ہی اجر ہے جیسا اُس کام کرنے والے کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اچھے کام کی ترغیب دینے والے کو بھی اچھا کام کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے اور برے کام کی ترغیب دینے والے کو بھی وہ برا کام کرنے والے کے برابر گناہ ملتا ہے۔ اسی مضمون سے ملتی جلتی صحیحین کی یہ حدیث ہے کہ:

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْإِلَّهِمْ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا؛ لِأَنَّهُ أَوْلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ.))

مسلم، رقم: 4379

بخاری، رقم: 3335

ابن ماجہ، رقم: 2616

ترمذی، رقم: 2673

”حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو بھی ناجائز قتل ہوتا ہے تو قتل کے اُس گناہ کا ایک حصہ آدم علیہ السلام کے بیٹے (قابیل) کو بھی ملتا ہے کیونکہ اس نے قتل کے طریقے کی ابتدا کی تھی۔“



90۔ وعظ و نصیحت میں وقفہ کرنا

90..... عَنْ شَقِيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ . فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ : يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ ! لَوِ دِدْتُ أَنَّكَ ذَكَرْتَنَا فِي كُلِّ يَوْمٍ . قَالَ : أَمَا إِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذَلِكَ أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أَمْلِكُكُمْ ، وَأَنِّي أَتَخَوُّ لَكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَخَوَّنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا .

صحیح بخاری ، رقم: 70

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 207

ترمذی ، رقم: 6855

صحیح مسلم ، رقم: 7129

اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 1796

مسند احمد ، رقم: 3587

”شقیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو ہر جمعرات کے دن وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کسی آدمی نے اُن سے کہا:

اے ابو عبدالرحمن! میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ و نصیحت کیا کریں۔ اس پر انہوں نے جواب میں فرمایا: دیکھو، میں تمہیں اس لیے روزانہ وعظ نہیں کرتا کہ کہیں تم اُکتانہ جاؤ۔ وعظ و نصیحت میں نمانہ کر کے مجھے تمہارا خیال رکھنا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ ہمارا خیال رکھتے تھے کہ ہم کہیں اُکتانہ جائیں۔“

تشریح:

اس حدیث میں دعوت و تبلیغ کے طریقے کا ایک اصول یہ بتایا گیا ہے کہ داعی کو اپنے مخاطبین کی نفسیات کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ جب تک سننے والوں میں دلچسپی قائم رہے اُس وقت تک اُن کو نصیحت کرنی چاہیے جب وہ سننے پر آمادہ نہ ہوں اور اُکتاہٹ کے باعث عدم دلچسپی کا مظاہرہ کریں تو وعظ کہنا ختم کر دینا چاہیے۔

وقفے اور نمانے سے وعظ و نصیحت کرنا بہت مفید بھی ہے اور مسنون بھی۔ روزانہ وعظ و نصیحت کی مجالس کا ایک نقصان یہ ہے کہ لوگ تقریر سننے کے عادی ہو جاتی ہے مگر عمل سے دور ہو جاتے ہیں۔ داعی کا یہ کام نہیں کہ وہ موقع بے موقع دعوت دینے کے لیے بے تاب ہو، خواہ کوئی دوسرا سننے کے لیے تیار ہو یا نہ ہو۔ اُسے دوسروں کی ضروریات، مشکلات اور حالات کا خیال رکھتے ہوئے دین کی دعوت دینی چاہیے۔ اس سلسلے میں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے شاگرد عکرمہ رضی اللہ علیہ سے فرماتے ہیں کہ:

((حَدِيثِ النَّاسِ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنَّ آيَاتَ فَمَرَّتَيْنِ، فَإِنَّ أَكْثَرَتَ فَثَلَاثُ مَرَّاتٍ، وَلَا تُمَلِّ النَّاسَ هَذَا الْقُرْآنَ؛ وَلَا أَلْفِينَكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِّنْ حَدِيثِهِمْ، فَتَقْصُ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ فَتَمَلَّهُمْ، وَلَكِنْ أَنْصِتْ؛ فَإِذَا أَمْرُوكَ فَحَدِيثَهُمْ وَهُمْ يَسْتَهْوُونَ.))

(صحیح بخاری، رقم: 6337)

”لوگوں کو ہر جمعے کے دن وعظ و نصیحت کیا کرو۔ پھر اگر اس سے زیادہ ہو تو ہفتے میں دو مرتبہ۔ اور اگر اس سے بھی زیادہ کرنا چاہو تو تین بار۔ دیکھو، لوگوں کو اس قرآن سے بیزار نہ کرو۔ میں تمہیں اس طرح نہ دیکھوں کہ تم کچھ لوگوں کے پاس جاؤ، وہ اپنی باتوں میں لگے ہوں اور تم ان کی بات میں مداخلت کر کے (دخل در معقولات) انہیں وعظ سنانا شروع کر دو اور اس طرح ان کو بے زار کرو۔ بلکہ ایسے موقع پر خاموش رہو۔ پھر جب وہ لوگ خود فرمائش کریں تو انہیں وعظ سناؤ، اس طرح کہ وہ خود چاہیں کہ سنیں....“

پہلی حدیث اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول میں ہمارے زمانے کے واعظین اور ذاکرین کے لیے بڑا سبق ہے، جو موقع بے موقع، دوسروں کے آرام اور دلچسپی کا خیال رکھے بغیر، شب و روز بلند آواز میں لاؤڈ اسپیکر پر اپنی جوشیلی خطابت اور تان سینی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ جن کو نہ کسی بیمار کی بیماری کا، نہ کسی سونے والے کے آرام کا اور نہ کسی طالب علم کی پڑھائی کے حرج کا خیال آتا ہے۔ جن کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ان کا یہ طرز عمل لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف بلکہ اسلام اور مسجد کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل بہت سے لوگ مکان کے حصول کے وقت یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ کہیں مسجد کے قریب نہ ہوتا کہ وہ لاؤڈ اسپیکر کے بے جا استعمال کے عذاب سے محفوظ رہیں۔



91- حدیث کی تبلیغ کرنے والوں کے حق میں حضور ﷺ کی دُعا

91.....عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((نَضَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَوَعَاَهَا وَأَدَّأَهَا، فَرُبَّ حَامِلٍ فِقْهِهِ غَيْرُ فِقْهِهِ، وَرُبَّ حَامِلٍ فِقْهِهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 228

ترمذی، رقم: 2658

ابوداؤد، رقم: 3660

ابن ماجہ، رقم: 230

دارمی، رقم: 229

مسند احمد، رقم: 21923

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اُس بندے کو تروتازہ اور خوش و خرم رکھے جس نے میری حدیث سنی، اُسے یاد رکھا اور محفوظ کر لیا اور پھر اُسے آگے بیان کر دیا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہر علم والا فقیہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی فقیہ اپنے سے زیادہ بڑے فقیہ تک بات پہنچا دیتا ہے۔“

تشریح:

اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے اور الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہ حدیث مختلف کتب حدیث میں موجود ہے۔ تاہم ان سب کا مضمون ایک جیسا ہے۔

یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے احادیث کی زبانی نقل و روایت کی عام اجازت دے رکھی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی احادیث سے اس کی بار بار تاکید ثابت ہے۔ یہ گویا حدیث کی حفاظت کا اہتمام تھا اور ایسے لوگوں کے لیے جو حضور ﷺ سے کوئی حدیث سن کر دوسروں تک پہنچائیں اُن کے حق میں آپ ﷺ نے خاص طور پر دعا کی تھی۔

اسی حدیث کی چند روایتیں حسب ذیل ہیں:

(1).....سنن ابوداؤد کتاب العلم میں حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے، وہ بیان

کرتے ہیں:

((سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: نَصَرَ اللَّهُ امْرَأً أَسْمِعَ مِنَّا حَدِيثًا، فَحَفِظَهُ حَتَّى يَبْلُغَهُ.))
(ابوداؤد، رقم: 3660)

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ”اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ اور خوش و خرم رکھے جو ہم سے کوئی حدیث سنے، پھر اُسے یاد اور محفوظ رکھے اور پھر اُسے دوسروں تک پہنچا دے۔“
(2)..... جامع ترمذی میں بھی انہیں حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:

((نَصَرَ اللَّهُ امْرَأً أَسْمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يَبْلُغَهُ.)) (ترمذی، رقم: 2656)
”اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے ہم سے کوئی سن کر دیا کر لی اور اُسے دوسروں تک پہنچا دیا۔“

(3)..... جامع ترمذی میں ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:

((نَصَرَ اللَّهُ امْرَأً أَسْمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ، فَرُبَّ مُبَلِّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ.))
(جامع ترمذی، رقم: 2657)

”اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کچھ سنا۔ پھر جیسے اُس نے سنا ویسے ہی دوسروں تک اُسے پہنچا دیا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جسے بات پہنچائی جائے وہ پہلے سننے والے سے بھی زیادہ اُسے یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔“

(4)..... جامع ترمذی میں ایک اور حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((نَصَرَ اللَّهُ امْرَأً أَسْمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا.)) (ترمذی، رقم: 2658)
”اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تروتازہ اور خوش و خرم رکھے جس نے میری کوئی بات سنی، پھر اُسے یاد رکھ کر محفوظ کر لیا اور اُسے دوسروں تک پہنچا دیا۔“

(5)..... صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ.)) (صحیح بخاری، رقم: 1741)

”پس لازم ہے کہ جو یہاں پر حاضر ہے، وہ اُس تک جو یہاں حاضر نہیں ہے، (میری باتیں)

پہنچادے۔“

نبی ﷺ کے ان ارشادات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین کو احادیث کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی تاکید فرمائی اور ایسا کرنے والوں کے حق میں بار بار دعا فرمائی۔

اس سے معلوم ہے کہ منکرین حدیث کا یہ دعویٰ کہ حضور ﷺ حدیث کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہیں کیا تھا بالکل بے اصل اور جھوٹا دعویٰ ہے۔



92۔ جھوٹی حدیث بیان کرنے کا عذاب

92..... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنِ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 198

صحیح بخاری، رقم: 3461

ترمذی، رقم: 2669

مسند احمد، رقم: 6486

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میری طرف سے پہنچا دو خواہ ایک آیت ہی ہو۔ بنی اسرائیل کے واقعات بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے، وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ (کی آگ) میں بنا لے۔“

تشریح:

اس حدیث کے آخری ٹکڑے:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.))

”جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے، وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ بنا لے۔“

کو ستر (70) سے زیادہ صحابہ کرام علیہم السلام نے (جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں) انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ بالاتفاق متواتر حدیث (لفظی) کی مثال ہے۔

اس حدیث میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ ”میری طرف سے پہنچا دو خواہ ایک ہی آیت ہو“ سے مراد قرآن مجید کی آیت بھی ہو سکتی ہے اور کوئی حدیث بھی۔ مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ جو دعوت اور پیغام لے کر بھیجے گئے ہیں اُس کی کوئی ایک بات بھی معلوم ہو تو اسے دوسروں تک پہنچا دینے کی تاکید ہے۔ اس سے اسلام میں دعوت و تبلیغ کی اہمیت اور اس کا حکم واضح ہوتا ہے۔

دوسری بات جو اس حدیث میں بیان فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ ”بنی اسرائیل کے واقعات بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے واقعات انہی کے حوالے سے بیان کیے جاسکتے

ہیں۔ اُن کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ایسا کیا جائے تو یہ جھوٹ ہوگا جس کی سزا دوزخ ہے۔

یاد رہے بنی اسرائیل کے وہی واقعات قبول کرنے چاہئیں جن کی تائید قرآن و حدیث سے ہوتی ہو ورنہ اُن کو درست تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔

تیسری بات جو اس حدیث میں واضح کی گئی وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی حدیث گھڑ کر منسوب کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی سزا دوزخ ہے۔

اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے فرمان سے حلال و حرام کے احکامات ثابت ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد حکم اور قانون ہے کیونکہ آپ ﷺ شارع بھی ہیں۔ لہذا آپ ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرنا جو آپ ﷺ نے نہ کہی ہو انتہائی خطرناک چیز ہے۔ اس لیے اس کی سزا بھی سخت ہے۔

لیکن افسوس اس حدیث کی تعلیم کے باوجود مسلمانوں نے اپنی کتابوں میں بنی اسرائیل کے جھوٹے قصے (اسرائیلیات) بھی شامل کر دیے اور بے شمار جھوٹی حدیثیں بھی حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیں۔ فیسا

للعجب!

93۔ دین کی راہ میں آزمائشیں

93..... عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرْتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: شَكَوْنَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بَرْدَةً فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، وَقَدْ لَقِينَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ شِدَّةً، فَقُلْنَا: أَلَا تَدْعُو اللَّهَ، فَقَعَدَ وَهُوَ مُحَمَّرٌ وَجْهَهُ وَقَالَ:

((يَكُنَ الرَّجُلُ فَيَمُنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ، فَيُجْعَلُ فِيهِ، فَيَجَاءُ بِمِنْشَارٍ، فَيُوضَعُ فَوْقَ رَأْسِهِ فَيَشُقُّ بِأَثْنَيْنِ، فَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُمَشِّطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ وَعَصَبٍ، وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَاللَّهُ لَيَتَمَنَّيَ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّكَّابُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ، لَا يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ، أَوِ الدِّئَبَ عَلَى غَنَمِهِ، وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ.

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5858 صحیح بخاری، رقم: 3612 مسند احمد، رقم: 27759

”حضرت خباب بن ارت تمیمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم نے نبی ﷺ سے مشرکین کی زیادتیوں کی شکایت کی۔ آپ ﷺ اُس وقت خانہ کعبہ کے سائے میں ایک دھاری دار چادر کا سر ہانا بنائے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا: آپ ﷺ اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں؟ یہ سنا تو آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

تم سے پہلے ایسے لوگ بھی ہو گزرے ہیں کہ ان میں سے کسی کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا۔ پھر آ رہ لاکر اُس کے سر پر رکھ دیا جاتا جس سے اُس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے۔ مگر یہ ظلم و ستم بھی اُس کو اُس کے دین سے نہ ہٹا سکتا۔ کبھی کسی کے جسم کے گوشت ہڈیوں اور پٹھوں میں لوہے کے کنگھے دھنسا دیے جاتے۔ مگر یہ چیز بھی اُسے اُس کے دین سے ہٹانہ سکی۔

اللہ کی قسم! یہ دین مکمل ہو کر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعا (یمن) سے حضر موت تک سفر کرے گا۔ اُسے اللہ کے خوف کے سوار استے میں کسی چیز کا خوف نہ ہوگا۔ البتہ بکریوں کے لیے بھیڑیے کا ڈر رہے گا۔ لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔“

تشریح:

ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ ضرور امتحان میں ڈال کر آزماتا ہے یہ اس کا قانون ہے، تاکہ کھوٹے اور کھرے، جھوٹے اور سچے کی پہچان ہو جائے اور پھر اسی لحاظ سے ان کو جزا و سزا دی جائے۔ خود حضرت محمد ﷺ کو مشرکین قریش نے ہر طرح ستایا۔ طائف میں آپ ﷺ کو لہو لہان کر دیا گیا۔ غزوہ اُحد میں آپ ﷺ کے دو دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ ﷺ شدید زخمی ہوئے۔ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تو آپ ﷺ کو ہجرت کرنی پڑی۔

پھر یہ بھی بتا دیا گیا کہ راہِ حق میں کون کون سی آزمائشیں پیش آسکتی ہیں:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِسَشْيٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ
وَالشَّرَاتِ﴾
(البقرہ: 155)

”اور ہم تمہیں بعض آزمائشوں میں ضرور ڈالیں گے جیسے دشمن کا خطرہ، فاقے کا ڈر، مال کا نقصان، جان کی ہلاکت اور قحط سالی کی آفت۔“

پھر اسی آزمائش میں کامیاب ہونے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کے انعامات بھی رکھے ہیں۔

مذکورہ حدیث میں نبی ﷺ نے حضرت خباب بن ارت تمیمی رضی اللہ عنہ کو دین پر ثابت قدم رہنے کے لیے پہلی امتوں کے اہل حق کی مثالیں بیان فرمائیں کہ یہ آزمائشیں تو آئیں گی۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مکی دور میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین کو سخت اذیتیں دی گئیں مگر ان کی استقامت اور استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔

اسی حدیث کے راوی حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو ایمان لانے کے جرم میں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ وہ پٹھے کے لحاظ سے لوہار تھے۔ لوگ ان سے کام لیتے اور مزدوری نہ دیتے۔ ایک دن زمین میں کونے جلا کر اس پر ان کو چت لٹا دیا گیا۔ ایک شخص نے ان کی چھاتی پر پاؤں رکھا تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں، یہاں تک کہ دہکتے ہوئے گرم کونے ان کی پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے۔ پیٹھ جل گئی اور چربی تک پکھل گئی۔ بہت عرصے بعد ایک مرتبہ انہوں نے اپنی جلی ہوئی پیٹھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دکھائی تھی۔

باب 17..... اُمت مسلمہ، صحابہ کرام اور انصار

94- اُمت مسلمہ کی فضیلت

94..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بَيَدِ انْتِهِمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، وَأُوتِينَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ، ثُمَّ هَذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فُرِضَ عَلَيْهِمْ — يَعْنِي يَوْمَ الْجُمُعَةِ — فَاخْتَلَفُوا فِيهِ، فَهَدَانَا اللَّهُ لَهُ، وَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ، أَلَيْهُودُ غَدًا، وَالنَّصَارَى بَعْدَ غَدٍ.))

صحیح بخاری، رقم: 876

نسائی، رقم: 1367

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 496

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 1354

صحیح مسلم، رقم: 1980 1978

مسند احمد، رقم: 8484

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 1

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہم آخری اُمت ہیں مگر قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ دوسروں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ہمیں بعد میں دی گئی۔ یہی جمعے کا دن اُن کی عبادت کے لیے بھی مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس بارے میں اختلاف کیا۔ پھر ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب فرمادی اور وہ لوگ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ چنانچہ یہودیوں نے اپنے لیے کل یعنی ہفتے کا دن اور عیسائیوں نے اپنے لیے پرسوں یعنی اتوار کا دن مقرر کر لیا۔“

تشریح:

اس حدیث میں کئی باتیں بیان ہوئی ہیں:

1: اُمتِ مسلمہ اگرچہ آخری زمانے میں پیدا ہوئی ہے لیکن آخرت میں اس کا مقام و مرتبہ پہلی اُمتوں سے بڑھ کر ہوگا۔

2: اہل کتاب کو اللہ کی کتابیں (تورایت، زبور اور انجیل وغیرہ) پہلے دی گئیں اور اُمتِ مسلمہ کو بعد میں

کتاب الہی یعنی قرآن مجید عطا کیا گیا۔

اب آخری کتاب نازل ہو جانے کے بعد پہلی تمام الہامی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ اسی طرح شریعت محمدی نے بھی پہلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے صاف ظاہر ہے کہ اب ناسخ کو فضیلت حاصل ہے اور جو منسوخ ہے اُسے فضیلت حاصل نہیں۔ لہذا قرآن مجید پہلی تمام کتابوں سے افضل ہے اور شریعت محمدی بھی پہلی تمام شریعتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔

3: اہل کتاب کے لیے جمعے کا دن عبادت کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن یہودیوں نے سرکشی کر کے اپنے لیے ہفتے کا دن (سبت) مقرر کر لیا۔ اسی طرح عیسائیوں نے گمراہی اختیار کرتے ہوئے اپنے لیے اتوار کا دن مخصوص کر لیا۔ اُمت مسلمہ کے لیے بھی خصوصی عبادت کے لیے جمعۃ المبارک کا دن مقرر کیا گیا ہے جو کہ تمام دنوں میں سے افضل ہے۔ اس حوالے سے بھی اُمت مسلمہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

4: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) پیچھے رہ گئے اور اس معاملے میں اُمت مسلمہ اُن پر سبقت لے گئی ہے۔ اس لیے اُمت مسلمہ اپنے سے پہلی اُمتوں سے بہتر اور افضل قرار پائی ہے۔

95۔ امین الامت حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

95..... ((عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ، وَأَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عَبِيدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ.))

صحیح بخاری، رقم: 4382

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 6115

ترمذی، رقم: 3796

صحیح مسلم، رقم: 6252

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1566

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہر امت کے لیے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔“

تشریح:

یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں امانت و دیانت کا وصف غالب تھا۔ آپ میں ذمہ داری کا بہت احساس تھا۔ آپ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ ہر کسی کو اس کا حق دیتے اور اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کرتے۔ اُن کی اسی صفت کی بنا پر حضور ﷺ نے اُن کو امین الامت کا خطاب دیا تھا۔

ابو عبیدہ کا اصل نام عامر بن عبد اللہ بن جراح تھا۔ آپ بالکل ابتدائی دور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام پر ایمان لائے۔ آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

آپ خوب صورت، دراز قد اور اکہرے جسم والے تھے۔ بہت حیا دار، خوش اخلاق اور بہادر تھے۔ غزوہ بدر میں آپ نے اپنے مشرک والد عبد اللہ بن جراح کو قتل کیا اور گویا اس آیت کے مصداق ٹھہرے کہ:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

خَلِيدَيْنَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَرَضُوا عَنْهُ أَوْلَيْكَ حِزْبُ اللَّهِ إِلَّا إِنْ حِزَّبَ اللَّهُ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿المجادله: 22﴾

”تم اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کبھی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے مخالفوں سے دوستی کی پیٹنگیں بڑھاتے نہ دیکھو گے اگرچہ وہ اُن کے باپ، یا اُن کے بیٹے، یا اُن کے بھائی، یا اُن کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور انہیں اپنے فیض سے قوت دی ہے۔ اللہ انہیں جنت کے باغوں میں داخل کرے گا جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی لوگ ہیں اللہ کا گروہ، اور سنو، اللہ کا گروہ ہی کامیاب رہے گا۔“

غزوہ اُحد میں آپ اُن دس (10) جاں نثار صحابہ میں سے ایک تھے جنہوں نے نازک موقع پر نبی ﷺ کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا اور اپنے سینوں پر تیرکھا کر حضور ﷺ کا دفاع کیا تھا۔ جب اس غزوے میں حضور ﷺ زخمی ہو گئے اور خود کی کڑیاں آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں پیوست ہو گئیں تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہی نے ان کڑیوں کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر باہر کھینچا، جس کے نتیجے میں اُن کے سامنے کے دو دانت گر پڑے تھے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بعد کے تمام غزوات میں بھی شرکت کی۔

دورِ فاروقی میں شام اور فلسطین کے علاقوں میں جہاد کے دوران سپہ سالار رہے۔ جب وہاں طاعون کی وبا پھیلی اور کئی صحابہ فوت ہو گئے تو آپ بھی چند دنوں کے بعد اسی بیماری سے وفات پا گئے۔ آپ کو اردن میں نبیان کے مقام پر دفن کیا گیا۔ نماز جنازہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 58 برس تھی۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور آپ سے کئی احادیث مروی ہیں۔

96۔ حواری رسول ﷺ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

96..... عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَنْ يَأْتِنِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟))، يَوْمَ الْأَحْزَابِ . قَالَ الزُّبَيْرُ: أَنَا . فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا، وَحَوَارِيَ الزُّبَيْرِ.))

صحیح بخاری، رقم: 2846

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 6110

ترمذی، رقم: 3744

صحیح مسلم، رقم: 6243

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1564

ابن ماجہ، رقم: 122

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر فرمایا:

کون ہے جو میرے پاس لشکر کی خبر لائے گا؟

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں!

اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کا ایک حواری (مخلص معاون) ہوتا ہے اور میرے حواری

زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔“

تشریح:

آپ کے تفصیلی حالات یہ ہیں:

’حواری‘ کے معنی خاص معاون اور خصوصی مددگار کے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اس وقت اپنا حواری ہونے کا خطاب دیا جب غزوہ خندق کے نہایت خطرناک موقع پر حضور ﷺ کے فرمانے پر آپ دشمن کے بارے میں خبر لائے اور جاسوسی کا کام سرانجام دیا۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ قریش کی شاخ بنی اسد سے تعلق رکھتے تھے۔ پندرہ برس کی عمر میں مکے میں اسلام قبول کیا۔ آپ نے دو ہجرتیں فرمائیں، ایک حبشہ کی طرف اور دوسرے مدینے کی طرف۔ آپ اولین مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔

آپ نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ دورِ فاروقی میں جنگ یرموک میں عیسائیوں کے خلاف جہاد میں

آپ نے بڑی بہادری کے جوہر دکھائے اور دو مرتبہ پورے عیسائی لشکر کی صفوں میں گھس کر اول سے آخر تک چرتے چلے گئے اور پھر اسی طرح صفوں کو چرتے ہوئے واپس آ رہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں بھی شامل تھے جنہوں نے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا تھا۔ آپ جنگ صفین سے واپس آ رہے تھے کہ بصرہ کے قریب کسی بد بخت نے اس وقت آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا جب آپ دوپہر کے وقت قیلولہ (آرام) فرما رہے تھے، یا ظہر کی نماز میں سجدے کی حالت میں تھے۔

آپ دولت مند تھے اور بہت صدقہ و خیرات کرتے تھے۔ آپ کی شہادت 36ھ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر 67 برس تھی۔ آپ کی اولاد میں دس بیٹے تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایسے شخص ہیں جن کو حضور ﷺ سے سب سے زیادہ قرابتیں اور نسبتیں حاصل تھیں۔

مثال کے طور پر:

- 1: آپ حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی۔ (صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب کے بیٹے)
 - 2: آپ اسماء بن ابی بکر رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے اس طرح آپ حضور ﷺ کے ہم زلف تھے کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہن تھیں اسماء رضی اللہ عنہا کی۔
 - 3: آپ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھتیجے تھے۔ اس کے علاوہ ان کو حضور ﷺ کے ساتھ اور بھی کئی رشتہ داریاں تھیں۔ آپ ان چھ صحابہ کرام میں سے تھے جن سے نبی ﷺ ہر اہم معاملے میں مشورہ کیا کرتے تھے۔
- آپ سے کئی احادیث مروی ہیں۔

97- انصار سے حضور ﷺ کی محبت

97..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَوْلَا الْهَجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً آمِنَ الْأَنْصَارِ ، وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا ، لَسَلَكَتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ وَشِعْبَهَا.))

صحیح بخاری، رقم: 7244,3779

ترمذی، رقم: 3899

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 6218

صحیح مسلم، رقم: 2446

ابن ماجہ، رقم: 164

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ایک آدمی ہوتا۔ اگر باقی لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار کسی اور وادی یا گھائی میں چلیں، تو میں ضرور انصار کی وادی اور گھائی میں اُن کے ساتھ چلوں گا۔“

تشریح:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میں نے ہجرت نہ کی ہوتی اور میرا شمار مہاجرین میں نہ ہوتا تو میں اپنے آپ کو انصاری کہلاتا اور اُن میں شمار ہونا پسند کرتا۔ وہ جہاں ہوتے، میں اُن کے ساتھ ہوتا۔

لیکن چونکہ نبی ﷺ کی ہجرت ایک اہم دینی فریضہ تھا اور مہاجر ہونے کی سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی تھی، اور ظاہر ہے کہ مہاجرین کا درجہ انصار سے بلند تر تھا، اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں مہاجرین میں شامل نہ ہوا ہوتا تو مجھے یہ پسند تھا کہ میں انصار میں شامل ہو جاؤں اور انصاری کہلاؤں۔ وہ جس وادی میں اترتے، میں اُن کے ساتھ وہاں اُترتا اور اُن کے ہمراہ رہتا۔

نبی ﷺ کے اس فرمان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو انصار سے بہت محبت تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا، انصار نے اپنا سب کچھ قربان کر کے اللہ کے رسول کی تائید و نصرت کی تھی۔ دین کی خاطر ایثار کیا تھا۔ اپنا جینا مرنا حضور ﷺ کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا۔ اس حدیث سے انصار کی فضیلت اور عظمت و احترام ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انصار کا ذکر کر کے اُن کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں اور تحسین کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مہاجرین کے بعد انصار ہی کا درجہ اور فضیلت ہے۔

98۔ انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے

98..... عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:

((آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ ، وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ .))

صحیح بخاری، رقم: 3784

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 6215

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 47

صحیح مسلم، رقم: 235

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

انصار سے محبت کرنا ایمان کی نشانی ہے اور انصار سے بغض رکھنا یعنی نفرت کرنا منافقت کی نشانی ہے۔“

تشریح:

’انصار‘ ناصر کی جمع ہے جس کے معنی ’مددگار‘ کے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں انصار سے مراد مدینے کے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے نبی ﷺ سمیت تمام مہاجرین بھائیوں کی میزبانی کی۔ اُن کو ٹھکانا مہیا کیا۔ اُن کی ہر طرح سے مدد کی۔ اُن کو نخلستان دیے۔ مکانوں کے لیے زمینیں دیں۔ انصار کی دینی خدمات بہت زیادہ ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تائید و نصرت کی۔ اپنا جینا مرنا حضور ﷺ کے ساتھ وابستہ کیا۔ دین کی خاطر ایثار کیا اور بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ اسلام کی خاطر پورے عرب قبائل سے دشمنی مول لی۔

خود نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ کو انصار میں شامل ہونے کی خواہش کا اظہار فرمایا چنانچہ ایک متفق علیہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ لَا الْهَجْرَةُ ، لَكُنْتُ امْرَأً مِّنَ الْأَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَاْدِيَا وَسَلَكَتِ

الْأَنْصَارُ وَاْدِيَا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكَتُ وَاْدِيَا الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَ الْأَنْصَارِ .))

صحیح بخاری، رقم: 7244

صحیح مسلم، رقم: 2446 صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 57

”اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اگر دوسرے لوگ کسی وادی میں جاتے اور

انصار کسی اور وادی یا گھاٹی میں جاتے تو میں انصار کے ساتھ اُن کی وادی یا گھاٹی میں جاتا۔“

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر میں مکے سے مدینے ہجرت کر کے نہ آیا ہوتا اور میرا شمار مہاجرین میں نہ ہو چکا ہوتا، تو میں اپنے آپ کو انصاری کہلانا اور اُن میں شمار ہونا پسند کرتا۔

لیکن چونکہ حضور ﷺ کی ہجرت ایک اہم دینی فریضہ تھا اور مہاجرین میں سے ہونے کی سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی تھی۔ ظاہر ہے مہاجرین کا درجہ انصار سے بڑھا ہوا تھا۔ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں مہاجرین میں شامل نہ ہوتا تو مجھے یہ پسند تھا کہ میں انصار میں شامل ہو جاؤں اور انصاری کہلاؤں۔ وہ جس وادی میں اُتریں میں اُن کے ساتھ رہوں۔

حضور ﷺ کے اس فرمان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو انصار سے بہت محبت تھی کیونکہ انہوں نے دین کی خاطر بہت قربانیاں دی تھیں۔

اس حدیث سے انصار کی فضیلت، عظمت اور احترام ثابت ہوتا ہے۔ لیکن زیر بحث حدیث میں انصار سے محبت کو ایمان کی نشانی بتایا گیا۔ کیونکہ جو لوگ اسلام کی خدمت میں پیش پیش تھے اُن سے محبت کرنا ایمان کی نشانی ٹھہری اور اُن سے نفرت کو منافقت قرار دیا گیا۔ آج جو لوگ نہ صرف انصار سے بغض رکھتے ہیں بلکہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں اُن کو اس حدیث کی روشنی میں اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچے اور کامل ایمان کی توفیق عطا فرمائے! آمین۔



باب 18..... متفرقات

99۔ اللہ تعالیٰ کو وہ نیک عمل پسند ہے جو ہمیشہ کیا جائے

99..... عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ، كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ:

((أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ .))

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 1242 صحیح بخاری ، رقم: 5861 صحیح مسلم ، رقم: 1830

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جسے ہمیشہ کیا جائے خواہ وہ تھوڑا ہی ہو۔“

تشریح:

یہ حدیث تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ مختلف کتب حدیث میں مذکور ہے لیکن ان سب کا مضمون ایک

ہی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

((إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ مَا دَامَ وَإِنْ قَلَّ .)) (رقم: 5861)

”بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہی

ہو۔“

صحیح مسلم میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے:

((أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ .)) (رقم: 1830)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو کم اجر والا ایسا نیکی کا کام جو ہمیشہ کیا جائے اُس زیادہ اجر والے نیکی کے کام سے زیادہ پسند ہے جو کبھی کبھار کیا جاتا ہو۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک شخص جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے اور دوسرا شخص جو کسی وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، تو ظاہر ہے ان میں پہلے شخص کا درجہ بہتر اور افضل ہوگا۔ یہی حال نیکی پر ہمیشگی اور مداومت کرنے کا ہے کہ اس سے بندہ اپنے رب کی ہر

وقت اطاعت میں مشغول رہتا ہے۔

اسی لیے ہر نیک کام جو ہمیشہ باقاعدگی کے ساتھ کیا جائے، اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ نیکی کا یہ کام خواہ بہت معمولی ہی کیوں نہ ہو لیکن اسے بھی اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص روزانہ دو نفل نماز ہمیشہ باقاعدگی سے پڑھتا ہے تو اس کی یہ نیکی اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ پسند ہے کہ کوئی دوسرا شخص سال بھر میں صرف ایک دن سینکڑوں نوافل ادا کر لے۔

اسی طرح صدقہ و خیرات میں بھی اگر باقاعدگی اختیار کی جائے تو اس کا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ جو نیک کام باقاعدہ پابندی سے کیا جائے وہ انسان کی عادت ثانیہ بلکہ اُس کے اخلاق کا ایک حصہ بن جائے گا۔ وہ شخص ہر وقت اس نیکی کا تصور کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے اُس کے ثواب کی اُمید رکھے گا۔ یہی چیز اُس کے ثواب میں اضافے کا باعث ہوگی۔ اس کے برعکس جس آدمی کو کبھی کبھار کوئی نیک کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور ویسے روزمرہ زندگی میں وہ اُسے بھلائے رکھے گا تو اس سے اُس کا ثواب نسبتاً کم ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ دین میں استقامت اور ثابت قدمی کی بڑی اہمیت ہے۔

لیکن یاد رہے کہ شریعت میں تنگی اور سختی نہیں ہے اور نفلی عبادت کے کام یا عام نیکی کے کام میں صرف اتنا بوجھ اٹھانا چاہیے جتنا مستقل طور پر نبھایا جاسکے۔ اپنے آپ کو غیر ضروری طور پر تنگی اور مشقت میں ڈالنا شریعت کا مطلوب نہیں ہے۔



100۔ کھجوروں کی پیوند کاری کا واقعہ

100..... عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَدِمَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ وَهُمْ يُؤَبِّرُونَ النَّخْلَ ، فَقَالَ: ((مَا تَصْنَعُونَ؟)) قَالُوا: كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ: ((لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوا كَانَ خَيْرًا)) فَتَرَكَوهُ؛ فَانْقَصَتْ. قَالَ: فَذَكَرُوا ذَلِكَ لَهُ ، فَقَالَ: ((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ؛ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ دِينِكُمْ ، فَخُذُوا بِهِ؛ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِي ، فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 147 صحیح مسلم، رقم: 6127

”حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ مدینے تشریف لائے تو لوگ وہاں کھجوروں کی پیوند کاری کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم لوگ یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم پیوند کاری نہ کرو تو شاید تمہارے لیے بہتر ہو، اس پر لوگوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا تو پیداوار کم ہو گئی۔“

اس حدیث کے راوی حضرت رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اس بارے میں نبی ﷺ سے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں بھی ایک انسان ہوں۔ جب تمہیں تمہارے دین کے کسی معاملے میں حکم دوں تو اس پر عمل کرو۔ لیکن جب میں اپنی رائے سے کسی چیز سے متعلق کوئی حکم دوں تو میں بھی ایک انسان ہوں۔“

تشریح:

اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی بشری (یا شخصی) اور نبوی حیثیت کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ اسی واقعے کو امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی اسی مقام پر روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں حضور ﷺ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:

(صحیح مسلم، رقم: 6728)

((أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ.))

”تم اپنے دنیوی کام مجھ سے بہتر جانتے ہو۔“

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو معاملات اسلام کی رہنمائی کے دائرے میں آتے ہیں ان میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی لازمی ہے لیکن جو معاملات دین کی رہنمائی کے دائرے میں نہیں آتے ان میں حضور ﷺ کی رائے کی پیروی لازم نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جن امور کو انسان اپنی عقل سے سرانجام دے سکتا ہے اور اس میں وہ وحی کا محتاج نہیں ہے تو ایسے معاملات میں حضور ﷺ کی آراء کی پابندی ضروری نہیں ہے جیسے مکان بنانا، کھیتی باڑی کرنا، درزی یا باورچی کا کام۔ ان چیزوں کو نہ تو دین نے اپنے ذمے لیا ہے اور نہ وحی نے اپنے دائرے میں رکھا ہے۔ اس بارے میں انسان کی رہنمائی کے لیے اس کی عقل اور تجربہ و مشاہدہ کافی ہے۔ لیکن جن معاملات میں عقل رہنمائی نہیں دے سکتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے تو ان میں وحی اور دین نے رہنمائی دی ہے اور ایسے تمام معاملات میں حضور ﷺ کی پیروی لازم ہے۔

مثال کے طور پر عبادات، شخصی قوانین، ملکی قوانین، معاشی قوانین، حدود و قصاص، حلال و حرام اور حقوق العباد وغیرہ سب دین کے دائرے کی چیزیں ہیں اور وحی کی ہدایت ہے۔ ان تمام امور میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور پیروی واجب ہے۔

سیرت طیبہ میں ان دونوں قسم کے معاملات دینی معاملات اور دنیوی معاملات کی مثالیں ملتی ہیں۔ مذکورہ حدیث ’تابیر نخل‘ کا واقعہ بھی حضور ﷺ کی ان شخصی اور بشری آراء سے متعلق ہے جن کی پیروی لازم نہیں ہے۔ اس سلسلے میں چند اور حوالے درج ذیل ہیں:

1: غزوہ بدر کے موقع پر نبی ﷺ نے ایک ایسی جگہ قیام فرمایا جو مناسب نہ تھی۔ ایک صحابی حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اس جگہ کا انتخاب وحی کے ذریعے کیا گیا ہے یا ایک جنگی تدبیر کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وحی سے نہیں ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اگر ایسا ہے تو میری رائے میں آگے ایک اور مناسب جگہ ہے وہاں قیام کیا جائے۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور ان کی بتائی ہوئی نئی جگہ پر قیام فرمایا۔

2: بدر کے قیدیوں کے بارے میں نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کیا۔ یہ واقعہ سیرت کی تمام معتبر کتابوں میں

موجود ہے۔

اسی جنگ خندق میں خندق کھودنے کا مشورہ مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا جسے حضور ﷺ نے قبول فرمایا اور دشمن سے بچنے کے لیے خندق کھودی گئی جس میں آپ ﷺ نے بنفس نفیس حصہ لیا تھا۔

4: صلح حدیبیہ کی شرائط پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اختلاف ہوا لیکن جب حضور ﷺ نے ان کو یہ بتایا کہ وہ یہ سب پیغمبرانہ حیثیت سے کر رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے مرتے دم تک اپنی اس غلطی کا کئی بار کفارہ ادا کیا، صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے ایک ایسے معاملے میں نبی ﷺ سے اختلاف کیا جو ایک پیغمبر کی حیثیت سے سرانجام دے رہے تھے۔

5: بریرہ نامی ایک شادی شدہ لونڈی تھی جو اپنے شوہر سے متنفر ہو چکی تھی حالاں کہ شوہر اُسے بہت چاہتا تھا بلکہ اُس کے پیچھے روتا تھا۔ حضور ﷺ نے اس لونڈی سے فرمایا:

”اگر تو اپنے شوہر کے ساتھ رہتی اور رجوع کر لیتی تو اچھا تھا۔“

اُس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ حکم دیتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، صرف سفارش کرتا ہوں۔“

وہ بولی: اگر صرف سفارش ہے تو میں اُس کے پاس نہیں جانا چاہتی۔ مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔

نسائی، رقم: 5479

صحیح بخاری، رقم: 5283

اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب قرینے سے یا حضور ﷺ کی وضاحت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ آپ ﷺ کوئی بات اپنی رائے سے اپنی شخصی یا بشری حیثیت میں فرما رہے ہیں تو وہ کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرتے اور حضور ﷺ ان کے اس آزادانہ اظہار رائے میں ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور کبھی اپنی رائے سے رجوع فرما لیتے تھے۔

چونکہ زیر نظر حدیث سے حضور ﷺ کے مطلق علم الغیب جاننے کی نفی کا پہلو نکلتا ہے اس لیے بعض کم

سواد اس صحیح حدیث کو ماننا نہیں چاہتے۔

101۔ لوگ بھی کانوں (MINES) کی طرح ہیں

101..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَلِنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقَهُوْا .

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 201 صحیح مسلم ، رقم: 6161
صحیح بخاری ، رقم: 3496 اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 1538

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح کانیں (MINES) ہیں۔ اُن میں سے جو دورِ جاہلیت میں اچھے تھے، وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں بشرطیکہ وہ دین میں سمجھ بوجھ پیدا کر لیں۔“
تشریح:

اس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح انسانوں کی بھی کانیں (MINES) ہوتی ہیں۔ اچھے انسانوں سے اچھے اعمال ظہور پذیر ہوتے ہیں اور برے لوگوں سے برے کام سرزد ہوتے ہیں۔ اس حدیث کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انسان کی شخصیت پر اُن کے خاندانی پس منظر اور حسب و نسب کے اثرات بھی ہوتے ہیں جسے آج کل (Genetics) کہا جاتا ہے۔

حدیث کے دوسرے حصے میں ایک مثال کے ذریعے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جو لوگ دورِ جاہلیت سے پہلے باصلاحیت تھے اور اچھے اخلاق اوصاف رکھتے تھے اسلام لانے کے بعد اُن کی صلاحیتوں میں اور نکھار پیدا ہو گیا۔ گویا اسلام نے اُن پر ایسے اثر ڈالا جیسے سونے پر سہاگہ۔

• مثال کے طور پر حضرت عمر فاروق دورِ جاہلیت میں بہت بہادر اور پہلوان تھے۔ اُن کی بہادری کی یہ صفت اسلام لانے کے بعد اور زیادہ نمایاں ہوئی۔

اسی طرح دورِ جاہلیت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک اچھے جرنیل تھے۔ پھر اسلام لانے کے بعد وہ زیادہ اچھے اور بہترین جرنیل ثابت ہوئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی دورِ جاہلیت میں بہت حیا دار تھے اور اسلام لانے کے بعد وہ اور زیادہ حیا دار ہو گئے۔ گویا اسلام لانے اور اس کو اچھی طرح سمجھنے نے باصلاحیت لوگوں کی صلاحیتوں کو اور زیادہ جلا بخشی۔

102۔ خوش قسمت کون اور بد قسمت کون؟

102..... عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ)) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ؟ قَالَ: ((اعْمَلُوا فِكُلُّ مُيَسَّرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ؛ أَمَا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ. وَأَمَا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى﴾ الْآيَةَ.

صحیح بخاری، رقم: 1362

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 85

ابوداؤد، رقم: 4694

صحیح مسلم، رقم: 6731

ابن ماجہ، رقم: 78

ترمذی، رقم: 2136

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1697

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے ہر ایک کے لیے دوزخ اور جنت لکھ دی گئی ہے۔“

عرض کیا گیا:

کیا پھر ہم اسی لکھے ہوئے پر بھروسہ کر لیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

تم اعمال کرتے رہو۔ جو ان میں سے جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے اُسے اسی کی توفیق ملے گی۔ جو خوش قسمت

ہوگا اُسے خوش قسمتی والے اعمال کی توفیق مل جائے گی اور جو بد قسمت ہوگا اُس سے بد قسمتی والے کام ہی سرزد

ہوں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیات پڑھیں:

”جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا، تقویٰ اختیار کیا اور نیک بات کو سچ جانا تو ہم اُسے جنت کی آسانی میں

پہنچا دیں گے.... (اللیل 5 تا 7)

تشریح:

جب نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ ہر انسان کا جنتی یا دوزخی ہونا پہلے سے لکھ دیا گیا ہے تو صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم جمعین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ پھر نیک اعمال کیوں کیے جائیں اور کیوں نہ لکھے ہوئے پر قناعت کر لی جائے؟

اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اچھے اعمال کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ ان کی توفیق بھی اُسے ہی ملے گی جو خوش قسمت اور جنتی ہے۔ اور برے اعمال وہی کرے گا جو بد قسمت اور دوزخی ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اہل جنت کے لیے نیک اعمال کی توفیق ملنے اور اہل دوزخ کے لیے برے اعمال سرزد ہونے کے بارے میں قرآن کی آیات تلاوت فرمائیں۔

یہ حدیث تقدیر کے مسئلے سے متعلق ہے اس کی مزید وضاحت حدیث نمبر 60 کی تشریح میں ملے گی۔



103۔ اطاعت صرف معروف میں ہے معصیت میں نہیں

103..... عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ.

صحیح بخاری، رقم: 7257

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 3665

ابوداؤد، رقم: 2625

صحیح مسلم، رقم: 4763, 4765

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1205

نسائی، رقم: 4205

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

گناہ کے کام میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف یعنی نیکی کے کام میں ہے۔“

تشریح:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت تو ہر حال میں ضروری ہے مگر ان کے سوا کسی اور کی اطاعت صرف معروف یعنی نیکی کے کاموں میں کی جائے گی اور کسی منکر، برائی یا گناہ کے کام میں ہرگز اطاعت نہیں کی جائے گی۔

اسی مضمون کی چند اور احادیث یہ ہیں:

(1)..... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ.“

نسائی، رقم: 4210

ابوداؤد، رقم: 2625

صحیح مسلم، رقم: 4765

”اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں۔ اطاعت صرف معروف کاموں میں ہے۔“

(2)..... ایک متفق علیہ حدیث میں ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ سے روایت کی ہے:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ

الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ

وَلَا طَاعَةَ.))

صحیح مسلم، رقم: 4763

صحیح بخاری، رقم: 7144

ابوداؤد، رقم: 2626

نسائی، رقم: 4211

ابن ماجہ، رقم: 2864

”ایک مسلمان پر اپنے امیر کی اطاعت فرض ہے خواہ اُس کا حکم اُسے پسند ہو یا ناپسند ہو، بشرطیکہ اسے معصیت یعنی گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر کوئی سمع و طاعت نہیں ہے یعنی نہ حکم سننا ہے اور نہ ماننا۔“

اطاعت کے بارے میں اسلام کے احکامات:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾
(النساء: 59)

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول ﷺ کی، اور اُن کی جو تم میں سے اہل اقتدار ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔“

اس آیت میں ایک اسلامی ریاست میں اطاعت کے بارے میں یہ احکام ہیں:

1: اصل اطاعت اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہ اُس کے رسول ﷺ سمیت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ یہ گویا کتاب اللہ کی پیروی ہے۔

2: دوسری اطاعت رسول اللہ ﷺ کی ہے اور دراصل یہ کوئی الگ اطاعت نہیں ہے بلکہ پہلی اللہ کی اطاعت کی واحد عملی صورت ہے۔ کیونکہ اللہ کی اطاعت کا طریقہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں۔

اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾
(النساء: 80)

”جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔“

گویا یہ سنت کی پیروی ہے اور یہ بھی مسلمانوں پر لازم ہے۔

3: تیسری اطاعت صاحب اقتدار کی ہے۔ مگر یہ پہلی دو اطاعتوں کی طرح غیر مشروط (Unconditional) نہیں ہے بلکہ مشروط (Conditional) ہے۔ اول یہ کہ وہ خود بھی پہلی دو اطاعتوں کا پابند ہو اور دوسرے یہ کہ وہ معروف کا حکم دے۔ ورنہ اگر وہ منکر (برائی) اور معصیت (گناہ) کا حکم دے گا تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

4: اگر کسی معاملے میں مسلم حکمرانوں اور مسلمان رعایا میں اختلاف ہو جائے تو فیصلہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہوگا اور یہ کام عدلیہ کرے گی۔

5: والدین، علماء و مشائخ، اساتذہ اور بزرگوں کا حکم بھی صرف معروف میں مانا جائے گا اور معصیت یعنی گناہ اور برائی کے کام میں نہیں مانا جائے گا۔ البتہ والدین کی خدمت اور بڑوں کا احترام بہر حال واجب ہے۔

104۔ دو قابل رشک انسان

104..... عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلَىٰ هَلَكْتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 202

صحیح بخاری، رقم: 73

صحیح مسلم، رقم: 1896

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 467

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دو قسم کے شخصوں پر رشک کرنا چاہیے: ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور اُسے راہِ حق میں بے دریغ خرچ کرنے کی توفیق دی۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی سے نوازا اور پھر وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا اور اسے دوسروں کو سکھاتا ہے۔“

تشریح:

یہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہوئی ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کی دنیوی ترقی، خوش حالی اور شہرت و ناموری ایسی چیز نہیں جس پر رشک کیا جائے بلکہ رشک کے قابل صرف دو قسم کے شخص ہیں۔

ایک وہ شخص قابل رشک ہے جسے مال و دولت حاصل ہو اور وہ اسے عیاشیوں اور دوسرے ناجائز کاموں میں خرچ کرنے کی بجائے دن رات اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔ اور دوسرا وہ شخص جس کو قرآن کا علم حاصل ہو اور وہ اس کی تلاوت کرتا، اسے نمازوں میں پڑھتا، دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا، اس کے مطابق فیصلے کرتا اور اس کی تبلیغ کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی تعلیم ایسی چیز ہے جو لوگوں کے ذہنوں کو بدلتی ہے اور ان کو نئی قدروں (Values) سے روشناس کرتی ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

”پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دیتا ہے بلکہ اصلی پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ

پر قابو رکھتا ہے۔“

اس کے علاوہ احادیث میں ’مسکین‘ اور ’مہاجر‘ کا بھی اسلامی مفہوم عام روش سے ہٹ کر بیان فرمایا گیا ہے۔

105۔ احکام شریعت کی پابندی پر بیعت

105..... عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَحَوْلَهُ عَصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ: ((بَايَعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ. فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا، فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا، فَهُوَ إِلَى اللَّهِ: إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ، وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ)) (فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ .))

صحیح بخاری، رقم: 18

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 18

ترمذی، رقم: 1439

صحیح مسلم، رقم: 4461

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1111

”حضرت عباده بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے وقت میں جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آپ ﷺ کے پاس موجود تھی، یہ فرمایا:

تم لوگ اس بات پر میری بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، کسی پر جھوٹا بہتان نہ لگاؤ گے، جائز اور معروف کام میں نافرمانی نہیں کرو گے، جو تم میں سے اس عہد کو پورا کرے گا تو اُس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ لیکن جس نے ان میں سے کسی بات کی خلاف ورزی کی اور پھر اُسے دنیا ہی میں اس کی سزا مل گئی تو وہ سزا اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گا۔ البتہ جس نے ان باتوں میں سے کسی کا ارتکاب کر لیا مگر اللہ تعالیٰ نے اُس کی پردہ پوشی فرمائی تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وہ چاہے اس کو بخش دے اور چاہے سزا دے۔

اس کے بعد ہم سب نے ان باتوں پر آپ ﷺ کی بیعت کی۔“

تشریح:

بعض علماء کے نزدیک یہ بیعت عقبہ اولیٰ کا واقعہ ہے جو بارہویں سال نبوی میں ہوا اور جس میں بارہ

(12) انصاریوں سے حضور ﷺ نے بیعت لی تھی اور اس حدیث کے راوی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اس میں شامل تھے۔

اس بیعت میں درج ذیل باتوں کی بیعت لی گئی:

1: تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے

2: تم چوری نہیں کرو گے

3: تم زنا نہیں کرو گے

4: تم اپنی اولاد (بیٹیوں) کو قتل نہیں کرو گے

5: تم کسی پر کوئی بہتان نہیں لگاؤ گے

6: کسی معروف کام کے حکم کی نافرمانی نہیں کرو گے

دیکھا جائے تو یہ بیعت اُس بیعت سے ملتی جلتی ہے جو قرآن مجید کی سورہ الممتحنہ کی آیت بارہ (12) میں

آئی ہے اور جسے ”بیعت النساء“ کہا جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے مذکورہ بیعت کا عہد پورا کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ فرما

دیا کہ جو ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے گا اُسے اگر دنیا ہی میں سزا مل گئی تو یہ اُس کے لیے کفارہ اور

توبہ کے قائم مقام ہے۔ اور جس نے ان میں سے کوئی گناہ کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کی پردہ پوشی فرمائی تو

اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے اُسے عذاب دے اور چاہے معاف کر دے۔

اسلام میں بیعت کئی طرح کی ہوتی ہے:

1- بیعت اطاعت 2- کسی ہنگامی معاملے پر بیعت 3- بیعت ارشاد

1- بیعت اطاعت:

یہ خلیفہ یا امیر المومنین سے اُس کی اطاعت فی المعروف کے لیے کی جاتی ہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین

نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے پر اُن کی بیعت کی تھی۔

2- کسی ہنگامی معاملے پر بیعت:

یہ بیعت بھی ایک طرح کی سیاسی یا جہادی بیعت ہوتی ہے جس میں خلیفہ یا امیر المومنین کسی خاص ہنگامی

معاملے پر لوگوں سے بیعت لیتا ہے۔ اس کی مثال صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے جس میں نبی ﷺ نے چودہ سو

(1400) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس امر پر بیعت لی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لیا جائے گا اور مشرکین کے خلاف جہاد کیا جائے گا کیونکہ اُن کے بارے میں یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ اُن کو مکے میں مشرکین نے شہید کر دیا ہے۔ تاریخ اسلام میں یہ بیعت 'بیعت رضوان' کے نام سے مشہور ہے۔

3۔ بیعت ارشاد:

یہ وہ بیعت ہے جس میں کوئی صاحب علم و تقویٰ بزرگ کسی شخص سے دین کے احکام پر چلنے کی بیعت لیتا ہے۔ یہ بیعت ارشاد کہلاتی ہے اور اب بھی ہو سکتی ہے جس کا مقصد عام لوگوں کو دین سکھانا، اُس پر عمل کرانا اور اُن سے مواخذہ کرتے رہنا اور اُن کا تزکیہ نفس کرنا ہے۔



106۔ فضول سوالات اور اختلافات

106..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ذُرُونِي مَا تَرَكَتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ، وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى نَبِيِّهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ.

صحیح مسلم، رقم: 3257

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2505

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 32

نسائی، رقم: 2619

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تک میں تمہیں کوئی مسئلہ نہ بتاؤں تم مجھے چھوڑے رکھو۔ تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ سوال کرنے اور ان سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ جب میں تمہیں کسی چیز کے بارے میں حکم دوں تو اس پر ہر ممکن عمل کرو۔ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کر دوں تو اسے چھوڑ دو۔“

تشریح:

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ان پر حج فرض کر دیا گیا ہے لہذا وہ حج کریں۔ اس موقع پر ایک آدمی نے سوال کیا کہ کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ اس پر حضور ﷺ خاموش رہے۔ اُس آدمی نے دوسری اور تیسری بار یہی سوال کیا مگر آپ ﷺ ہر بار خاموش رہے۔ پھر کچھ وقفے کے بعد فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور پھر تم اس کی استطاعت (طاقت) نہ رکھتے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے مذکورہ حدیث بیان فرمائی:

اسی طرح پہلی قوموں میں فضول سوالات کرنے کی ایک مثال بنی اسرائیل کا واقعہ ہے جو قرآن مجید کی سورہ البقرہ آیات 67 تا 71 میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کوئی ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اس حکم پر عمل کرنے کی بجائے فضول اور بے مقصد سوالات کرنے شروع کر دیے کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہے؟ اس کی عمر کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

در اصل دین نام ہے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی کامل اور غیر مشروط اطاعت کا، اپنی خواہش کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دینے کا، یہ جذبہ نہ ہو تو دین داری کی روح باقی نہیں رہتی۔ اس لیے دین کے معاملے میں غیر ضروری اور فضول سوالات کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

البتہ ضروری سوالات جو دین کو سمجھنے کے لیے کیے جائیں اُن کی اجازت ہے۔

اس حدیث سے نبی ﷺ کا شارع ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جو حکم دے دیں وہی قانون ہے، وہی شریعت ہے اور وہی دین ہے جس کی پابندی ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ اسی طرح حلال و حرام کے بارے میں بھی آپ ﷺ کے احکام حجت اور واجب العمل ہیں۔

107۔ ایک نیکی کا ثواب سات سو (700) گنا تک ہے

107..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامُهُ، فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِمِثْلِهَا حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ.))

صحیح بخاری، رقم: 42

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 44

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 80

صحیح مسلم، رقم: 336

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں کوئی شخص اپنے اسلام کو سنوار لیتا ہے تو اُس کا ہر نیک عمل دس (10) گنا سے لے کر سات سو (700) گنا بڑھا کر لکھا جاتا ہے لیکن اُس کا کیا ہوا کوئی بُرا عمل صرف ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اللہ سے جا ملتا ہے۔

تشریح:

ہر مومن کے لیے ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس نیکیوں کے برابر لکھا جاتا ہے۔ پھر جتنے خلوص اور مشکل حالات میں وہ نیکی کی جاتی ہے اُس کا ثواب سات سو (700) گنا تک بڑھا کر لکھا جاتا ہے۔ اسی مضمون کے بارے میں چند اور احادیث بھی ملتی ہیں۔

1: ((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرَوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ: إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ، ثُمَّ بَيَّنَّ ذَلِكَ، فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا، كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً.))

صحیح بخاری، کتاب الرقاق، حدیث: 6491

صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث: 338

سنن نسائی، کتاب الصیام

جامع ترمذی، کتاب فضائل الجہاد

سنن ابن ماجہ، کتاب الصیام

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھنے کا حکم دیا پھر ان کو واضح فرمادیا۔ اب جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اسے کر نہیں پاتا تو اللہ اس کے لیے پوری نیکی کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ اگر وہ اس نیکی کا ارادہ کرنے کے بعد اسے کر لیتا ہے تو اللہ اس کے لیے دس نیکیوں سے لے کر سات سو نیکیوں تک ثواب لکھ دیتا ہے۔ اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے اور اسے کرتا نہیں تو اللہ اس کے اعمال نامے میں ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر وہ ارادہ کر کے برائی کر لیتا ہے تو اللہ اس کے نامہ اعمال میں صرف ایک ہی برائی لکھتا ہے۔“

2: اسی مضمون کی حدیث صحیح مسلم میں اس طرح ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِحَسَنَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبْتُهَا لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةٍ ضَعْفٍ، وَإِذَا هَمَّ بِسَيِّئَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ أَكْتُبْهَا عَلَيْهِ، فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا سَيِّئَةً وَاحِدَةً.)) (صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث: 335)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: جب میرا بندہ کوئی نیکی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو میں اس کے لیے اُس کے کرنے سے پہلے ہی ایک نیکی لکھ دیتا ہوں۔ پھر جب وہ نیکی کر لیتا ہے تو میں اس کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک لکھتا ہوں۔ جب کوئی بندہ کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے اور اُسے کرتا نہیں تو میں اُسے نہیں لکھتا۔ پھر جب وہ برائی کر لیتا ہے تو اُس کے لیے ایک ہی برائی لکھتا ہوں۔“

3: یہی مضمون جامع ترمذی کی درج ذیل حدیث میں بھی موجود ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَقَوْلُهُ الْحَقُّ:

إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِحَسَنَةٍ فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا. وَإِذَا هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوهَا، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا بِمِثْلِهَا، فَإِنْ

تَرَكَهَا..... وَرُبَّمَا قَالَ: لَمْ يَعْمَلْ بِهَا..... فَكَتَبُوا لَهُ حَسَنَةً، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ (الانعام: 160).))

(جامع ترمذی، تفسیر القرآن، حدیث: 3073)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا اور اُس کی بات سچی ہی ہوتی ہے:

”جب میرا بندہ کسی نیکی کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو (فرشتوں سے کہتا ہے کہ) اُس کے لیے ایک نیکی لکھ دو۔ پھر جب وہ نیکی کر لیتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دو۔ لیکن جب میرا بندہ کوئی برائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ نہیں لکھی جاتی۔ پھر جب وہ برائی کر لیتا ہے تو حکم ہوتا ہے اُس کے لیے ایک برائی لکھ دی جائے۔ پھر اگر وہ برائی نہیں کی تو حکم ہوتا ہے اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جائے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ (الانعام: 160)

”جو کوئی ایک نیکی لایا اُس کے لیے دس نیکیاں ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس گنا ہے اور زیادہ سے زیادہ سات سو (700) گنا ہے۔ یہی بات قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

(البقرہ: 261)

”جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں کرج کرتے ہیں، اُن کے ثواب کی مثال بیج کے اُس دانے کی ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوں اور ہر بالی میں سو سودا نے ہوں۔ اللہ جسے چاہتا ہے اور بھی زیادہ بڑھاتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔“

اس آیت کے آخر میں جو یہ فرمایا کہ ﴿وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (اللہ جسے چاہتا ہے اور بھی زیادہ بڑھاتا ہے) تو اس کی مزید وضاحت ایک اور صحیح حدیث سے ہو جاتی ہے جس میں ایک نیکی کا اجر و ثواب پہاڑ کے برابر بتایا گیا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر:

﴿حَتَّىٰ تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ أَوْ أَعْظَمَ﴾

(یہاں تک کہ اُس (نیکی) کا ثواب پہاڑ یا اُس سے بھی بڑھ کر ہو جاتا ہے۔)

صحیح بخاری، رقم: 1410۔ نسائی، رقم: 2526۔ ابن ماجہ، رقم: 1842۔

اور یہ سراسر خدائے رحمان و رحیم کا فضل و کرم اور اُس کی بے پایاں رحمت سے ہوتا ہے کہ وہ ایک نیکی کی بھی اتنی قدر کرتا ہے جب کہ کوئی برائی صرف ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔ پہلی صورت اُس کی رحمت کی ہے اور دوسری اُس کے عدل و انصاف کی۔ اور اُس کی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے۔



108۔ کم ہنسنا اور زیادہ رونا

108..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ رضي الله عنه:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَلَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا.))

صحیح بخاری، رقم: 6637, 1044

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5339

ابن ماجہ، رقم: 4191

ترمذی، رقم: 2313

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 12

”حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه سے روایت ہے کہ ابو القاسم محمد صلی الله علیہ وسلم نے فرمایا:

قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہو تو روتے

زیادہ اور ہنستے کم۔“

تشریح:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی الله علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ:

لوگو! اگر تمہیں وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو میں جانتا ہوں تو تمہارا رونا زیادہ ہو جائے اور تمہاری ہنسی کم

ہو جائے۔ بات یہ ہے کہ نبی صلی الله علیہ وسلم کو عالم برزخ، قبر کے احوال، حشر کے میدان کی ہولناکی اور دوزخ کے

عذاب کے بارے میں جو علم اور مشاہدہ تھا اگر وہی علم اور مشاہدہ عام انسانوں کو ہو جائے تو اُن کی ہنسی کم

ہو جائے اور رونا زیادہ ہو جائے۔ دنیا میں اُن کی خوشیاں اور لذتیں کم ہو جائیں اور غم زیادہ ہو جائیں۔

بلکہ ایک اور حدیث کے مطابق لوگ اپنی عیش و عشرت کی زندگی کو چھوڑ کر صحراؤں اور جنگلوں کی طرف

نکل جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کی نگاہوں سے بہت سے اُمور پوشیدہ رکھ کر اُن کو امتحان اور

آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان چیزوں سے بے خبر رہ کر غفلت میں پڑے رہتے ہیں

اور زیادہ ہنستے اور کم روتے ہیں اور اس سے اپنے انجام کی پرواہ نہیں کرتے۔

غیبی امور کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا اس لیے بھی ضروری تھا تا کہ وہ دنیا میں معمول کے مطابق

کام کر سکیں اور زندہ رہ سکیں ورنہ اگر وہ قبر کی زندگی، دوزخ کی آگ اور میدان محشر کا ہولناک منظر دیکھ لیتے تو

دنیا میں نہ کوئی کام کر سکتے اور نہ زندہ رہتے۔ بلکہ اگر کسی کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا تو بھی اُس کے لیے معمول کی زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا۔

لیکن نبی ﷺ کو جو منصب نبوت و رسالت عطا ہوا تھا اُس کے لیے ضروری تھا کہ آپ ﷺ کو وہ غیبی امور دکھا دیے جاتے جن کی طرف آپ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دینی تھی تاکہ آپ ﷺ کو علم الیقین سے بڑھ کر عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہو۔ اپنی دعوت و پیغام کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شک باقی نہ رہے۔ اس سے آپ ﷺ میں اعلیٰ درجے کا عزم و حوصلہ اور صبر و استقامت پیدا ہو جائے جو پیغمبرانہ کام کے لیے نہایت ضروری تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قلب مبارک کو غیر معمولی قوت و طاقت بخشی تھی اور غیبی امور کے علم اور مشاہدے کے باوجود آپ ﷺ نے ایک ایسی معتدل اور متوازن زندگی گزاری جو اہل ایمان کے لیے اُسوۂ حسنہ ہے۔



109۔ علانیہ اور فخریہ گناہ کرنے والے کی بخشش نہ ہوگی

109..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((كُلُّ أُمَّتِي مُعَافَى إِلَّا الْمُجَاهِرُونَ وَإِنَّ مِنَ الْمَجَانَةِ أَنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا ثُمَّ يُصْبِحُ وَقَدْ سَتَرَهُ اللَّهُ، فَيَقُولُ يَا فُلَانُ! عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا، وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ، وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللَّهِ عَنْهُ.))

صحیح بخاری، رقم: 6069

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 4830

للؤلؤ والمرجان، رقم: 1883

صحیح مسلم، رقم: 7485

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میری ساری امت کے گناہ قابل معافی ہیں سوائے اُن لوگوں کے جو علانیہ گناہ کرتے ہیں۔ علانیہ گناہ یہ بھی ہے کہ کوئی شخص رات کو کوئی برا کام کرے پھر صبح کے وقت یہ کہتا پھرے کہ اے فلاں! میں نے رات کو یہ کچھ کیا تھا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی پردہ پوشی کی تھی۔ رات بھر اُس کے رب نے اُس کی برائی چھپائے رکھی تھی مگر صبح ہوتی ہی اُس شخص نے خود ہی اپنے اوپر سے اللہ کا دیا ہوا پردہ اٹھا دیا۔“

تشریح:

اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

- 1: علانیہ گناہ کرنے والوں کے سوا ہر گناہ گار مسلمان کی آخرت میں بخشش ہو سکے گی۔
- 2: ہر شخص سے گناہ ہو سکتا ہے مگر اُسے چاہیے کہ دوسروں کو اپنے گناہ کا گواہ نہ بنائے بلکہ اپنے گناہ کو چھپائے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے توبہ و استغفار کرے۔
- 3: کسی مسلمان کا یہ کام نہیں کہ وہ سرعام گناہ کرتا پھرے اور دوسروں کے سامنے اس پر فخر کا اظہار کرے۔
- 4: جب کوئی برائی کسی ایک ہی فرد تک محدود رہتی ہے اور وہ اس کا اظہار دوسروں سے نہیں کرتا تو معاشرہ اس برائی کے منفی اثرات سے بڑی حد تک محفوظ رہتا ہے اور لوگ بھی اُس کی غیبت کے گناہ سے بچ جاتے ہیں۔ لیکن جب کوئی شخص دوسروں کے سامنے اپنے گناہوں کا ذکر کرتا ہے تو اُس کی اس

حرکت سے دوسرے لوگوں کو بھی برائی کی ترغیب ملتی ہے اور اس طرح وہ برائی پورے معاشرے میں پھیل جاتی ہے۔

5: قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے جو معاشرے میں برائی اور بے حیائی پھیلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾
(النور: 19)

”بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو، اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے۔ اور یاد رکھو کہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔“

6: علانیہ اور فخریہ طور پر گناہ کرنے والا بے شرم اور بے حیا شخص ہوتا ہے۔ وہ شعائر اسلام کا مذاق اڑاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کا باغی ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے شخص کے لیے آخرت میں بخشش نہیں ہے۔

110۔ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے

110..... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ.))

صحیح مسلم، رقم: 4717

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5158

ابن ماجہ، رقم: 4113

ترمذی، رقم: 2324

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے“

تشریح:

اس حدیث میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں:

1: یہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے۔

2: یہ دنیا کافر کے لیے جنت ہے۔

پہلی بات کہ یہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے، کی وضاحت یہ ہے:

مومن کے لیے اس دنیا کی زندگی قید خانے کی زندگی کی طرح ہے کیونکہ وہ اس زندگی کو اپنی مرضی سے نہیں گزار سکتا۔ اُسے اپنی ہر خواہش پوری کرنے میں آزادی حاصل نہیں۔ وہ ایک آقا کا غلام ہے جس کے ہر حکم کی اُسے پابندی کرنی پڑتی ہے۔ پھر جس طرح کوئی قیدی قید خانے سے اپنا جی نہیں لگاتا، اُسے اپنا گھر نہیں سمجھتا، اسی طرح اس دنیا میں مومن کا جی نہیں لگتا، وہ اسے اپنا اصلی گھر نہیں سمجھتا اور نہ اسے اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کا پابند ہوتا ہے اور ظاہر ہے ہر پابندی قید ہی ہوتی ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ مومن ایسے گھوڑے کی طرح ہے جو کھونٹے سے بندھا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مومن پابند ہوتا ہے اُسے لامحدود اور مادر پدر آزادی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ شتر بے مہار اور بے لگام گھوڑا نہیں ہوتا۔

دوسری بات کہ یہ دنیا کافر کے لیے جنت ہے، کی وضاحت یہ ہے:

چونکہ کافر اسی دنیا کی زندگی کو اپنا مقصد اور نصب العین سمجھتا ہے اور اس کی نعمتوں اور آسائشوں کو حاصل کرنے اور اپنی ہر خواہش کو پورا کرنے میں بالکل آزاد ہوتا ہے۔ اس کے لیے نہ اُسے حلال و حرام کی تمیز کی ضرورت ہے اور نہ اُسے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کی فکر ہوتی ہے اور نہ آخرت کی جو ابد ہی کا خوف ہوتا ہے۔ لہذا اس کے لیے یہ دنیا گویا عیش و عشرت کی جنت ہے۔

اس حدیث کا ایک اور مفہوم بھی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا کی زندگی میں اگر کسی مومن کو بہت سی نعمتیں میسر ہوں اور اُن سے فائدہ اٹھانے کی ایک حد تک آزادی بھی حاصل ہو پھر بھی یہ زندگی آخرت کی عظیم نعمتوں اور وہاں کی آزادی و بے فکری کے مقابلے میں قید خانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

دوسری طرف کافر کو جب آخرت میں مختلف قسم کے عذاب اور سزاؤں سے واسطہ پڑے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی گویا جنت تھی۔

اس حدیث میں یہ سبق بھی پوشیدہ ہے کہ مومن کو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی والی قید خانے کی زندگی گزارنی چاہیے۔ اُسے دنیا سے جی نہیں لگانا چاہیے ۵

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اور دنیا پرستی اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنانا چاہیے۔ لیکن اگر وہ دنیا کو اپنے لیے عیش و آرام کی جنت سمجھے گا تو یہ ایک کفرانہ طرزِ عمل ہوگا جس کی کسی مومن سے توقع نہیں کی جاسکتی۔

ضمیمہ 1: صحاح ستہ کا مختصر تعارف

حدیث کی چھ مشہور و معتبر کتابوں کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ ان کا مختصر تعارف ذیل میں ہے:

1- صحیح بخاری (الجامع الصحیح)

یہ کتاب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ امام صاحب کا پورا نام محمد بن اسماعیل بخاری ہے۔ آپ 194 ہجری میں بخارا میں پیدا ہوئے اور سمرقند کے قریب 256 ہجری میں وفات پائی۔

جمہور محدثین کی رائے کے مطابق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ”الجامع الصحیح“ صحت کے اعتبار سے حدیث کی تمام کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قرآن کے بعد صحیح بخاری کا درجہ ہے:

((أَصْحٰهُ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللَّهِ الْبَارِي "الْجَامِعُ الصَّحِيْحُ" لِلْبُخَارِيِّ .))

اور اسے مختصر کر کے یوں کہا جاتا ہے کہ:

((أَصْحٰهُ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللَّهِ .))

صحیح بخاری کا شمار صحاح ستہ کی کتب میں سرفہرست ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے 6 لاکھ احادیث میں سے صحیح ترین احادیث منتخب کر کے اسے مرتب کیا ہے اور اس کام کو 16 سال میں مکمل کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ کا لقب دیا گیا ہے۔ آپ کا حافظہ بے مثال تھا۔ جو بات ایک دفعہ سن لیتے اُسے ہمیشہ یاد رکھتے۔ مسلک کے اعتبار سے آپ شافعی تھے، مگر محض مقلد نہ تھے بلکہ مجتہد فی المسائل کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے اس کتاب کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔

صحیح بخاری میں احادیث کی کل تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کی احادیث کی کل تعداد 7255 ہے اور تکرار کے بغیر یہ تعداد صرف 2360 رہ جاتی ہے۔

صحیح بخاری کے تراجم دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ عربی زبان میں اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں جن میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ”فتح الباری“ سب سے زیادہ مشہور اور اہم ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

2- صحیح مسلم

اس کتاب کا نام بھی ”الجامع الصحیح“ ہے۔ یہ امام مسلم بن حجاج نیشاپوری کی تالیف ہے۔ آپ 204 ہجری میں پیدا ہوئے اور 261 ہجری میں وفات پائی۔ صحاح ستہ میں صحیح مسلم کا دوسرا درجہ ہے۔ یہ کتاب اپنی عمدہ ترتیب کے اعتبار سے صحیح بخاری سے بہتر ہے۔ لیکن دونوں میں افضل صحیح بخاری ہی ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محنت سے اسے 15 سال کے عرصے میں مرتب کیا۔ آپ کے اساتذہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور شاگردوں میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ صحیح مسلم کی احادیث کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کی احادیث کی کل تعداد 5777 ہے اور تکرار کے بعد یہ تعداد 3033 رہ جاتی ہے۔

عربی میں صحیح مسلم کی کئی شرحیں لکھی گئیں۔ سب سے زیادہ مشہور اور عمدہ شرح امام نوویؒ کی ہے۔ صحیح مسلم کے ترجمے دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

جس حدیث پر امام بخاری اور امام مسلم دونوں متفق ہوں، اُسے ”متفق علیہ“ کہا جاتا ہے۔ ایسی تمام احادیث کی تعداد 1906 ہے۔ ان کے مجموعے کا نام ”اللؤلؤ والمرجان“ ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم کو ”شیخین“ بھی کہتے ہیں۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو ملا کر ”صحیحین“ بھی کہا جاتا ہے۔

3- سنن نسائی

یہ کتاب امام نسائی کی تالیف ہے۔ آپ 215 ہجری میں خراسان میں پیدا ہوئے اور 303 ہجری میں فوت ہوئے۔

سنن نسائی کا درجہ صحاح ستہ میں تیسرا ہے۔ اس میں باقی کتب سنن سے بہت کم ضعیف احادیث ہیں۔ اس میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔ اس کتاب میں کل 5743 حدیثیں ہیں۔ یہ کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کے اسلوب کی جامع ہے۔ اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں جو عربی زبان میں ہیں۔

امام نسائی کا شمار فن رجال کے ماہرین میں بھی ہوتا ہے۔

4۔ سنن ابی داؤد

یہ کتاب امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ آپ 202 ہجری میں پیدا ہوئے اور 275 ہجری میں وفات پائی۔

سنن ابی داؤد کا درجہ صحاح ستہ میں چوتھا ہے۔ اس میں کل 5182 حدیثیں ہیں۔ کچھ ضعیف احادیث بھی شامل ہیں۔ امام صاحب نے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

سنن ابی داؤد فقہی احکام و مسائل کا بہترین ماخذ ہے۔ اس کی فقہی ترتیب بھی نہایت عمدہ ہے۔ اس کتاب کی بھی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی ”معالم السنن“ ہے۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

5۔ جامع ترمذی (سنن ترمذی)

صحاح ستہ میں جامع ترمذی، جسے سنن ترمذی بھی کہا جاتا ہے، کا پانچواں نمبر ہے۔ یہ کتاب امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام ابو عیسیٰ ترمذی ہے۔ آپ بلخ کے شہر ترمذ میں 202 ہجری میں پیدا ہوئے اور 279 ہجری میں وفات پائی۔

جامع ترمذی میں کل 4234 حدیثیں ہیں۔ ان احادیث میں سے کچھ ضعیف بھی ہیں اور امام موصوف نے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

جامع ترمذی علم حدیث میں نہایت ہی مفید اور فنی کتاب ہے۔ اس کتاب میں اصول حدیث کی بحثیں بھی موجود ہیں۔ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور سلف صالحین کے اقوال بھی ملتے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع کے علاوہ اور کتب بھی لکھی ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

جامع ترمذی کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں اور انگریزی سمیت اس کے کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔

6۔ سنن ابن ماجہ

یہ کتاب امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ صحاح ستہ میں اس کا آخری نمبر ہے۔ بعض علماء نے اس کی بجائے امام دارمی کی سنن دارمی کو اس کی جگہ چھٹا درجہ دیا ہے۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ 209 ہجری کو پیدا ہوئے اور 273 ہجری میں وفات پائی۔

سنن ابن ماجہ میں کل 4418 حدیثیں ہیں، جن میں سے بعض ضعیف بھی ہیں۔

اس کتاب کے علاوہ بھی امام صاحب نے اور کئی کتب لکھی تھیں۔

سنن ابن ماجہ میں پانچ ثلاثیات شامل ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان احادیث میں امام ابن ماجہ اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کل 5 راوی ہیں۔

سنن ابن ماجہ کی کئی شرحیں لکھی گئیں۔ اس کے تراجم بھی انگلش سمیت دوسری زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

صحاح ستہ کی تمام کتابوں کا انگلش میں ترجمہ ہو چکا ہے۔



ضمیمہ 2: علم حدیث سے متعلق اصطلاحات (TERMS)

(1)

1. آحاد (واحد احد):

ایسی حدیث جو متواتر حدیث کی شرطوں پر پوری نہ اترے اور اس سے کم درجے کی ہو۔ اسے خبر واحد بھی کہتے ہیں۔

2. اثر (جمع آثار):

ایسا قول یا فعل جس کی نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین کی طرف کی جاتی ہے۔ البتہ بعض علماء کے نزدیک اثر کا لفظ خبر، حدیث اور سنت کا مترادف ہے۔

3. اجازہ:

اس سے مراد کسی استاد کا اپنے شاگرد کو اس بات کی اجازت دینا ہے کہ وہ اس کی سنی ہوئی روایات (مسموعات) یا جمع کی ہوئی کتب حدیث کو روایت کر سکتا ہے۔ اگرچہ یہ تمام روایات نہ شاگرد نے استاد سے سنی ہوں اور نہ وہ کتب استاد کو پڑھ کر سنائی ہوں۔

4. اجزا:

(دیکھو جزء):

5. اخبار آحاد:

وہ حدیثیں جو متواتر حدیث کی شرطوں پر پوری نہ اتریں اور اس سے کم درجے کی ہوں۔ ان کو خبر واحد بھی کہا جاتا ہے۔

6. أَخْبَرَنَا:

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرے استاد نے یہ حدیث ہمیں سنائی۔

7. أَخْبَرَنِي:

اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے شیخ (یا استاد) نے یہ حدیث مجھے سنائی۔

8. اختلاف الحدیث:

دو ایسی حدیثوں کا ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد ہونا جو صحت میں برابر ہوں۔ پھر اگر ممکن ہو تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دی جاتی ہے، یا توقف کیا جاتا ہے یا پھر ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

9. إدراج:

کسی حدیث کی سند یا متن میں ایسا اضافہ ہونا جو اصل میں نہ ہو۔ جس حدیث میں إدراج ہوا ہو اُسے مدرج کہتے ہیں۔

10. اربعین:

ایسی کتاب جس میں چالیس (40) حدیثیں جمع کی گئی ہوں، جیسے امام نووی رحمہ اللہ کی 'اربعین نووی'۔ چونکہ اس کام پر ثواب بتایا گیا ہے اس لیے بے شمار علماء نے 'اربعین' لکھی ہیں۔

11. إرسال (مرسل ہونا):

کسی تابعی کا بغیر کسی صحابی کا نام لیے کوئی حدیث بیان کرنا إرسال کہلاتا ہے اور ایسی حدیث کو مرسل حدیث کہا جاتا ہے۔

12. اسماء الرجال:

حدیث کے راویوں (مردوں اور عورتوں) کے حالات زندگی، اُن کی چھان بین اور اُن کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا علم۔ اس بارے میں محدثین نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جیسے میزان الاعتدال (حافظ ذہبی) اور تہذیب التہذیب (امام ابن حجر عسقلانی) وغیرہ۔

13. إسناد:

کسی حدیث کا وہ حصہ جس میں ترتیب سے ان راویوں کے ناموں کا ذکر ہوتا ہے جنہوں نے اُس حدیث کو بیان کیا ہوتا ہے۔ اسے سند بھی کہتے ہیں۔

14. أصحاب سنن:

صحاح ستہ میں سے چار کتابوں سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے مرتبین و مؤلفین کو کہتے ہیں۔

15. اصول حدیث:

(دیکھو علم اصول حدیث):

16. اضطراب:

(دیکھئے مضطرب حدیث)

17. اطراف:

حدیث کی ایسی کتاب جس میں مرتب نے بہت سے احادیث کا صرف ایک ایک ٹکڑا (پہلا حصہ) ذکر کیا ہو اور اس ٹکڑے سے باقی حدیث کی طرف اشارہ ہو جائے۔ جیسے موسوعہ اطراف الحدیث از محمد سعید زغلول۔

18. اعلام:

اس کے لفظی معنی اعلان کرنے اور خبر دینے کے ہیں لیکن اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ کوئی شیخ اپنے شاگرد کو یہ بتا دے کہ فلاں کتاب یا حدیث اس کی مرویات (روایت کردہ احادیث) یا مسموعات (سماع سے سنی ہوئی احادیث) ہیں۔ اگر اس کے ساتھ وہ ان کی روایت کی اجازت دیدے تو اس کی روایت جائز ہے۔

19. الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُولٌ (تمام صحابہ عادل ہیں):

یہ محدثین کے ہاں ایک مسلمہ اصول ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث کی روایت کرنے میں معتبر، ثقہ اور عادل ہیں اور ان پر اس حوالے سے کوئی جرح یا طعن نہیں ہو سکتا۔

20. اُنْبَانَا:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے ہمیں فلاں حدیث سنائی۔

21. اُنْبَانِي:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے مجھے فلاں حدیث سنائی۔

22. أَوْثَق:

اول درجے کا وہ معتبر راوی جس کی روایت کردہ حدیث قابل اعتبار اور قابل حجت ہوتی ہے۔

(ب)

23. بلاغات:

وہ حدیثیں جو کسی راوی نے دوسرے راویوں کے ناموں کے بغیر بیان کی ہوں جیسے موطا امام

مالک رحمۃ اللہ علیہ میں کئی بلاغات ہیں اور ان کی سند کا ذکر نہیں ہے۔

(ت)

24. تابعی (جمع تابعین):

تابعی وہ شخص ہے جس نے ایمان کی حالت میں کسی صحابی سے ملاقات کی ہو اور اسلام کی حالت پر اس کی وفات ہوئی ہو۔

25. تابعین:

تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کی حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی اور اسلام ہی کی حالت میں ان کی وفات ہوئی۔

26. تبع تابعی (جمع تبع تابعین):

ہر وہ شخص تبع تابعی ہے جس نے ایمان کی حالت میں کسی تابعی سے ملاقات کی ہو اور ایمان کی حالت پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔

27. تخریج:

کسی حدیث کو اس کی پوری سند سے بیان کرنا اور اسی حدیث کو اس کی دوسری تمام سندوں کے ساتھ بیان کرنا تخریج کہلاتا ہے۔

28. تدلیس:

حدیث کی سند میں موجود کسی عیب یا نقص کو چھپانا 'تدلیس' کہلاتا ہے اور جس حدیث میں یہ عیب ہو وہ مدلس کہلاتی ہے۔

29. تصحیف:

کسی لکھی ہوئی حدیث کی اصلاح اور درستی کرنے کو تصحیف کہتے ہیں۔ یہ دراصل کاتب کی غلطی کی اصلاح ہوتی ہے۔ جس حدیث کی تصحیح ہوئی ہو اسے مصحف کہا جاتا ہے۔

30. تعدیل:

اس سے مراد کسی حدیث کے راویوں کو عادل اور (معتبر) ٹھہرانا ہے۔ پھر ایسے راویوں کی روایت کردہ حدیث صحیح اور مقبول ہو سکتی ہے۔

31. تقریر:

(دیکھئے تقریری حدیث):

32. تقریری حدیث:

کوئی عمل جو حضور ﷺ کے سامنے ہوا اور آپ ﷺ خاموش رہے یا آپ ﷺ کے سامنے کسی عمل کا ذکر ہوا اور آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کی، اُسے گوارا کیا تو اسے ”تقریری حدیث“ کہتے ہیں۔ گویا آپ ﷺ نے اُسے برقرار رکھا۔

(ث)

33. ثقہ (جمع ثقات):

دوسرے درجے کا معتبر راوی جس کی روایت کردہ حدیث قابل اعتبار اور قابل حجت ہوتی ہے۔

34. ثلاثیات:

ایسی احادیث جو زمانے کی دُوری کے باوجود صرف تین واسطوں سے حضور ﷺ سے نقل کی گئی ہیں۔ جیسے صحیح بخاری میں بائیس (22) حدیثیں ایسی ہیں جو ثلاثیات میں سے ہیں۔

35. ثنائیات:

ایسی حدیثیں جو زمانے کی دُوری کے باوصف صرف دو واسطوں سے نبی ﷺ سے نقل کی گئی ہوں۔ موطا امام مالک رحمہ اللہ علیہ میں ایسی کئی احادیث ہیں جو ثنائیات ہیں۔

(ج)

36. جامع (جمع جوامع):

حدیث کی ایسی کتاب کو کہتے ہیں جس میں ہر طرح کے مضامین ہوں جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ۔

37. جرح:

اس سے مراد حدیث کے کسی راوی پر تنقید اور اعتراض ہے جس کے بعد وہ راوی مجروح کہلاتا ہے اور اُس کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہو جاتی ہے۔

38. جزء (جمع اجزاء):

حدیث کی وہ مختصر کتاب جس میں کسی راوی کی تمام مرویات جمع کر دی گئی ہوں۔ اس کے علاوہ کسی ایک موضوع سے متعلق احادیث جمع کر لینے کو بھی 'جزء' کہتے ہیں جیسے امام بخاری کی جزء "رفع الیدین فی الصلوٰۃ"۔

(ح)

حافظ، حافظ الحدیث:

متاخرین بڑے محدث کو حافظ کہتے ہیں جسے کم سے کم ایک لاکھ احادیث سند اور متن کے ساتھ زبانی یاد ہوں۔ البتہ سابقہ سلف صالحین کے ہاں محدث اور حافظ مترادف تھے۔

39. حَدَّثَنَا:

اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ استاد (شیخ) نے ہمیں حدیث سنائی خواہ اپنے حافظے سے یا کسی کتاب سے الفاظ پڑھ کر۔

40. حَدَّثَنِي:

اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ استاد (شیخ) نے فلاں حدیث مجھے سنائی۔

41. حدیث، حدیث قدسی:

حدیث سے مراد وہ قول، فعل اور تقریر و تصویب ہے جو حضور ﷺ کی طرف منسوب ہو اور حدیث قدسی وہ ہے جس کی نسبت حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہو۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے 'متکلم کا صیغہ' استعمال ہوتا ہے۔

42. حسن حدیث:

ایسی حدیث جس میں صحیح حدیث کی پانچ میں سے چار شرطیں پوری پائی جائیں مگر پانچویں شرط میں کچھ کمی پائی جاتی ہو یعنی اُس کے راوی میں حفظ و ضبط کی کمزوری ہو۔

43. حفظ حدیث:

حدیث کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کو حفظ حدیث کہتے ہیں اس کے علاوہ راوی کی یادداشت کو بھی حفظ کہتے ہیں۔

(ح)

44. خبر (جمع اخبار):

حدیث کو خبر بھی کہتے ہیں۔ اس کی جمع اخبار آتی ہے۔

45. خبر واحد:

خبر واحد وہ حدیث ہے جس میں متواتر کی شرطیں نہ پائی جاتی ہوں۔ اس کے راوی تعداد میں متواتر سے کم ہوں۔ اس کا درجہ متواتر سے کم ہوتا ہے۔ خبر واحد کو آحاد یا اخبار آحاد بھی کہتے ہیں۔

46. خماسیات:

ایسی حدیثیں جو زمانے کی دوری کے باوجود صرف پانچ (5) واسطوں سے حضور ﷺ سے نقل کی گئی ہوں۔

(ر)

47. راجح:

اگر دو مختلف مضامین کی معارض (مخالف) حدیثیں ہوں اور ان دونوں کو بیک وقت جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں متن یا سند کے وجوہ ترجیح سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔ جس حدیث کو ترجیح حاصل ہوگی وہ راجح کہلائے گی۔

48. راوی:

حدیث روایت کرنے والے شخص کو راوی کہتے ہیں۔ یہ کوئی صحابی، تابعی، تبع تابعی یا ان کے بعد کا کوئی شخص ہو سکتا ہے۔

49. رباعیات:

ایسی احادیث جو زمانے کی دوری کے باوصف صرف چار (4) واسطوں سے حضور ﷺ سے نقل کی گئی ہوں۔ جیسے ”رباعیات امام نسائی“ وغیرہ۔

50. روایت:

حدیث بیان کرنے کو روایت کہتے ہیں اور حدیث اور روایت مترادف بھی ہیں۔

51. روایت بالمعنی:

کسی حدیث کو اس طرح بیان کرنا کہ اس کا مضمون اور مفہوم باقی اور سلامت رہے البتہ حدیث اپنے اصل الفاظ میں بیان نہ ہو۔

(س)

52. سماع:

(اُستاد کی زبان سے سننا): یہ اخذ حدیث کا سب سے اعلیٰ طریقہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شاگرد استاد سے حدیث سنے، خواہ اُستاد کسی کتاب سے وہ حدیث پڑھ کر سنا رہا ہو یا اپنے حافظے سے اور خواہ وہ حدیث شاگرد کو لکھوائے یا نہ لکھوائے۔

53. سَمِعْتُ:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے مجھے فلاں حدیث سنائی۔ ایسی حدیث مرفوع ہوتی ہے۔

54. سَمِعْنَا:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد نے ہمیں فلاں حدیث سنائی۔ ایسی حدیث بھی مرفوع ہوتی ہے۔

55. سنت:

عام طور پر حدیث اور سنت کے الفاظ مترادف ہوتے ہیں لیکن بعض علماء اس سے نبی ﷺ کے ثابت شدہ قول، فعل یا تقریر مراد لیتے ہیں۔ گویا حدیث عام ہے اور سنت خاص۔

56. سند:

اس سے مراد راویوں کا وہ سلسلہ ہے جو تبع تابعی، تابعی اور صحابی سے ہو کر اُس متن (حدیث کے مضمون) تک پہنچتا ہے جو نبی ﷺ سے منسوب ہو۔ گویا یہ متن تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ یہ سند عالی بھی ہوتی ہے اور نازل بھی۔ عالی سند وہ ہے جس میں کم واسطوں سے کوئی حدیث حضور ﷺ (۱۱ھ) تک پہنچتی ہو اور نازل سند وہ ہے جس میں زیادہ واسطوں سے کوئی حدیث حضور ﷺ (۱۱ھ) تک پہنچتی ہو۔

57. سنن:

اس سے مراد حدیث کی ایسی کتاب ہے جس میں احکام سے متعلق احادیث ہوں اور ان کو فقہی ابواب کی ترتیب سے لکھا گیا ہو، جیسے سنن ابی داؤد۔

58. سنن اربعہ:

حدیث کی چار کتابوں سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کو سنن اربعہ کہا جاتا ہے۔

59. شاذ حدیث:

ایسی حدیث جس کا کوئی مقبول اور ثقہ راوی اپنے سے زیادہ مقبول اور زیادہ ثقہ راوی مخالفت کرے۔ شاذ کے مقابلے میں 'محمفوظ حدیث' ہوتی ہے۔

60. شاہد (جمع شواہد):

کسی حدیث کے الفاظ و معانی یا صرف معانی کی تائید کرنے والی ایسی حدیث کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے صحابی سے مروی ہے۔

61. شذوذ:

جب کوئی مقبول راوی کسی ایسے راوی کے خلاف روایت کرے جو درجے میں اُس سے بڑھ کر ہو تو یہ شذوذ ہے اور ایسی حدیث شاذ کہلاتی ہے اور یہ بھی ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے۔ یہ شذوذ سند میں بھی ہو سکتا ہے اور متن میں بھی۔

62. شیخ (جمع شیوخ):

جس سے کوئی حدیث یا روایت لی جاتی ہے۔

63. شیخ الحدیث:

حدیث کے اُستاد کو آج کل شیخ الحدیث کہتے ہیں۔

64. شیخین:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو ملا کر شیخین کہا جاتا ہے۔

(ص)

65. صحابی:

ہر وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اُس کی وفات بھی ایمان کی حالت میں ہوئی ہو۔

66. صحاح ستہ:

حدیث کی چھ (6) کتابوں کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے جن میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ شامل ہیں۔

67. صحیح حدیث:

وہ حدیث جو درج ذیل شرائط پر پوری اترتی ہو۔

- 1: اُس کی سند متصل ہو۔
 - 2: اُس کے تمام راوی عادل ہوں۔
 - 3: اُس کے تمام راوی ضابط ہوں۔
 - 4: اُس میں شذوذ نہ ہوں۔
 - 5: اُس میں کوئی مخفی عیب نہ پایا جاتا ہو۔
- ایسی حدیث، مقبول، قابل اعتبار اور قابل حجت ہوتی ہے۔

68. صحیحین:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم، حدیث کی ان دو کتابوں کو ملا کر صحیحین (دو صحیح کتابیں) کہا جاتا ہے۔ ان دونوں میں جو حدیث آئی ہو وہ 'متفق علیہ' کہلاتی ہے۔

69. صحیفہ:

حدیث کے مجموعے کو کہتے ہیں۔

(ض)

70. ضابطہ و حافظ:

ایسا راوی جس میں ضبط و حفظ کی قوت و صلاحیت ہو۔ حدیث کو یاد رکھے یا کتاب میں محفوظ رکھے۔

71. ضبط و حفظ:

کسی حدیث کو لکھ کر محفوظ رکھنا ضبط کہلاتا ہے اور اُسے یاد رکھنا حفظ ہے۔

72. ضعیف حدیث:

ہر وہ حدیث جس میں حسن حدیث کی چار ضروری شرائط نہ پائی جاتی ہوں۔ یہ مردود حدیث کہلاتی ہے۔

73. ضعیف راوی:

ایسا راوی جس میں ثقہ یا معتبر راوی والے اوصاف نہ پائے جائیں۔ وہ عادل نہ ہو یا وہ ضابط و حافظ

نہ ہو۔

(ب)

74. طبقہ:

صحت حدیث کے اعتبار سے کتب حدیث کی درجہ بندی طبقہ کہلاتی ہے۔ پہلے طبقہ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم شامل ہیں۔ اور بعض کے نزدیک موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ان میں شامل ہے۔

75. طعن (عیب):

اگر حدیث کے کسی راوی میں کوئی ایسا عیب یا نقص پایا جائے جو صحت حدیث پر اثر انداز ہوتا ہو تو اسے طعن کہتے ہیں اور ایسے مطعون شخص کی روایت نہیں لی جاتی۔

(ع)

76. عادل راوی:

عادل راوی وہ ہے جو دینی فرائض کا پابند اور حرام کاموں سے بچنے والا ہے۔ صرف ایسا شخص ہی حدیث کی روایت کرنے میں معتبر اور ثقہ ہوتا ہے۔

77. عدالت (راوی کی):

راوی کی عدالت سے مراد اُس کے عادل ہونے اور معتبر ہونے کا وصف ہے کہ ایسا راوی دینی فرائض کی پابندی کرتا ہے اور حرام کاموں یعنی فسق و فجور سے بچتا ہے۔

78. عدول (عادل کی جمع):

عادل راویوں کو عدول کہا جاتا ہے۔ ایسے راوی معتبر اور ثقہ ہوتے ہیں اور ان کی روایت قبول کی جاتی ہے۔

79. عزیز حدیث:

جس حدیث کے راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں صرف دو (2) ہو۔

80. علت:

کسی حدیث میں کوئی مخفی عیب یعنی چھپا ہوا نقص ہونا جس کے بعد وہ صحیح حدیث نہ رہے۔ ایسی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ ان احادیث کے مجموعے کو علل کہا جاتا ہے جیسے ابن ابی حاتم کی 'العلل'۔

81. علم اصول حدیث:

وہ علم جس کے ذریعے راوی اور اس کی روایت کی پہچان ہوتی ہے اور اس کی روشنی میں کسی حدیث کو قبول یا رد کیا جاتا ہے۔

82. علم درایت:

وہ علم جس میں راوی اور اس کی روایت کردہ حدیث کی قبولیت یا عدم قبولیت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

83. علم حدیث (علم روایت):

نبی ﷺ سے منسوب اقوال، افعال اور تقریرات کا علم۔

(غ)

84. غریب حدیث:

جس حدیث کے راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں صرف ایک ہی ہو۔

85. غریب الحدیث:

احادیث کے مشکل الفاظ اور ان کے معانی بیان کرنے کو غریب الحدیث کہتے ہیں۔ اس موضوع پر 'النہایہ از ابن اثیر عمدہ کتاب ہے۔

(ف)

86. فرد حدیث:

یہ غریب حدیث ہی کا دوسرا نام ہے جس میں راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں صرف ایک ہی ہوتی ہے۔

87. فعلی حدیث:

جو حدیث نبی ﷺ کے کسی فعل یا عمل پر مبنی ہو۔

88. فقہ الحدیث:

یہ احادیث میں وارد احکام کو سمجھنے جاننے کا نام ہے۔

89. فن حدیث:

(دیکھو علم حدیث)

(ق)

90. قَالَ لَنَا:

یہ بھی حدیث کے اخذ و تحمل کا ایک طریقہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے ہمیں فلاں حدیث سنائی۔

91. قَالَ لِي:

اخذ حدیث کے اس طریقے سے مراد یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے مجھے فلاں حدیث سنائی۔

92. قَرَأَتْ:

یہ بھی اخذ حدیث کا اچھا طریقہ ہے جس میں شاگرد اپنے استاد کو زبانی کوئی حدیث سنائے یا کتاب سے پڑھ کر سنائے۔ گویا اس طریقے میں شاگرد استاد کو پڑھ کر سناتا ہے اس لیے اسے قراءت علی الشیخ بھی کہتے ہیں۔

93. قَوْلِي حَدِيث:

وہ حدیث جو نبی ﷺ کے کسی قول پر مبنی ہو۔ جیسے ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ (اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے)۔

(ک)

94. كُتِبَ صَحَاح:

(دیکھو صحاح ستہ):

(م)

95. مَتَابِعُ حَدِيثٍ (جَمْعُ مَتَابِعَاتٍ):

یہ وہ حدیث ہے جس کے راوی کی تائید کوئی دوسرا راوی بھی کرتا ہو اور تائید کرنے والا ایسا ہو کہ اس کی

روایت کو تسلیم کیا جاتا ہو۔ اس میں تائید کرنے والا پہلے راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ سے ایسے الفاظ میں حدیث روایت کرے جو پہلے راوی کے بیان کردہ الفاظ حدیث سے ملتے جلتے ہیں۔

96. متروک حدیث (راوی):

ایسا راوی جو اپنی روزمرہ گفتگو میں جھوٹ کا عادی ہو لیکن حدیث سے ظاہر نہ ہوتا ہو کہ وہ جھوٹا ہے، یا اُسے بہت زیادہ وہم لاحق ہوتا ہو (کثیر الوہم)۔

98. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ:

وہ حدیث جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہو۔

99. متن حدیث (جمع متون):

کسی سند کے بعد کلام کا وہ حصہ جو نبی ﷺ سے منسوب پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک ہی متن کی کئی روایتیں اور سندیں ہو سکتی ہیں جو سب کی سب الگ الگ حدیثیں شمار ہوتی ہیں حالاں کہ اُن کا مضمون ایک ہی ہوتا ہے۔

100. متواتر حدیث:

اس سے مراد وہ حدیث ہے جسے ہر دور میں راویوں کی اتنی زیادہ تعداد نے روایت کیا ہو کہ اُن کا جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو۔ متواتر لفظی بھی ہوتی ہے اور معنوی بھی۔

101. مجہول راوی:

ایسا راوی جس کا ثقہ (یا معتبر) ہونا یا نہ ہونا معلوم نہ ہو۔ گویا یہ کوئی نامعلوم شخص ہوتا ہے جو کسی حدیث کی روایت کرتا ہے۔

102. مُحَدِّث (جمع محدثین):

حدیث کے ماہر عالم کو محدث کہتے ہیں۔ اس کی جمع محدثین ہے۔

103. محفوظ حدیث:

شاذ (ضعیف حدیث) کے مقابلے میں جو صحیح حدیث ہوتی ہے وہ محفوظ حدیث کہلاتی ہے۔

104. مختلف الحدیث (اختلاف الحدیث):

دو بظاہر متضاد حدیثیں جو صحت میں برابر ہوں اور ان میں جمع و تطبیق ممکن ہو یا ایک کو دوسری پر ترجیح دی جاسکتی ہو۔

105. مُدْرَج حدیث:

ایسی حدیث جس کی اصل سند یا اُس کے اصل متن میں کچھ اضافہ کر دیا گیا ہو۔ اسے کسی حدیث میں 'ادراج' ہونا کہا جاتا ہے۔

106. مُدَلَّس حدیث:

ایسی حدیث جس میں راوی نے تدلیس سے کام لیا ہو یعنی اُس کی سند میں اس کے مخفی عیب کو چھپا دیا ہو۔ گویا ایسی حدیث جس کی سند میں مخفی عیب کو چھپایا گیا ہو۔ مُدَلَّس کہلاتی ہے۔

107. مرجوح حدیث:

اگر ایک مختلف اور معارض حدیث پر کسی اور مختلف اور معارض حدیث کو کسی وجہ سے ترجیح حاصل ہو جائے تو اُسے مرجوح حدیث کہتے ہیں اور ترجیح پانے والی کو راجح کہا جاتا ہے۔

108. مردود حدیث:

ایسی حدیث جسے قبول نہیں کیا جاتا۔ یہ ضعیف یا موضوع ہوتی ہے۔

109. مُرْسَل حدیث:

جس حدیث کی سند میں صحابی کا نام ساقط ہو یعنی نام موجود نہ ہو۔ ایسی حدیث غیر متصل اور ضعیف ہوتی ہے۔

110. مرفوع حدیث:

ایسی حدیث جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہو۔

111. مَرُوی (جمع مرویات):

کسی روایت شدہ حدیث کو کہتے ہیں۔

112. مُسْتَخْرَج (جمع مستخرجات):

حدیث کی ایسی کتاب جس کا مصنف کسی دوسرے مصنف کی کتاب میں درج احادیث کو اپنی الگ سند سے بیان کرتا ہے۔ اس طرح یہ دوسری سند بھی پہلی سند سے کسی مرحلے پر اوپر جا کر مل جاتی ہے۔

113. مُسْتَدْرَك (جمع مستدرکات):

حدیث کی ایسی کتاب جس میں کسی دوسرے مصنف کی شرائط کے مطابق حدیثیں جمع کی جائیں جو اصل

مصنف کی کتاب میں موجود نہ ہوں جیسے مستدرک علیٰ اکتحسین از امام حاکم نیشاپوری (م 405ھ)۔ اس کتاب میں امام حاکم نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرائط کے مطابق حدیثیں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

114. مُستفیض حدیث:

اکثر علماء کے نزدیک یہ مشہور حدیث ہی کا دوسرا نام ہے۔

115. مُسند:

مرفوع حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل ہوتی ہے۔

116. مُسند (جمع مسانید):

حدیث کی ایسی کتاب جس میں ہر صحابی کی روایت کردہ تمام احادیث ایک ہی جگہ پر جمع کر دی گئی ہوں جیسے مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، مسند شافعی اور مسند ابی داؤد طیالسی۔ لیکن اگر ہر صحابی کی روایات کو فقہی ابواب کی ترتیب سے جمع کیا جائے تو اسے مصنف کہتے ہیں جیسے مصنف عبدالرزاق۔

117. مشہور حدیث:

جس حدیث کے راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں تین (3) سے نو (9) تک ہو۔

118. مُصَحَّف حدیث:

ایسی حدیث جس میں کسی کاتب کی غلطی کی اصلاح کی گئی ہو۔ گویا یہ تصحیح شدہ حدیث ہوتی ہے۔

119. مُضْطْرَب حدیث (کسی حدیث میں اضطراب ہونا):

کسی حدیث کی ایسی شکلیں جو ایک دوسرے کے بالکل خلاف اور معارض ہوں اور ان کو جمع کرنا، یا ایک دوسرے پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو۔

120. مطعون (راوی):

جس راوی پر طعن یعنی (عیب) لگا ہو اسے مطعون راوی کہتے ہیں اور اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی کیونکہ وہ ضعیف ہو جاتی ہے۔

121. معجم (جمع معاجم):

جس کتاب میں حروف تہجی کے لحاظ سے شیوخ، بلدان (شہروں) اور قبیلوں کے ناموں کے اعتبار سے

احادیث درج کی جاتی ہیں جیسے مجتم کبیر (طبرانی)

122. مُعْضَلُ حَدِيثٍ:

ایسی حدیث جس میں دو یا دو سے زیادہ راوی موجود نہ ہوں۔

123. مُعَلَّقُ حَدِيثٍ:

ایسی حدیث جس کی سند کی ابتداء سے ایک یا ایک سے زیادہ راویوں کا ذکر نہ ہو۔ اسے تعلق بھی کہتے ہیں۔ ایسی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔

124. مُعْلَلُ حَدِيثٍ:

ایسی حدیث جس میں کوئی مخفی علت یعنی چھپا ہوا عیب یا نقص پایا جاتا ہو۔ اسے معلول حدیث بھی کہتے ہیں۔

125. مَقْبُولُ حَدِيثٍ:

ایسی حدیث جسے قبول کیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہوتی ہے یا پھر حسن۔

126. مَقْطُوعُ حَدِيثٍ:

ایسی حدیث جس کی نسبت کسی تابعی یا اس سے نیچے کسی شخص کی طرف کی گئی ہو۔

127. مَقْلُوبُ حَدِيثٍ:

ایسی حدیث جس کی سند یا جس کے متن میں تقدیم و تاخیر کر دی جائے۔ گویا کسی ایک لفظ کو دوسرے سے بدل دیا جائے یا اسے آگے پیچھے کر دیا جائے۔

128. مَكَاتِبُهُ:

اس سے یہ مراد ہے کہ شیخ خود لکھ کر یا کسی سے اپنی مرویات (روایت کردہ احادیث) لکھوا کر ایک موجود شاگرد کو دے یا غیر موجود شاگرد کو بھیج دے۔

129. مُكْثَرِيْنَ صَحَابِهِ:

ایک ہزار سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکثرین کہا جاتا ہے۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

130. مناوہ:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو کوئی کتاب یا لکھی ہوئی حدیث دے اور کہے کہ اس کو میری طرف سے روایت کرنے کی اجازت ہے۔

131. منسوخ حدیث:

جس حدیث کا حکم کسی دوسری حدیث کے حکم سے بدل چکا ہو۔ اس لیے منسوخ حدیث پر عمل نہیں کیا جاتا۔

132. منقطع حدیث:

وہ حدیث جس کی سند متصل نہ ہو اور اس میں کسی جگہ کوئی راوی نہ پایا جاتا ہو یا وہ راوی مجہول (Unknown) ہو۔

133. منکر حدیث:

ایسی حدیث جس کی سند کا کوئی راوی فاش غلطیاں کرتا ہو، یا جس میں بہت غفلت پائی جائے، یا وہ فاسق و فاجر ہو اور یا وہ ضعیف راوی کی بھی مخالفت کرے۔

134. منکر الحدیث راوی:

(دیکھو منکر حدیث):

135. موضوع حدیث:

جھوٹی اور من گھڑت حدیث کو موضوع حدیث کہتے ہیں۔ جسے کوئی شخص خود گھڑ کر نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دے۔ (نعوذ باللہ) یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اس بارے میں محدثین نے کئی کتب لکھی ہیں۔

136. موقوف حدیث:

ایسی حدیث جس کی نسبت کسی صحابی کی طرف کی گئی ہو۔

(ن)

137. ناسخ حدیث:

جس حدیث کے حکم سے کسی پہلی حدیث کا حکم بدل گیا ہو۔ ایسی نئی حدیث کو ناسخ اور پہلے والی حدیث کو

منسوخ کہتے ہیں۔ پھر نسخ حدیث پر عمل کیا جاتا ہے اور پہلی منسوخ حدیث پر عمل نہیں کیا جاتا۔

(و)

138. وجادہ:

اس سے مراد حدیث کی کسی کتاب سے سماع، اجازہ اور مناولہ کے بغیر علم حاصل کرنا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی محدث کی اپنی لکھی ہوئی حدیثیں دیکھے اور سابقہ ملاقات کی بنیاد پر ان کو اچھی طرح پہچان لے کہ یہ اسی کی تحریر کی ہوئی ہیں۔ ایسی حدیثیں ضعیف ہوتی ہیں۔

139. وحدانیات:

ایسی احادیث جن کو زمانے کی دوری کے باوجود صرف ایک ہی واسطے سے حضور ﷺ سے نقل کیا گیا

ہو۔

140. وصیت:

یہ حدیث کے اخذ و تحمل کی نادر مگر کمزور ترین صورت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شیخ سفر کے دوران میں یا بستر مرگ پر صراحت کے ساتھ یہ کہے کہ:

”میں فلاں شخص کو فلاں کتاب کے روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔“



ضمیمہ 3: راویان حدیث کے مختصر حالاتِ زندگی

ذیل میں اُن راویان حدیث (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے مختصر حالاتِ زندگی حروفِ تہجی کے لحاظ سے بیان کیے گئے ہیں جن سے روایت کردہ احادیث 'مشکوٰۃ الحدیث' میں شامل ہیں۔

1۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ:

ان کا اصل نام سعد بن مالک بن سنان خزرجی ہے اور یہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ کم عمری کی وجہ سے غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شرکت نہ کر سکے۔ البتہ غزوہ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ غزوہ احد میں ان کے والد شہید ہو گئے تھے۔ آپ نوجوان فقہا صحابہ میں سے تھے۔ 74ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

آپ نے نبی ﷺ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ حق بات بیان کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کریں گے۔ آپ کثرین صحابہ میں سے ہیں اور آپ سے 1170 حدیثیں مروی ہیں جو صحاح ستہ میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

2۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ):

آپ کا نام عبداللہ بن قیس اور کنیت ابو موسیٰ ہے۔ یمن کے قبیلہ اشعر کی نسبت سے اشعری کہلاتے ہیں۔ مشہور صحابی ہیں۔ ابتدائی زمانے میں مکے میں اسلام قبول کیا۔ پھر نبی ﷺ کی اجازت سے اپنے وطن یمن چلے گئے۔ فتح خیبر کے موقع پر یہ اپنے قبیلے سمیت یمن سے ہجرت کر کے مدینے آ گئے۔

آپ نہایت خوش الحان تھے۔ آپ کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

”يَا أَبَا مُوسَى! لَقَدْ أُعْطِيتَ مِزْمًا رَأْمًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ.“

”اے ابو موسیٰ! آپ کو آلِ داؤد کی سی خوش الحانی عطا ہوئی ہے۔“

دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ خلافت راشدہ کے دور میں شام کی فتوحات میں بھی شریک جہاد رہے۔

نبی ﷺ نے آپ کو یمن کے بعض علاقوں کا والی بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے۔

واقعہ تحکیم میں آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ثالث مقرر کیے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ثالث تھے جنہوں نے کمال ڈپلومیسی سے آپ کو خطرناک دھوکا دیا۔ اس واقعے کا آپ پر ایسا اثر ہوا کہ باقی تمام عمر گوشہ نشینی میں گزار دی اور مکہ یا کوفہ میں قیام پذیر رہے۔

آپ نے 42ھ یا 44ھ یا 50ھ یا 51ھ میں مکہ یا کوفہ میں وفات پائی۔

کتب صحاح میں آپ سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔

3۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام عبدالرحمن بن صخر تھا لیکن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ فتح خیبر کے بعد مسلمان ہوئے اور اصحابِ صفہ میں سے تھے۔ نبی ﷺ کی دعا کی برکت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی مسلمان ہو گئی تھیں۔ اسلام لانے کے بعد کئی غزوات میں حصہ لیا۔

صحیح احادیث میں ہے کہ ایک بار انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میں بہت سی احادیث سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلاؤ۔ انہوں نے چادر پھیلا دی۔ پھر ارشاد ہوا کہ اس کو اپنے سینے کے ساتھ چمٹالو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد ان کا اپنا قول ہے کہ پھر میں کبھی نہیں بھولا۔ اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بیان بھی ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ میں زیادہ حدیثیں کیوں بیان کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں ایک غریب آدمی تھا جو ہمیشہ حضور رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہتا تا کہ کچھ کھانے کو بھی مل جائے۔ مہاجرین کا حال یہ تھا کہ وہ بازار میں خرید و فروخت میں مصروف رہتے اور انصار اپنی کھیتی باڑی اور مال مویشی کو سنبھالنے میں مشغول رہتے لیکن میں نے اپنے آپ کو احادیث کے علم کے حصول کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

ایک حدیث کا واقعہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے ایسا علم عطا ہو جسے میں کبھی نہ بھولوں، تو اس دعا پر نبی ﷺ نے آمین کہی تھی اور اس کے بعد ان کا حافظہ قوی ہو گیا تھا۔ جو بات یاد رکھتے

کبھی نہ بھولتے۔

آپ نہایت عباد و زاہد اور مہمان نواز صحابی تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان کو کچھ عرصے کے لیے مدینے کا گورنر بنا دیا تھا۔ آپ 60ھ اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ جب کوئی ان سے اس کا سبب پوچھتا تو فرماتے کہ اس کے بیان کرنے سے یہ بہتر ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سر اُس کی گردن پر نہ رہے۔

آپ کی وفات 57ھ میں مدینے میں ہوئی۔ مکثرین صحابہ میں آپ کا سب سے پہلا نمبر ہے۔ آپ سے 5374 حدیثیں مروی ہیں۔ صحیحین میں آپ سے روایت کی گئی احادیث کی تعداد 497 ہے۔

14۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ:

آپ رسول اللہ ﷺ کے خادم اور مشہور صحابی ہیں۔ ہجرت کے پہلے سال ہی میں ان کی والدہ ام سلیم ان کو اپنے ساتھ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ”یہ بچہ آپ ﷺ کی خدمت کرے گا“۔ اُس وقت ان کی عمر 8 یا 9 یا 10 ساتھ تھی۔ انہوں نے پورے دس (10) برس نبی ﷺ کی خدمت کی ہے۔

ایک مرتبہ آپ کی والدہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اپنے اس خادم بچے کے حق میں دعا فرمائیے۔ اس پر نبی ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی:

((اللَّهُمَّ كَثِّرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ .))

”اے اللہ! اس کے مال و اولاد میں اضافہ فرما اور اسے جنت میں داخل کرنا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”یہ اسی دعا کا اثر ہے کہ ایک تو میری زندگی ہی میں میرے سو (100) کے لگ بھگ بیٹے بیٹیاں

اور پوتے پوتیاں ہیں۔ دوسرے میرے باغات سال میں دو دفعہ پھل دیتے ہیں اور رہی تیسری

بات تو انشاء اللہ مجھے جنت میں داخل ہونے کی بھی پوری امید ہے۔“

نبی ﷺ نے آپ کو ابو حمزہ (گھاس یا ساگ کا باپ) کا لقب دیا تھا۔

آپ نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ جنگ بدر میں کیا آپ حضور ﷺ

کے ساتھ تھے؟ تو آپ نے جواب دیا۔ ”تو اور کہاں چلا جاتا؟ نبی کریم ﷺ آپ کے گھر والوں پر بھی بہت

شفقت فرماتے۔ اکثر ان کے ہاں تشریف لے جاتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عہدِ فاروقی میں بصرہ میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے 90ھ یا 91ھ یا 92ھ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

بنو امیہ کے ظالم حکمران حجاج بن یوسف نے آپ کو بھی بہت اذیتیں دی تھیں۔ آپ نے حضور ﷺ کی ذاتی گھریلو زندگی کے بارے میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں اور آپ کا شمار بھی مکثرین صحابہ میں ہوتا ہے کیونکہ آپ کی مرویات کی تعداد بھی ہزار سے اوپر ہیں۔ آپ سے کل 2286 حدیثیں مروی ہیں جو صحاح ستہ میں شامل ہیں۔

آپ کا ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ آپ سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی ابوالطفیل عامر بن وائلہ لیشی رضی اللہ عنہ سے صرف چند برس پہلے فوت ہوئے۔ اس طرح گویا آخر ثانی (SECOND LAST) صحابی ہیں۔

5۔ تمیم داری رضی اللہ عنہ:

پورا نام تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ ہے یہ پہلے عیسائی عالم تھے جب نبی ﷺ غزوہ تبوک سے واپس مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ یہ بہت عبادت گزار اور رزہد و تقویٰ والے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انہوں نے سب سے پہلے مسجد نبوی میں چراغ کا بندوبست کیا اور ان سے اجازت لے کر مسجد نبوی میں تاریخی واقعات بیان کرتے تھے۔ فتنہ دجال کو حضور ﷺ نے خود ان سے روایت فرمایا ہے۔ اور یہ ان کے لیے بہت بڑا شرف ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک مدینے میں رہے۔ پھر شام چلے گئے اور وہیں 40ھ میں وفات پائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بہت عزت کرتے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔

صحاح ستہ میں ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔

6۔ جابر بن عبد اللہ بن عمر والنصاری رضی اللہ عنہ:

حضرت جابر مشہور صحابی ہیں۔ آپ کے والد عبد اللہ بھی صحابی ہیں۔ انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ اپنے والد کے ساتھ عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔ آپ نے غزوہ بدر اور غزوہ احد کے سوا باقی تمام غزوات میں شرکت کی۔ مصر و شام کا سفر بھی کیا تھا۔ یہ ان سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں جو مکثرین کہلاتے

ہیں اور جن میں سے ہر ایک کی مرویات کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔

آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ 74ھ یا 75ھ میں مدینے میں وفات پائی۔ آپ کی روایت کردہ احادیث کتب صحاح میں موجود ہیں۔

7۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

پورا نام جریر بن عبداللہ بخلی رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ اور نبی ﷺ کی وفات سے چند ماہ پہلے اسلام لائے تھے۔ حضور ﷺ ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ یہ بہت خوبصورت تھے۔ انہوں نے حجۃ الوداع میں بھی شرکت کی تھی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے قبیلے کا سردار بنا کر جہاد کے لیے ایران روانہ کیا تھا۔ انہوں نے قادسیہ کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ آخری عمر میں کوفہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے اور وہیں 51ھ میں وفات پائی۔

ایک مرتبہ نبی ﷺ نے آپ کو نمازِ عشاء کے بعد ایک ایسی کھجور کی چھڑی عطا فرمائی جو زات کے اندھیرے میں ان کے گھر تک روشنی دیتی رہی۔ یہی عصا آپ کے پاس رہا جسے آپ کی وصیت کے مطابق ساتھ ہی دفن کیا گیا تھا۔ آپ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی ایک حدیث لی ہے جو صحیحین میں موجود ہے۔ صحاح ستہ میں بھی آپ سے مروی احادیث موجود ہیں۔

8۔ حذیفہ بن اُسید غفاری رضی اللہ عنہ:

یہ صحابی ہیں۔ صلح حدیبیہ میں شرکت کی تھی۔ صحیح بخاری کے سوا تمام کتب صحاح میں ان سے مروی احادیث موجود ہیں۔

آپ کا انتقال 42ھ میں ہوا تھا۔

9۔ خباب بن اُرت تمیمی رضی اللہ عنہ:

بالکل ابتدائی دور میں اسلام لانے والے صحابی ہیں۔ دین کی خاطر سخت تکلیفوں اور آزمائشوں میں سے گزرے۔ پھر مدینے ہجرت کی۔ غزوہ بدر سمیت تمام غزوات میں شریک رہے۔ آخری عمر میں کوفہ چلے گئے۔ وہیں 37ھ میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ صحاح ستہ میں ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔

10- رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ عنہ:

یہ انصاری صحابی ہیں۔ قبیلہ اوس سے تعلق تھا۔ کم عمری کی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے لیکن غزوہ احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی۔ غزوہ احد میں گردن پر تیر لگنے سے زخمی ہوئے۔ اس موقع پر نبی ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ:

”أَنَا أَشْهَدُ لَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ میں قیامت کے دن تمہارے لیے گواہی دوں گا۔

بعد میں تیر نکال لیا گیا مگر اُس کی آنی گردن میں رہ گئی۔ آخری عمر میں زخم پھر کھل گیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مروان بن حکم کے زمانے میں 86 برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

11- سفیان بن عبد اللہ ثقفی (طائفی) رضی اللہ عنہ:

یہ صحابی ہیں۔ انہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ ان کو طائف شہر کے صدقات کا عامل بھی بنایا گیا تھا۔ صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد کے سوا باقی کتب صحاح میں ان سے مروی احادیث موجود ہیں۔

12- شقیق بن سلمہ، ابو وائل اسدی کوفی رضی اللہ عنہ:

یہ تابعی مخضرمی تھے۔ نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا تھا مگر حاضر خدمت نہ ہو سکے۔ آپ چاروں خلفائے راشدین اور کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ان سے بعض حدیثیں بھی سُنیں۔ لیکن زیادہ تر مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہے۔

آپ بہت نیک، متقی اور عبادت گزار تھے۔ امام ابراہیم نخعی کہا کرتے تھے کہ شقیق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بہت سی آفتیں اور بلائیں ٹال دیتا ہے۔

روایت حدیث میں آپ ثقہ اور معتبر ہیں۔

آپ نے سو (100) برس سے زیادہ عمر پائی۔ وفات 82ھ یا 97ھ میں ہوئی۔ صحاح ستہ میں آپ سے کئی احادیث مروی ہیں۔ ’مشکوٰۃ الحدیث‘ میں آپ کی روایت کردہ ایک ہی حدیث نمبر 90 ہے۔

13- عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ ماں کا نام زینب تھا اور ان کی کنیت امِ رومان تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی لیکن اپنے بھانجے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

کی نسبت سے اُم عبد اللہ کنیت رکھتی تھی۔ آپ بعثت نبوی کے چار سال بعد پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد دس (10) سال نبوی میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکاح ہوا۔ چار سو درہم حق مہر تھا، تو اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر صرف چھ (6) برس کی تھی۔

ہجرت کے بعد مدینے میں رخصتی ہوئی۔ اُس وقت عمر نو سال تھی۔ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 18 سال تھی۔ وہ حضور ﷺ کی وفات کے 48 برس بعد تک زندہ رہیں اور 57ھ میں فوت ہوئیں۔ اُس وقت آپ کی عمر 66 برس تھی۔ وصیت کے مطابق جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

نبی ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی۔ حضور ﷺ نے مرض الموت میں تمام ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں بسر کیے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احکامِ شریعت کا ایک چوتھائی حصہ منقول ہے۔ آپ دینی مسائل میں فتویٰ دیتی تھیں۔ آپ سے 2210 حدیثیں مروی ہیں۔

14۔ حضرت عبادہ بن صامت انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ:

آپ طویل القامت، جلیل القدر اور قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ آپ بیعت عقبہ اولیٰ، ثانیہ اور ثالثہ میں شریک تھے۔ آپ نے تمام غزوات میں حصہ لیا۔ حضور ﷺ کے زمانہ مبارک ہی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو فلسطین میں دین کا معلم بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حمص کا قاضی مقرر کیا تھا۔ یہ بعد میں رملہ چلے گئے اور وہیں (یابیت المقدس) میں 34ھ میں وفات پائی۔ حضرت ﷺ نے آپ کو بیعت عقبہ میں انصار کا نقیب مقرر کیا تھا۔ تمام کتب صحاح میں ان سے مروی احادیث موجود ہیں۔

15۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ:

آپ مشہور صحابی اور نبی ﷺ کے پیارے چچا تھے۔ حضور ﷺ سے صرف دو یا تین سال بڑے تھے۔

دورِ جاہلیت میں بھی آپ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ خانہ کعبہ کی دیکھ بھال اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کا کام آپ کے سپرد تھا۔ بیعت عقبہ کے وقت آپ وہاں موجود تھے مگر اُس وقت تک ایمان

نہیں لائے تھے۔ غزوہ بدر کے موقع پر قریش ان کو زبردستی جنگ میں لے آگئے مگر آپ نے کسی مسلمان کو شہید نہ کیا بلکہ گرفتار ہو گئے۔ ان کو بھی بعض دوسرے قیدیوں کے ساتھ مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ مضبوط بندش کی وجہ سے ان کے ہاتھوں میں تکلیف ہوئی جس کی وجہ سے وہ رات بھر کراہتے رہے۔ ان کی اس حالت کو محسوس کر کے خود حضور ﷺ نے بھی وہ رات بے چینی میں گزاری۔ صبح کے وقت صحابہ نے ان کی بندش ڈھیلی کر دی تو حضور ﷺ نے باقی قیدیوں کی بندشیں بھی ڈھیلی کر دینے کا حکم دیا۔

یہ اسلام لانے سے پہلے بھی مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اور مکے کے مشرکین کی خبریں حضور ﷺ کو مدینے بھیجتے رہے۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے مدینے ہجرت کی۔ راستے میں نبی ﷺ نے مسکراتے ہوئے ان سے فرمایا ”میں تو خاتم النبیین (آخری نبی) تھا ہی، تم بھی خاتم المہاجرین (آخری مہاجر) نکلے۔“ غزوہ حنین کے موقع پر آپ حضور ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مدینے میں بارش نہ ہونے پر ان کے وسیلے سے دعا کرائی تھی جس کے بعد وہاں خوب بارش ہوئی۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو ”ساقی الحرمین“ کا خطاب دیا۔ آپ کے دس بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام فضل تھا۔ اس کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو الفضل تھی۔

آپ کی وفات 32ھ یا 33ھ یا 34ھ میں ہوئی۔ کتب صحاح میں آپ سے مروی احادیث موجود ہیں۔

16- عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:

آپ مجتہد، فقیہ اور صاحب علم صحابی تھے۔ نبی ﷺ نے آپ کو حبر الامت (امت کا عالم) اور بہترین ترجمان القرآن جیسے القاب سے نوازا۔ آپ حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔

ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ نبی ﷺ کی وفات کے وقت عمر صرف 13 برس تھی۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے اپنی والدہ کے ہمراہ اسلام لائے۔ پھر مدینے ہجرت کی۔ کم عمری کے باوجود آپ نے نبی ﷺ سے بہت کچھ سیکھ لیا۔ حضور ﷺ نے کئی موقعوں پر ان کے حق میں دعائیں کیں۔

ایک موقع پر حضور ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی:

”اللّٰهُمَّ افقِّهْهُ فِي الدِّينِ .“ (صحیح مسلم، رقم: 6368)

”اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما!“

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبار صحابہ کے ساتھ آپ کو بھی اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے۔ اس پر جب بعض اکابر صحابہ نے اعتراض کیا تو ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب سے سورہ النصر کا مرکزی مضمون پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس میں نبی ﷺ کو تسبیح اور استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہی سوال عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس سورت میں نبی ﷺ کی وفات کا اعلان ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہی بات درست ہے۔ پھر آپ نے اعتراض کرنے والے کبار صحابہ سے فرمایا کہ میں اس نوجوان کو اسی لیے مشوروں میں شریک کرتا ہوں کہ اس کا علم بہت وسیع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خلفائے راشدین کے دور میں کئی موقع پر جہاد میں شریک ہوئے۔ آپ نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔ خلافت علوی کے زمانے میں آپ کچھ عرصہ بصرے کے گورنر بھی رہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں طائف میں مقیم ہو گئے اور وہیں 68ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔ آخری عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔ آپ مکثرین صحابہ میں سے ہیں۔ آپ سے مروی احادیث کی تعداد 1660 ہے جن میں سے صحیحین میں 120 کے قریب حدیثیں موجود ہیں۔

17- عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:

مشہور صحابی ہیں۔ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں۔ بعثت نبوی سے ایک سال پہلے یا بعد پیدا ہوئے تھے۔ کم عمری ہی میں اسلام لائے اور اپنے والد کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے آئے۔ جنگ بدر اور جنگ احد میں اس لیے شریک نہ ہو سکے کہ ابھی کم عمر تھے۔ اس کے بعد تمام غزوات میں شرکت کی اور خلافت راشدہ کے زمانے میں بھی جہاد میں حصہ لیتے رہے۔

نبی ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو ”رجل صالح“ یعنی نیک مرد کا خطاب دیا تھا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کو دنیا نے اپنی طرف یا اس نے دنیا کو اپنی طرف مائل نہ کیا ہو سوائے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ حضور ﷺ کی روزمرہ زندگی کی جزئیات کا بھی اتباع کرتے تھے۔ جب حج کے سفر پر جاتے تو راستے میں وہاں اتر کر نماز

پڑھتے جہاں حضور ﷺ نے کبھی نماز پڑھی، وہیں وضو کرتے جہاں حضور ﷺ نے کبھی وضو فرمایا، وہیں اپنی سواری کو باندھتے جہاں حضور ﷺ نے کبھی اپنی سواری کو باندھا تھا۔ اسی درخت کے نیچے قیام کرتے جس درخت کے نیچے حضور ﷺ نے کبھی قیام فرمایا تھا۔ اس طرح آپ گویا سنن عادیہ کو بھی سنن شرعیہ سمجھ کر ان کی پیروی کرتے تھے۔ اور وہ اس خصوصیت میں دوسرے صحابہ سے ممتاز تھے۔

فتنوں کے دور میں وہ الگ تھلگ رہے اور جنگ جمل یا جنگ صفین وغیرہ میں شرکت نہیں کی۔ البتہ بعد میں ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے کا افسوس رہا۔

آپ کے بہت سے فضائل ہیں۔ محدثین کے نزدیک جو سند "سلسلۃ الذهب" (سنہری سلسلہ) کہلاتی ہے وہ مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ گویا اس سند کی حدیث نہایت ثقہ اور معتبر ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے بنو امیہ کے ظالم حکمران حجاج بن یوسف کو اس کی غلطی پر سرعام ٹوکا تھا جس پر ناراض ہو کر اس نے آپ کو دھوکے سے قتل کرا دیا تھا۔ آپ زخمی ہوئے تھے اور چند دن بعد 73ھ یا 74ھ میں فوت ہوئے تھے۔ آپ ان مکثرین صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ دوسرے نمبر پر ہیں۔ آپ کی مرویات کی تعداد 2630 ہے۔ صرف صحیحین میں آپ سے مروی 282 حدیثیں ہیں۔

18- عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:

یہ مشہور قریشی صحابی ہیں اور ان کے والد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔ انہوں نے اپنے والد کے اسلام لانے سے پہلے اسلام قبول کیا۔ یہ بہت عبادت گزار اور عالم دین تھے۔ ان کے پاس تمام صحابہ کرام سے زیادہ ذخیرہ احادیث جمع تھا کیونکہ حضور ﷺ کی اجازت سے یہ حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو احادیث کے سب سے بڑے راوی ہیں، اعتراف کیا کرتے تھے کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس ان سے زیادہ حدیثیں ہیں کیونکہ وہ حدیث کو لکھ لیا کرتے تھے۔ ان سے سات سو (700) احادیث مروی ہیں جن میں سے صحیحین میں پینتالیس (45) موجود ہیں اور سنن اربعہ میں سینکڑوں احادیث ہیں جو ان سے مروی ہیں۔

آپ کی وفات کے سال اور مقام کے بارے میں اختلاف ہے۔ "تقریب" میں ہے کہ آپ ذوالحجہ

63ھ میں طائف میں فوت ہوئے۔

19- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

آپ ابتدائی دور میں اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ آپ کی والدہ صحابیات مہاجرات میں سے تھیں۔ اُن کی کنیت اُمّ عبدتھی اور اسی نسبت سے آپ کی کنیت ابن اُمّ عبد ہو گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے قریش کے مجمع میں خانہ کعبہ کے پاس قرآن مجید پڑھا۔ وہاں جب آپ سورہ الرحمن پڑھ رہے تھے تو ایک شخص نے آپ کے گالوں پر اتنے تھپڑ مارے کہ وہ سرخ ہو گئے اور اُن پر نشانات پڑ گئے۔ مگر آپ مسلسل پڑھتے رہے اور پوری سورت پڑھ ڈالی۔ آپ نے دو ہجرتیں کیں۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینے کی طرف ہجرت کی۔ غزوہ بدر سمیت تمام غزوات میں شریک رہے۔ صحیحین میں ہے کہ ”نبی ﷺ کے ہاں آپ کا اتنا آنا جانا تھا کہ ناواقف لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاید یہ بھی اہل بیت میں سے ہیں۔“ آپ کو حضور ﷺ کے گھر بلا روک ٹوک آنے کی اجازت تھی۔ آپ حضور ﷺ کی بہت خدمت کرتے۔ اُن کی جوتیاں اُٹھاتے، مسواک اور عصا سنبھال کر اپنے پاس رکھتے۔ جب حضور ﷺ غسل فرماتے تو ان کے لیے پردے کا انتظام کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن کو صاحب السواک والعلین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

آپ کے فضائل میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔ ایک متفق علیہ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

”اِسْتَقْرَءُوا الْقُرْآنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ: مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، وَ سَالِمِ مَوْلٰى اَبِيْ حَذِيْفَةَ، وَ اَبِيْ بِنِ كَعْبٍ، وَ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ.“

”چار آدمیوں سے قرآن سیکھو، عبداللہ بن مسعود، سالم (حضرت حذیفہ کے آزاد کردہ غلام)، اُبی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے۔“

صحیح مسلم، رقم: 6334

صحیح بخاری، رقم: 3758

نبی ﷺ نے آپ کو جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ والوں کی فرمائش پر آپ کو وہاں روانہ کیا تو اُن لوگوں کو یہ پیغام بھی بھیجا کہ میں ایثار کر کے ان کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں کیونکہ مجھے خود ان کی ضرورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفے کے گھر گھر میں دین کی تعلیم کا چرچا کیا۔ بعد میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفے کو اپنا دار الخلافہ بنایا تو وہاں پہنچنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی دعوت و تبلیغ کی کوششوں

کو سراہا۔

آپ غزوہ بدر میں ابو جہل کے قتل میں شریک تھے، اور اُس کی تلوار آپ ہی کو مالِ غنیمت کے طور پر ملی تھی۔ آپ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی جہاد میں شرکت کرتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ میلہ کذاب کے قتل میں بھی آپ شریک تھے۔ آخری عمر میں کوفہ سے واپس مدینے آگئے تھے اور وہیں 32ھ یا 33ھ میں وفات پائی۔

آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد 848 ہے جن میں سے 120 حدیثیں صحیحین میں موجود ہیں۔
20۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ منتخب ہوئے۔
1۔ ابتدائی حالات:

آپ کا نام عثمان اور والد کا نام عفان تھا۔ آپ کو 'ذوالنورین' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔

آپ کا تعلق قریش کی مشہور شاخ بنو امیہ سے تھا۔ پانچویں پشت پر آپ کا سلسلہ نسب حضرت محمد ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔

آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ امانت و دیانت اور راست بازی کی وجہ سے آپ نے تجارت میں اتنی ترقی کر لی کہ آپ کا شمار قریش کے بڑے دولت مندوں میں ہوتا تھا۔ اسی لیے آپ کو غنی کہا جاتا تھا۔

آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ترغیب سے مسلمان ہوئے۔ اس کے بعد آپ کا نکاح نبی ﷺ کی دوسری صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا سے مکے میں ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ السابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا خاندان اس وقت اسلام کا سخت دشمن تھا۔ آپ کو اسلام لانے کے بعد اپنے قبیلے اور قریش کی طرف سے بہت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

جب نبی کریم ﷺ نے مظلوم صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ تاریخ اسلام میں یہ واحد میاں بیوی کا جوڑا تھا جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

آپ کی دوسری ہجرت وہ ہے جو آپ نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت سخی اور فیاض تھے۔ اللہ کی راہ میں بہت مال خرچ کرتے تھے۔ آپ کی دولت نے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ مدینے میں بئر رومہ کا بیٹھے پانی کا کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملکیت میں تھا۔ وہ مسلمانوں کو مہنگے داموں پانی فروخت کرتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہودی سے وہ کنواں بیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

غزوہ تبوک میں آپ نے دس ہزار دینار نقد کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور ستر 70 گھوڑے ساز و سامان سمیت لشکر کی تیاری کے لیے دیے تھے۔ اس لیے آپ کو جھڑ جیش العسرة کہا جاتا ہے۔ آپ نے سوائے غزوہ بدر کے تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد میں شرکت فرمائی۔ غزوہ بدر کے موقع پر چونکہ آپ کی زوجہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سخت بیمار تھیں (اور بعد میں اسی بیماری سے فوت ہو گئی تھیں) اس لیے آپ جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ غزوہ احد میں بھی آپ نے شرکت فرمائی تھی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر پہلے آپ کو مکے میں حضور ﷺ نے اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ قریش نے وہاں آپ کو روک لیا۔ افواہ پھیل گئی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے آپ کا قصاص لینے کے لیے سب صحابہ کرام سے جہاد پر بیعت لی۔ چودہ سو صحابہ نے اس موقع پر نبی ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی جو تاریخ اسلام میں 'بیعت رضوان' کہلاتی ہے کیونکہ اس میں شامل ہونے والے تمام صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دی کہ وہ ان سے راضی ہو گیا ہے۔ بیعت کے موقع پر نبی ﷺ نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بڑے شرف اور اعزاز کی بات تھی۔ قرآن مجید میں اس بیعت کا ذکر اس طرح آیا ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (الفتح: 48)

”(اے نبی ﷺ)! اللہ ایمان لانے والوں سے راضی ہو گیا جب وہ آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اللہ نے ان کے دلوں (کا خلوص) دیکھ کر ان پر سکینت اور تسلی اتاری اور انہیں انعام میں قریبی فتح عطا فرمائی۔“

2- آپ کا دورِ خلافت:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت گیارہ برس کا ہے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ چنے گئے۔

آپ کے زمانے میں بہت سی فتوحات ہوئیں جن میں ایشیائے کوچک، خراسان، طرابلس، طبرستان، کرمان اور بھجستان کے علاقے شامل ہیں۔

آپ کے زمانہِ خلافت کے آخری چند برسوں میں آپ کے خلاف بڑی شورشیں ہوئیں۔ مخالفین نے جھوٹا پروپیگنڈا کر کے لوگوں کی ایک تعداد کو آپ کے خلاف کر دیا۔ آپ پر چند جھوٹے الزامات عائد کیے گئے اور یہ سازش عبداللہ بن سبائے (جو اصل میں یہودی تھا) اس طرح پھیلائی کہ بلوایوں نے مدینے کا محاصرہ کر کے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو 35ھ میں شہید کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر 82 برس تھی۔ دو دن تک آپ کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ باغیوں کے خوف سے کسی کو ان کی تجہیز و تکفین کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مدینے میں قیامت برپا تھی اور وہاں عملی طور پر باغیوں کی حکومت تھی۔ چند باہمت لوگوں نے رات کے وقت آپ کی لاش اٹھائی اور جا کر جنت البقیع میں دفن کی۔ امیر المومنین کے جنازے میں کل سترہ 17 افراد شامل ہوئے تھے۔

3- آپ کی شہادت کے اثرات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تاریخ اسلام کا انتہائی غم انگیز واقعہ ہے۔ اس واقعے کے بعد امت مسلمہ کی وحدت اور شیرازی بندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ نے شہادت سے قبل باغیوں سے کہہ دیا تھا کہ یاد رکھو! اگر آج تم مجھے قتل کرو گے تو قیامت تک ایک ساتھ نہ نماز پڑھ سکو گے اور نہ مل کر جہاد کر سکو گے۔ آپ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ اس لیے کے بعد ملی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں، فتوحات کا سلسلہ رک گیا۔ اسلامی قوت کمزور ہو گئی۔

4- آپ کے فضائل:

آپ نرم مزاج اور نہایت باحیا انسان تھے۔ غنی اور سخی تھے۔ پرہیزگار اور عالم تھے۔ بہت صلہ رحمی کرتے تھے۔ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ آپ نے امت کو قرآن کی قریش والی قراءت پر جمع کیا۔ نماز جمعہ کے لیے دوسری اذان بھی شروع کی۔

آپ نے مسجد نبوی کی توسیع فرمائی۔ قحط کے زمانے میں لوگوں میں مفت غلہ تقسیم کیا۔ آپ پہلے دونوں خلفاء کے مشیر بھی رہے۔ آپ کا تب وحی بھی تھی۔

صحیح بخاری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ:

((تُوَفِّي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ ، فَسَمِي عَلِيًّا وَعُثْمَانَ))

[صحیح بخاری ، کتاب فضائل الصحابه ، حدیث: 3700]

”رسول اللہ ﷺ اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ وہ ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور

عثمان رضی اللہ عنہ.....) سے راضی تھے۔“

صحاح ستہ میں آپ کی بہت سی مرویات شامل ہیں۔ صحیحین میں آپ سے مروی احادیث کی تعداد

16 ہے۔

21۔ عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ:

یہ صحابی ہیں اور اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لائے تھے۔ یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو غزوہ تبوک کے موقع پر سواری نہ ہونے کی وجہ سے نبی ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے تھے جس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّاتُوا لِيَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أُحْمَلُهُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَ

أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ﴾ (التوبہ : 92)

”اور نہ ان لوگوں پر الزام ہے جو آپ ﷺ کے پاس آئے کہ ان کے لیے آپ ﷺ سواری

کا انتظام کر دیں۔ آپ ﷺ نے کہا ”میرے پاس تمہارے لیے کوئی سواری موجود نہیں“ تو وہ

اس حال میں واپس چلے گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس غم میں کہ انہیں میسر نہیں

جو وہ خرچ کر سکیں۔“

یہ 75ھ میں یا اس سے کچھ پہلے فوت ہوئے تھے۔ سنن اربعہ میں ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔

22۔ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ):

آپ کا نام علی اور کنیت ابوالحسن تھی۔ والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ والدین کی

طرف سے آپ ہاشمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔

ابھی دس سال کی عمر تھی کہ اسلام قبول کر لیا۔ آپ نبی کریم ﷺ کی تربیت اور کفالت میں رہے۔ جب نبی ﷺ نے مکے سے مدینے ہجرت فرمائی تو اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ بستر پر سونے کا حکم دیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینے کی طرف سفر کے لیے روانہ ہوئے۔ اس موقع پر نبی ﷺ کے بستر پر سونا اپنی موت کو دعوت دینا تھا لیکن شیر خدا نے اس حکم کی بخوشی تعمیل کی۔ تین دن تک مکے میں رہ کر امانتیں امانت داروں کو پہنچائیں اور پھر اکیلے مدینے کی طرف ہجرت کے لیے روانہ ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بدر کی جنگ میں قریش کا مشہور سردار آپ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ غزوہ احد میں بھی بہادری کے جوہر دکھائے اور غزوہ خندق کے موقع پر عرب کے مشہور مشرک پہلوان عمرو بن عبدود کو قتل کیا۔ آپ نے خیبر کے موقع پر قلعہ قموص کا بھاری دروازہ اکھاڑ پھینکا اور وہاں کے یہودی سردار مرحب کا خاتمہ کر کے قلعہ فتح کیا۔ اس بنا پر آپ کو خیبر شکن بھی کہا جاتا ہے۔ آپ بیعت رضوان میں بھی شامل تھے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی۔ فتح مکہ میں اور غزوہ حنین میں بھی شرکت کی۔ لیکن آخری غزوہ تبوک میں شامل نہ ہو سکے کیونکہ اس موقع پر نبی ﷺ نے آپ کو مدینے میں اپنا قائم مقام اور نائب مقرر کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس غزوے میں شرکت نہ کر سکنے پر غمگین ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا:

”تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی

اور نبی نہیں ہے“ [صحیح مسلم، کتاب الفضائل حدیث: 6217]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مدینے میں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ تنگ دست تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے الگ گھر کا بندوبست کیا۔ مہر کے لیے بھی مال نہ تھا۔ صرف ایک زرہ تھی اور ایک گھوڑا تھا۔ زرہ 480 درہم میں بیچی گئی۔ اسی سے مہر بھی ادا کیا گیا اور نبی ﷺ نے گھر کی ضروریات کے لیے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک چادر ایک مشکیزہ ایک چکی دو گھڑے اور چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی عنایت کیا۔ خود حضور ﷺ نے نکاح پڑھا اور خیر و برکت کی دعائے کر اپنی بیٹی کو رخصت کیا۔

رسول اللہ ﷺ کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بہت پسند تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقع پر فرمایا:
 ((لَا عَطِيَنَ الرَّأْيَةَ أَوْ لِيَاخُذَنَّ الرَّأْيَةَ رَجُلٌ يُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ يُفْتَحُ عَلَيْهِ
 فَتَنَحْنُ نَرْجُوهَا - فَقِيلَ: هَذَا عَلِيٌّ فَأَعْطَاهُ فُتِحَ عَلَيْهِ))

[صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث: 4209]

”کل میں ایسے شخص کو جھنڈا عطا کروں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ (دونوں) محبت کرتے ہیں (راوی کہتا ہے) ہمیں اس (کے ملنے) کی توقع تھی۔ پھر کہا گیا کہ یہ علی رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر نبی ﷺ نے ان کو جھنڈا عطا کیا اور انہی کے ہاتھوں میں فتح حاصل ہو گئی۔“
 صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی تفصیلی حدیث موجود ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقع پر فرمایا:

”کل میں ایسے شخص کو جھنڈا عطا کروں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح عطا کرے گا۔ وہ آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔“

راوی کہتے ہیں کہ ”وہ رات لوگوں نے بڑی بے چینی سے گزاری کہ دیکھیں کل صبح کس کو جھنڈا عطا ہوتا ہے۔ پھر صبح ہوئی تو لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں لوگ حاضر ہوئے۔ ہر ایک کو امید تھی کہ یہ جھنڈا اسے ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! ان کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے میرے پاس بھیجو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا تو آپ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ان کی آنکھوں میں لگا کر ان کے لیے دعا فرمائی تو ان کی آنکھیں تندرست ہو گئیں گویا کہ ان کو ان میں کبھی کوئی تکلیف نہ تھی۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی کچھ دیر ان کے میدان میں جا کر اترو۔ پھر ان کو اسلام کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر کیا حق ہے؟ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے ذریعے سے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دی تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔“

آپ ساری عمر نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہر خوشی اور غمی میں شریک رہے۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد تینوں خلفائے راشدین، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ ان کے مشیر رہے اور ان تینوں سے آپ کی رشتہ داری بھی تھی۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کر لیا۔ آپ کا زمانہ خلافت 35ھ سے 40ھ تک کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں فجر کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ابن ملجم خارجی نے آپ پر زہر آلود خنجر سے حملہ کیا اور کئی وار کیے جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے۔ تیسرے دن 20 رمضان المبارک 40ھ کو جام شہادت نوش فرمایا۔ نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کو کوفہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کی خلافت کی مدت 4 سال 9 ماہ تھی۔

3- آپ کے فضائل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اعلیٰ اوصاف کمالات کا مرقع تھے۔ آپ کی پرورش اور تربیت خود نبی ﷺ نے فرمائی تھی۔ آپ صاحب علم و فضل مجتہد صحابی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ آپ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ بہت بہادر اور شجاع تھے۔ سادگی پسند تھے۔ امانت اور دیانت والے تھے۔ عمدہ خطیب اور شاعر تھے۔ بہترین قاضی تھے۔ نرم مزاج اور رحم دل تھے۔ درویش طبع لیکن فیاض تھے اور عابد و زاہد تھے۔ صلح نامہ حدیبیہ آپ نے تحریر کیا تھا۔ یمن کے والی بھی رہے۔ نبی ﷺ کی رحلت پر آپ نے غسل اور تجہیز کا انتظام کیا تھا۔

امیر المومنین بننے کے بعد بہت سی اصلاحات کیں۔ ذمیوں سے اچھا سلوک کیا۔ عدل و انصاف قائم کیا اور دین کی اشاعت کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کے حوالے سے چند احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

1- ((لَا يُحِبُّ عَلِيًّا مُنَافِقٌ وَلَا يُبَغِضُهُ مُؤْمِنٌ))

[ترمذی، ابواب المناقب، حدیث ترجمۃ الباب]

”علی رضی اللہ عنہ سے منافق محبت نہیں کرتا اور مومن نفرت نہیں رکھتا۔“

2- ((أَنْتَ أَخِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ))

[ترمذی، ابواب المناقب، حدیث: 3720]

” (نبی ﷺ نے فرمایا: تم (علی رضی اللہ عنہ) دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔“

3- ((أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي))

[صحیح مسلم، کتاب فضائل صحابہ، حدیث 6217]

” (نبی ﷺ نے فرمایا: (اے علی رضی اللہ عنہ) تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو

موسیٰ علیہ السلام سے تھی لیکن بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔“

4- ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں لیٹے ہوئے تھے۔ جب نبی ﷺ نے ان کو دیکھا تو پیار

سے فرمایا:

((قُمْ أَبَا التَّرَابِ! قُمْ أَبَا التَّرَابِ))

”اے ابو تراب رضی اللہ عنہ اٹھیے۔ اے ابو تراب رضی اللہ عنہ اٹھیے“

اس طرح نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابو تراب رضی اللہ عنہ (مٹی کا باپ) کا لقب دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کل 586 حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے صحیحین میں 34 حدیثیں آپ کی

مرویات ہیں۔

23- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ سب سے پہلے آپ نے امیر المؤمنین کا لقب

اختیار کیا۔ آپ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ تھے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ مثلاً

ایران، مصر اور شام و فلسطین کے علاقے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کا مرتبہ بھی عطا فرمایا۔

1- ابتدائی حالات و واقعات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام عمر تھا، لقب فاروق اور کنیت ابو حفص تھی۔ والد کا نام خطاب بن نفیل تھا۔ آپ

قریش کی ایک شاخ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ آٹھویں پشت پر آپ کا سلسلہ نسب حضرت محمد ﷺ کے

نسب سے جا ملتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان دور جاہلیت میں سفارت اور مقدمات کے فیصلے میں ثالثی کا عہدہ رکھتا تھا۔

آپ حضرت محمد ﷺ سے تیرہ (13) برس چھوٹے تھے اور مکے میں پیدا ہوئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بچپن میں اونٹ چرایا کرتے تھے۔ جوان ہوئے تو لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا۔ آپ علم

الانساب شہسواری اور سپاہ گری جانتے تھے۔ خطابت اور پہلوانی بھی کرتے تھے۔ عکاظ کے میلے میں پہلوانوں کے مقابلے میں شرکت کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیشہ تجارت تھا۔ آپ نے عراق، مصر اور شام کے تجارتی سفر کیے تھے۔ آپ بڑے رعب اور دبدبے والے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو دوسرے کفار کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس کے مخالف تھے۔ جذباتی اور سخت گیر ہونے کی وجہ سے اپنے مسلمان غلام کو مارتے پھینتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ:

اے اللہ! ابو جہل یا عمر میں سے کسی ایک کو اسلام لانے کی توفیق دے۔ آخر یہ دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کام آگئی اور وہ اسلام لائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بہت عجیب ہے۔ ہوا یوں کہ جب آپ نے دین اسلام کی دعوت کو پھیلتا دیکھا تو ایک دن یہ ارادہ کر لیا کہ حضرت محمد ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا جائے تاکہ اس دعوت کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔ اسی ارادے سے وہ گھر سے تلوار لے کر نکلے۔ نبی کریم ﷺ اس وقت دارِ ارقم رضی اللہ عنہ میں تشریف فرما تھے اور ان کے ساتھ کئی اور صحابہ بھی وہاں موجود تھے۔ راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ملے جنہوں نے پوچھا: عمر کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیا: آج میں محمد ﷺ کو قتل کرنے کے لیے جا رہا ہوں تاکہ اس نئے دین کا خاتمہ ہو جائے۔ نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور تمہارا بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں حضرت خباب رضی اللہ عنہ دونوں میاں بیوی کو قرآن پڑھا رہے تھے اور دروازہ بند کر رکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھلوا دیا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ جلدی سے اندر چھپ گئے۔ پوچھا تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟ کیوں نیا دین اختیار کیا ہے؟ بہنوئی سے تلخ کلامی ہوئی تو ان کو زخمی کر دیا۔ بہن چھڑانے آئی تو اس کو بھی پیٹا مگر اس نے جواب دیا: عمر! جو چاہے کر لو۔

بہن کی استقامت اثر کر گئی۔ بولے: جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ کہا گیا پہلے غسل کرو پھر صحیفے کو ہاتھ میں لو اور پڑھو۔ جب قرآن پڑھا تو دل کی دنیا بدل گئی۔ کہنے لگے مجھے حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں لے چلو۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ ان کو لے کر نبی ﷺ کے پاس پہنچے جو اس وقت دارِ ارقم رضی اللہ عنہ میں موجود تھے۔

دروازے پر دستک دی تو صحابہ کرام کچھ گھبرائے کیونکہ حضرت عمر تلوار بکف تھے۔ لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا اسے آنے دو۔ اگر اچھی نیت سے آیا ہے تو ٹھیک ورنہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن اتار دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر بارعب انداز میں پوچھا: عمر کس ارادے سے آئے ہو عرض کیا اسلام لانے کے لیے۔ نبی ﷺ نے اللہ اکبر پکارا تو سب مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور مکے کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی طاقت اور اسلام کی دعوت کو بڑی تقویت ملی۔ اگرچہ ان سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے بہادر شخص مسلمان ہوں چکے تھے۔ لیکن ابھی تک مسلمانوں کو ہمت نہ تھی کہ خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھ سکیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو اب مسلمان کعبے میں بھی جا کر نماز پڑھنے لگ گئے۔ اسی حوالے سے ان کو فاروق کہا جاتا ہے۔

ہجرت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ غزوہ بدر، غزوہ احد، صلح حدیبیہ، فتح خیبر اور فتح مکہ اور حنین کے معرکوں میں شامل رہے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں آپ ان کے مشیروں میں شامل تھے اور کچھ عرصہ مدینے کے قاضی بھی رہے۔

2- آپ کی خلافت کے واقعات:

13ھ میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آن پہنچا تو انہوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا۔ لوگوں سے رائے لی تو سب نے آپ کے فیصلے کو منظور کیا اور آپ کی بیعت کی گئی۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ بنے۔ خلیفہ بنتے ہی آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔

آپ کے زمانے میں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ ایران، مصر، شام اور فلسطین کے علاقے فتح کیے گئے۔ آپ نے خلافت کا بہترین انتظام فرمایا۔ بیت المال قائم کیا۔ باقاعدہ فوج قائم کی۔ عدالتی نظام ترتیب دیا۔ زرعی اصلاحات کیں۔ ذمیوں سے اچھا سلوک کیا۔ رفاہ عامہ کے کام کیے۔ قرآن حدیث اور فقہ کی تعلیم کا بندوبست کیا۔

3- شہادت:

23ھ میں ایک پارسی غلام ابولولو فیروز نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس وقت قاتلانہ حملہ کر دیا جب آپ فجر

کی نماز کی امامت فرما رہے تھے۔ اس غلام نے ایک زہر آلود خنجر سے آپ کو چھ زخم لگائے۔ آپ نے زخمی حالت میں نماز مکمل کی اور پھر اس حادثے کے تین روز بعد شہید ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ (63) برس تھی۔ آپ کو روضہ نبی ﷺ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آخری وقت جانشینی کے لیے آپ نے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی نامزد کی اور لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لیں۔ لوگوں نے کثرت رائے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نیا خلیفہ منتخب کر لیا۔

4- سیرت و کردار:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اعلیٰ سیرت و کردار کے مالک تھے۔ بڑے بہادر اور بارعب تھے۔ وہ ایک مثالی حکمران تھے۔ بہترین منتظم تھے۔ وہ اللہ سے ڈرنے والے پرہیزگار انسان تھے۔ نبی ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ سادگی پسند تھے۔ رعایا کی خبر گیری کرتے تھے۔ حق کے لیے وہ ننگی تلوار تھے۔ حدود اللہ کو سختی سے سب پر نافذ کرتے تھے۔

ترمذی میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کل 539 حدیثیں مروی ہیں جن میں سے 34 حدیثیں صحیحین میں موجود

ہیں۔

24- معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما:

آپ مشہور صحابی اور امیر المؤمنین ہیں۔ بعثت نبوی سے چند برس پہلے پیدا ہوئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ کچھ عرصہ نبی ﷺ کے خطوط لکھنے والے اور کاتب وحی رہے۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں جہاد میں حصہ لیتے رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو شام کے علاقے کا گورنر بنا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی آپ شام کے گورنر تھے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کا حکم جاری کیا جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ماننے سے انکار کر دیا اور خون عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف فوج کشی کی۔ دونوں کے درمیان جنگ صفین کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ اس کشمکش میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے غلطی ہوئی جسے عام طور پر ’اجتہادی خطا‘ سمجھا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا گیا تو انہوں نے مسلمانوں کی باہم لڑائی سے بچنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی جس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے خلیفہ بن گئے۔ آپ نے 60 سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ سے مروی احادیث کی تعداد 120 ہے جن میں سے صحیحین میں 13 حدیثیں موجود ہیں۔

25۔ مقدم بن معدی کرب الکندی رضی اللہ عنہ:

حضرت مقدم بن معدی کرب الکندی طویل عمر پانے والے صحابی ہیں۔ آپ کی کنیت اپنے بیٹے کی نسبت سے ابو یحییٰ تھی۔ آخری عمر میں ملک شام کے شہر حمص میں سکونت اختیار کی تھی جہاں اموی حکمران عبدالملک بن مروان کے زمانہ حکومت میں وفات پائی۔

ابن سعد رضی اللہ عنہ نے 'الطبقات الکبریٰ' میں آپ کی عمر 91 برس اور سال وفات 87ھ لکھا ہے لیکن امام مزی نے 'تہذیب الکمال' میں اور ابن حجر عسقلانی نے 'تہذیب التہذیب' میں ان کی وفات کے تین مختلف سال لکھے ہیں کہ آپ کا سال وفات 83ھ یا 86ھ یا 87ھ تھا۔

صحیح مسلم کے سوا باقی تمام کتب صحاح میں آپ سے مروی احادیث موجود ہیں جن کو آپ نے براہ راست نبی ﷺ سے، یا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے، یا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے یا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ذریعے روایت کیا ہے۔



اشاریہ احادیث مشکوٰۃ الحدیث
(حروف تہجی کے لحاظ سے)

(۱)

اِيَةُ الْاِيْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ
 اَتَى اَعْرَابِي النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: دَلَّنِي
 اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ
 اَحَبُّ الْعَمَلِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ
 اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُكُمْ اِسْلَامَهُ
 اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ
 اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا جَ النَّاسُ
 اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ
 اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا
 اِطَّلَعَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْنَا
 اَعَدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِيْنَ
 اِقْرَأْ عَلَيَّ . قُلْتُ: اَقْرَأْ عَلَيْكَ
 اِلَّا اَحَدٌ تُكْمُ حَدِيثًا عَنِ الدَّجَالِ
 اِلَّا اِنِّيْ اُوتِيْتُ الْقُرْآنَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ
 الْاِيْمَانُ بِضَعٍّ وَ سَبْعُونَ شُعْبَةً
 الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ
 الدِّينُ النَّصِيْحَةُ
 الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ
 الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ
 النَّاسُ مَعَادِنُ
 اَمَّا بَعْدُ، فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ
 اَمَرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى
 اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ
 اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ
 اِنْ اَحَدُكُمْ اِذَا مَاتَ، عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ
 اِنْ اَدْنَى مَقْعَدِ اَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ
 اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِيْ مَا وَسَّوَسَتْ
 اِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى كَتَبَ كِتَابًا
 اِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَقُوْلُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ
 اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِرَاعًا
 اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلَى صُوْرِكُمْ
 اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا
 اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اَيْنَ
 الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِيْ
 اِنَّ اَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
 اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهِ
 اِنَّ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَاذَنَ

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجْرَةً يَسِيرُ الرَّابِعُ

إِنَّكُمْ سَتَرُونَ رَبِّكُمْ عِيَانًا

إِنَّ لِلَّهِ تَعَالَى تِسْعَةٌ وَتِسْعِينَ اسْمًا

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

إِنَّمَا مِثْلِي وَمِثْلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ

إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ

إِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحْرَ أَهْلِ النَّارِ

أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا أَبُو طَالِبٍ

أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِي لَيْلَةٍ ثُلُثَ

الْقُرْآنِ

(ب)

بَايَعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ

بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا

بُعِثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَارْبَعِينَ سَنَةً

بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً

بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ

بَيْنَ نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ

بَيْنَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عَرِيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ

(ت)

تَجِدُونَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ

(ث)

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ

الْإِيمَانِ

(ج)

جَاءَ ثَلَاثَةٌ رَهْطٍ إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ

(ح)

حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

حَوْضِي مَسِيرَةَ شَهْرٍ

(خ)

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

(ز)

ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ

ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ

(ش)

شَكَّوْنَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ

(ص)

صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ

(ف)

فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتِّ

(ق)

لَنْ يُنَجِّيَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ عَمَلَهُ
لَوْ لَا الْهَجْرَةُ

قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَيُّ الذَّنْبِ
أَكْبَرُ؟

(م)

مَا مِنْ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِيٍّ
مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ
مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

قَدِمَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُؤَبِّرُونَ
النَّخْلَ

قُلْ أَمِنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ

(ك)

مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ
مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى
مَثَلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا
مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ قَصْرِ

كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُذَكِّرُ النَّاسَ
كُلُّ أُمَّتِي مُعَافَا إِلَّا الْمُجَاهِرُونَ
كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا

(ل)

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا
مَنْ دَعَا إِلَى الْهُدَى
مَنْ صَلَّى صَلَاتِنَا
مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ
مَنْ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ
مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا
مَوْضِعُ سَوِطٍ فِي الْجَنَّةِ

لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى
لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ
لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ
لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ
لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ

(ن)

نَارُكُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءًا
نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
نَعَمْ، عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ
لَا يُلْدَعُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرِ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ
لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ
لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ
لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ

نَضَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي

(و)

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ، لَا يَسْمَعُ بِي

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ تَعْلَمُونَ

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لِيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزَلَ

(ی)

يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً

يُؤْتَى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا

يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ

يَدُ اللَّهِ مَلَأَى

يَقْبِضُ اللَّهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

يُؤْذِنِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ

فرہنگ الفاظ

جن اسموں کے شروع میں اَل (لام تعریف) آیا ہو اُن کو اُن کے بعد والے حروف تہجی میں تلاش کریں جیسے الرَّاکِبُ کو (ر) میں۔

(الف)

متقی / پرہیزگار

اَتَاهُ (ءت ی) اُس نے اُسے دیا

اَتَيْتُ (ءت ی) میں آیا

اَثَامٌ (ءث م) گناہ (اِثْمٌ واحد)

اَجَادِبُ (ج د ب) سخت بنجر اور چٹیل زمین

اِخِذْ (ءخ ز) پکڑنے والا

(جَدْبَةٌ واحد)

اِخْرُ (ءخ ر) دوسرا

اِجْتَاهُمُ (ج و ح) اُس نے اُن کو تباہ و برباد کر دیا

اِخْرَيْنِ (ءخ ر) دوسرے لوگ

اِجْتَمَعَا (ج م ع) وہ دونوں ہوئے

اِخْرُونَ (ءخ ر) آخری لوگ

اِجْتَنِبُوا (ج ن ب) تم اجتناب کرو / بچو

اِنِيَّةٌ (ءن ی) برتن (اِنَاءٌ واحد)

اُجُورٌ (ءج ر) اجر۔ ثواب (اَجْرٌ واحد)

اُبَشِّرُ (ب ش ر) میں بشارت / خوشخبری دیتا ہوں

اَحَبُّ (ح ب ب) زیادہ پیارا / محبوب

اِبِلٌ (ءب ل) اونٹ

اَحَبُّ (ح ب ب) اُس نے محبت کی / پسند کیا

اَبْيَضُ (ب ی ض) سفید

اَحَدْتُ (ح د ث) اُس نے پیدا کیا

اَتَاكُمُ (ءت ی) وہ تمہارے پاس آیا

اَحَدِثْكُمْ (ح د ث) میں تمہیں بات بتاؤں

اِتَّبَعِ (ت ب ع) اُس نے پیروی کی

اَحْزَابٌ (ح ز ب) گروہ (حِزْبٌ واحد)

اَتَخَوَّلْكُمْ (ءخ و ل) میں تمہیں وقفے سے دیتا

اَحْسَنَ (ح س ن) اُس نے اچھا بنایا

ہوں / ناغہ دیتا ہوں

اُحْسِنَ (ح س ن) وہ اچھا بنایا گیا

اَتُرْجِحُ (ت ر ج) نارنگی۔ چکوترا۔ گرے فروٹ

اَحْصَاهَا (ح ص ی) اُس نے اُسے شمار / یاد کیا

اَتَزَوَّجُ (ز و ج) میں نکاح کرتا ہوں

اُحِلُّ (ح ل ل) میں نازل کرتا / اُتارتا ہوں

اَتَّقَاكُمْ (وق ی) تم میں سے سب سے زیادہ

اُحِلَّتْ (ح ل ل) وہ حلال کی گئی

أَرْجُوا (رج و) میں امید رکھتا ہوں	أَحْلُوهُ (حل ل) تم اُسے حلال سمجھو
أُرْسِلْتُ بِهِ (رس ل) جو (پیغام) مجھے دے کر بھیجا گیا	أَحْمَدُهُ (ح م ذ) میں اُس کی حمد و ثنا کروں گا
أَرْفَعُ (رف ع) تو اوپر اٹھا/ بلند کر	أَحْيِي (ح ی ی) تو مجھے زندہ رکھ
أَرْقُدُ (رق د) میں سوتا ہوں	أَخَافُ (خ وف) میں ڈرتا ہوں
أَرِيكْتِه (ء ر ك) اُس کا تکیہ/ منہ	أُخْبِرُ (خ ب ر) اُسے خبر دی گئی
أَزْرَعُ (زرع) میں کاشت کاری کروں گا	أُخْبِرُوا (خ ب ر) اُن کو خبر دی گئی
أَزِيدُ (زی د) میں زیادہ کروں گا	أُخْبِرْنِي (خ ب ر) تو مجھے خبر دے/ بتا
إِسْتَأْذِنَ (ء ذ ن) اُس نے اجازت مانگی	أَخْرَجُ (خ رج) تو نکال
إِسْتَأْذِنُ (ء ذ ن) میں اجازت مانگوں گا	أُخْرِجَنَّ (خ رج) میں ضرور نکالوں گا
إِسْتِحْصَادُهُ (ح ص د) اُس (فصل) کا کاٹنا	أُخْرِجُوهُ (خ رج) تم نکالو اُسے
إِسْتَطَعْتُ (ط و ع) تو طاقت رکھے	أُخْرَى (ء خ ر) دوسری
إِسْتَطَعْتُمْ (ط و ع) تم طاقت رکھو	أُخْفَاهَا (خ ف ی) اُس نے اُسے چھپایا
إِسْتَقْبَلَ (ق ب ل) وہ قبلہ رو ہوا	إِخْوَةٌ (ء خ و) بھائی (آخ واحد)
إِسْتَقِمُّ (ق و م) تو قائم/ سیدھا رہ	أُخْفِي (خ ف ی) زیادہ مخفی/ پوشیدہ
أُسْتُكْرِهُوَ عَلَيْهِ (ك ره) وہ اس پر مجبور کیے گئے	أَذَاهَا (ء د ی) اُس نے (امانت) آگے پہنچادی۔
إِسْتَوَاءُهُ (س و ی) اُس کا برابر/ پورا ہونا	أَسْأَلُ (س و ل) اُس سے آگے بیان کر دیا
إِسْتَوْقَدَ (وق د) اُس نے (آگ) جلائی	أَذْرَكَ (در ك) اُس نے پایا
أَسْخَطُ (س خ ط) میں غصہ کروں گا	أَذْلَجُوا (دل ج) وہ شروع رات میں چلے
أَسْمَعُهُ (س م ع) میں اُس کو سنوں	أَذْنَاهَا (ذن ی) اُس کا سب سے کمتر درجہ
أَسْنَدَ (س ن د) اُس نے ٹیک لگائی/ ساتھ ملایا	أَذْوَمَهَا (دوم) جس کو دائمی/ ہمیشہ کیا جائے
	أَرْبَعِينَ (رب ع) چالیس (40)

أَشْرَاطُ (ش ر ط) نشانیاں (ش ر ط) واحد)	أَعْطَيْتَنَا (ع ط و) تو نے ہمیں عطا کیا
إِشْفَعُ (ش ف ع) تو سفارش / شفاعت کر	أَعُوذُ (ع و د) میں دوبارہ واپس آؤں گا
أَصَابَ (ص و ب) اُس نے کیا۔ اُسے پہنچا	أَعْوَرَ (ع و ر) کانا
أَصَابَهُ (ص و ب) وہ اُسے پہنچے	إِعْدُوا (ع د و) تم سویرے نکلو
أَصْبَحُوا (ص ب ح)	أَغْنَى (ع ن ی) زیادہ غنی / بے نیاز
أَصْحَابُ زَرْعٍ کھیتی والے / کاشت کار	أَغْنَيْتُكَ (ع ن ی) میں نے تجھے غنی کیا
أَصَلَّى (ص ل و) میں نماز پڑھتا ہوں	أَفْطِرُ (ف ط ر) تو روزہ کھول / چھوڑ
إِصْنَعُ (ص ن ع) تو بنا / کر	أَفْطِرُ (ف ط ر) میں روزہ کھولتا / چھوڑتا ہوں
أَصُومُ (ص و م) میں روزہ رکھتا ہوں	أَفْقَهُ (ف ق ہ) زیادہ سمجھ دار
أَضَاءَتْ (ض و ء) اُس (مونث) نے روشن کیا	أَقَاتِلُ (ق ت ل) میں لڑتا ہوں / لڑوں
إِضَاءَةٌ (ض و ء) روشن کرنا	إِقَامَ (ق و م) قائم کرنا
أَضَلُّوا (ض ل ل) انہوں نے گمراہ کیا	أَقْبَلَ (ق ب ل) وہ آگے بڑھا
أَطْرَتْ (ط ر و - ط ر ی) اُس نے حد سے بڑھایا /	إِقْرَأْ عَلَيَّ (ق ر ء) تو پڑھ کر سنا مجھ کو
مبالغہ کیا	إِقْرَأُوا (ق ر ء) تم پڑھ لو
إِطَّلَعَ (ط ل ع) وہ ظاہر ہوا / آیا	أَقْلَبُ (ق ل ب) میں پھیرتا ہوں
أَطِيبُ (ط ی ب) زیادہ پاکیزہ / اچھی	أَكْرَهُ (ك ر ه) میں ناپسند کرتا ہوں
أَطِيقُ (ط و ق) میں طاقت رکھتا ہوں	أَكْلُ (ء ك ل) کھانا
أُظْلِمُ (ظ ل ل) میں اُن کو سایہ دوں گا	أَكُنُّ (ك و ن) میں ہوں
أَعَاذُكَ (ع و ظ) وہ پناہ دے تجھ (عورت) کو	أَكُونُ (ك و ن) میں ہو جاؤں
أَعْتَزِلُ (ع ز ل) میں الگ / جدار ہوں گا	الآن اب۔ اسی وقت
أَعْطَى (ع ط و) میں عطا کرتا ہوں	الْتَفْتُ (ل ف ت) میں نے التفات کیا / توجہ کی
أَعْطَيْتُ (ع ط و) مجھے عطا کیا گیا	الْفَيْنَكُمُ (ل ف ی) میں ضرور پاؤں تمہیں

اَلْوَةُ خوشبودار عود	اِنْقَطَعَ (ق ط ع) وہ منقطع/ختم ہو گیا
اَمَّا ارے	اُوْتِيْتُ (ء ت ی) مجھے دیا گیا
اَمَّا بَعْدُ اس کے بعد	اُوْتِينَا (ء ت ی) ہم کو دیا گیا
اَمَارَاتِهَا (ء م ر) اُس کی نشانیاں	اَوْعَى (و ع ی) زیادہ محفوظ/یاد رکھنے والا
اِمَاطَةٌ (م ی ط) ہٹانا	اَوْصِنَا (و ص ی) تو ہمیں وصیت/تاکید کر
اَمَةٌ لونڈی۔ کنیر	اَوْصِيْكُمْ (و ص ی) میں تمہیں تاکید کرتا ہوں
اُمْتَحِشُوا وہ جل چکے ہوں گے	اَوَّلَى (ء و ل) زیادہ قریبی
اُمْسَكْتُ (م س ک) اُس نے روکا	اَوَّلَى (ء و ل) پہلی۔ دنیا
اُمَشَاطٌ (م ش ط) کنگھیاں (مُشَطٌ واحد)	اَهْلُ الْبَادِيَةِ (ب د و) دیہاتی/صحرائی لوگ
اُمِلَّكُمْ (م ل ل) میں تمہیں بور کروں/اکتاہٹ	اَهْلَكَهُمْ (ھ ل ک) اُس نے ان کو ہلاک کر دیا
میں بتلا کروں	اَهْلِيُّ (ء ھ ل) پالتو
اَنْبَتْتُ (ن ب ت) اُس (مونث) نے اُگایا	اَهْوَنُ (ه و ن) زیادہ آسان/ہلکا
اَنْتَزَاعًا (ن ز ع) چھین لینا	اُءْتَمِنَ (ء م ن) اُسے امانت دی گئی
اَنْصَبْتُ (ن ص ت) تو خاموش رہ	اِئْذَنْ لِّيْ (ء ذ ن) اجازت دے مجھے
اِنْطَلَقَ (ط ل ق) وہ چلا گیا	اِئْمَةٌ (ء م م) امام۔ حکمران (اِمَامٌ واحد)
اِنْطَلِقُ (ط ل ق) میں چلوں گا	اَيُّ كُون
اِنْطَلِقُ (ط ل ق) تو چل	اَيَّاكُمْ تم بچ جاؤ/صرف تم
اِنْطَلِقُوا (ط ل ق) وہ چل پڑے	اَيْتَاءٍ (ء ت ی) دینا
اَنْعَمُ (ن ع م) زیادہ نعمتوں والا	(ب)
اَنْفَقَ (ن ف ق) اُس نے خرچ کیا	بَاتَ (ب ی ت) اُس نے رات گزاری
اَنْقَذَهُ (ن ق ذ) اُس نے اُسے پھینک دیا	بَادَرَ (ب د ر) وہ آگے بڑھا۔ اُس نے جلدی کی
اَنْقَصُ (ن ق ص) میں کم کروں گا	الْبَارِحَةُ گذشتہ کل

بَاعَلَّمَ (ع ل م) زیادہ علم والا

بَاعَا (ب و ع) بازو

بَايَعْتُ (ب ی ع) میں نے بیعت کی

بَايَعْنَا (ب ی ع) ہم نے بیعت کی

بَايَعُونِي (ب ی ع) تم میری بیعت کرو

بَدَتْ (ب د ع) وہ ظاہر ہوئی

الْبَدْرُ چودھویں کا چاند

بَدَاءَ (ب د ع) وہ شروع ہوا

بَدَرَ اُس نے بیچ ڈالا

بُرْدَةٌ (ب ر د) چادر

الْبُرَّةُ (ب ر ر) فرماں بردار (بُرٌّ واحد)

بَرِيءٌ (ب ر ع) بے زار۔ بری الذمہ

بِضْعٌ کچھ۔ چند

بُعِثْتُ (ب ع ث) مجھے بھیجا گیا

بِعَثْنِي (ب ع ث) اُس نے مجھے بھیجا

بُكْرَةٌ (ب ک ر) صبح۔ صبح کا وقت

بَلَّغَ (ب ل غ) اُس نے تبلیغ کی / پہنچایا

بَلَّغُوا (ب ل غ) تم تبلیغ کرو / پہنچاؤ

بَلِيغَةٌ (ب ل غ) موثر۔ اثر انگیز

بُنِي (ب ن ی) بنیاد رکھی گئی

الْبُنْيَانُ (ب ن ی) عمارت

بَهِيمَةٌ (ب ہ م) جانور

بُؤْسًا (ب ء س) تنگ دستی۔ بد حالی

بَيَاضٍ (ب ی ض) سفید۔ سفیدی

بَيَاضِ الثِّيَابِ سفید کپڑوں والا

بَيِّدَ اس کے باوجود / برعکس

بَيْنًا جب۔ جس وقت

(ت)

تَأْتُمًا (ء ث م) گناہ سے بچنے کے لیے

تَأَخَّرَ (ء خ ر) اُس نے دیر کی۔ وہ پیچھے رہا

تَبَاغَضَ (ب غ ض) ایک دوسرے سے بغض رکھنا

تُبَشِّرُ (ب ش ر) تو خوشخبری دے

تَبِعُ پیچھے چلنے والے۔ پیروکار

تَبِعْتُمُوهُمْ (ت ب ع) تم نے اُن کی پیروی کی

تَبِعَهُ اُس نے اُس کی پیروی کی

تَبَلَّغُوا (ب ل غ) تم پہنچو

تَتَكَلَّمُ (ک ل م) تو کلام / بات کر

تَجَاوَزَ عَنْ (ج و ز) اُس نے درگزر فرمائی

تَجِدُونَ (و ج د) تم پاتے ہو

تَحَابًا (ح ب ب) دونوں نے باہم محبت کی

تَحَجَّجَ (ح ج ج) توجج کرے

تُحْسِنُونَ (ح س س) تم محسوس کرتے / جانتے ہو

تَحْضُرُنِي (ح ض ر) وہ حاضر / معلوم ہوتا مجھے

تُخْفِرُونَ (خ ف ر) تم توڑو

تَصَدَّقَ (ص دق) اُس نے صدقہ کیا	تَدْرِی (دری) تو جانتا ہے۔ وہ جانتی ہے
تَصْنَعُونَ (ص ن ع) تم بناتے ہو	تَدْعُو (د ع و) تو پکارتا ہے۔ وہ پکارتی ہے
تَصُومُ (ص و م) تو روزہ رکھے	تَذْرِفَانِ (ذرف) دونوں سے آنسو جاری ہوئے
تَضَامُونَ (ض م م) تم زحمت محسوس کرتے ہو	تَذْكُرُونَ (ذک ر) تم ذکر/ یاد کرتے ہو
تَضْحَكُ (ض ح ک) تو ہنستا ہے	تَرَاهُ (رء ی) تو اُسے دیکھتا ہے
تَطْرُونِي (ط ر ی۔ ط ر و) مجھے حد سے نہ بڑھاؤ۔	تَرَكَتُكُمْ (ت ر ک) میں نے تمہیں چھوڑا
میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو	تَرَكَتُهُ (ت ر ک) میں نے اُسے چھوڑ دیا
تَعَاهِدُوا (ع ہ د) تم خاص خیال رکھو	تَرَكَوْهُ (ت ر ک) اُنھوں نے اُسے چھوڑ دیا
تَطْرُدُ (ط ر د) وہ دھکیلیے گی	تَرَوْا (رء ی) اُنھوں نے دیکھا
تَعْدِلُ (ع د ل) وہ برابر ہوتی ہے	تَرَوْنَ (رء ی) تم دیکھتے ہو
تَعْصُوا (ع ص ی) تم نافرمانی کرو	تَرَى (رء ی) تو دیکھتا ہے
تَعَطَّرُ (ع ط ر) خوشبو لگانا	تُرَانِي (ز ن ی) تو زنا کرے
تُعْطَاهُ (ع ط ی) تجھے وہ دیا جائے گا	تَسْتَحِ (ح ی ی) تو حیا کرے
تَظْهَرُ (ظ ہ ر) وہ ظاہر ہوگا/ ہوں گے	تَسْتَعْجِلُونَ (ع ج ل) تم جلدی کرتے ہو
تَعَلَّمَ (ع ل م) اُس نے سیکھا	تَسْخَرُ (س خ ر) تو مذاق کرتا ہے
تَعَوَّذَ (ع و ذ) اُس نے پناہ مانگی	تِسْعَةٌ نو (9)
تَغْلِبُوا (غ ل ب) تم مغلوب/ کمزور نہ ہو	تِسْعِينَ نوے (90)
تَفْتَرُونَهُ (ف ر ی) تم اُسے گھیر لیتے ہو	تُسْمَعُ (س م ع) تو سنا جائے گا
تَفَرَّقَا (ف ر ق) وہ دونوں الگ ہوئے	تَسُوْقُ (س و ق) وہ ہانکے گی۔ وہ چلائے گی
تَفْصِيًّا (ف ص ی) بھاگ نکلا۔ بھول جانا	تُشْرِكُ (ش ر ک) تو شریک بنا
تَقَالُّوْهَا (ق ل ل) اُنھوں نے اُسے کم سمجھا	تُشْفَعُ (ش ف ع) تیری سفارش قبول ہوگی
تَقَحُّمُونَ (ق ح م) تم گرتے/ کودتے ہو	تَشْهَدُ (ش ہ د) تو گواہی دے

تَقَدَّمَ (ق دم) وہ پہلے ہو گیا

تَوَتَّى (ء تی) تو دیتا ہے

تَقْصُّ (ق ص ص) تو قصہ / وعظ بیان کرتا ہے

تُوَدِّی (ء دی) تو ادا کرے

تَقَعُ (وق ع) تو گرتا ہے۔ وہ گرتی ہے

(ث)

تَقُومُ (ق وم) تو قیام اللیل / عبادت کرتا ہے

ثَلَاثَ عَشَرَ تیره (13)

تُكْتَبُ (ک ت ب) وہ لکھی جاتی ہے

ثَلَاثَ وَسِتِّينَ تریسٹھ (63)

تَكُنُّ (ک ون) تو ہوتا۔ تو کر سکتا

ثُلُثٌ ایک تہائی۔ تیسرا حصہ

تَلِدُ (ول د) وہ جنے گی / جنم دے گی

ثِنْتَانِ دو (مونث) چیزیں

تُلْقَى (ل ق ی) وہ پھینکے / ڈالے گی

ثِيَابٌ (ث وب) کپڑے (ثوبٌ واحد)

تُمْسِكُ (م س ک) وہ روکتی ہے۔ تو روکتا ہے

(ج)

تَمَسَّكُوا (م س ک) تم تھام رکھو

جَارِكٌ تیرا ہمسایہ / پڑوسی

الْتَمْرَةَ (ت م ر) کھجور کا پھل۔ کھجور

جَارِيَةٌ (ج ری) جاری۔ لگاتار

تَمْشُوا (م ش ی) تم چلو

جِبَالٌ (ج ب ل) پہاڑ (جَبَلٌ پہاڑ)

تُمَلِّ (م ل ل) تو اکتادے گا / بور کرے گا

جُحْرٌ سوراخ۔ بل

تَمَنَّ (م ن ی) تو تمنا کر

جَدْعَاءِ (ج د ع) کان کٹا / ناک کٹا جانور

تَمَنَيْتَ (م ن ی) تو نے تمنا کی

جَرَادٌ (ج ر د) ٹڈی۔ ٹڈیاں۔ ٹڈی / دل

تَنْبِتُ (ن ب ت) تو اگاتا ہے۔ وہ اگاتی ہے

الْجَزِيَّةُ (ج ز ی) جزیہ۔ ذمی پر ایک ٹیکس

تَنْبِتُ (ن ب ت) تو اگاتا ہے۔ وہ اگاتی ہے

جُعِلْتُ (ج ع ل) بنا دی گئی

تَنْتَجُ (ن ت ج) وہ پیدا ہوتا ہے

جَلَالِيٌّ میرا جلال۔ میری عظمت

تَنْفِقُ (ن ف ق) تو خرچ کرتا / وہ خرچ کرتی ہے

جُلُوسٌ بیٹھنے والے (جَالِسٌ واحد)

تَوَاضَعُوا (وض ع) تم تواضع اختیار کرو

جَمْعَاءُ (ج م ع) اکٹھا۔ اکٹھی۔ جمع کر کے

تَوَفَّيْنِي (وف ی) تو مجھے وفات دے

جَوَامِعَ (ج م ع) جامع باتیں (جَامِعَةٌ واحد)

التَّوَلَّى (ول ی) پیٹھ پھیرنا

جَوَامِعَ الْكَلِمِ مختصر مگر جامع کلمات / باتیں

جُهَّالًا جاہل لوگ (جاہل واحد)

جِئْتُ بِهِ (ج ی ء) میں اُسے لایا

الْجَيْشُ لشکر۔ گروہ

(ح)

حَامِلٍ فِقْهِ سَمِجْهِ وَالَا

حَبَّةٍ (ح ب ب) دانہ

حَبْوًا (ح ب و) سرین کے بل گھسٹ کر چلنا

حُجِبْتُ (ح ج ب) وہ ڈھانپ دی گئی

حُجَزِ كُمْ تمہاری کمر سے (پکڑ کر بچانا ہوں)

حَدَّثَ (ح د ث) اُس نے بات بتائی / بیان کی

حَدَّثُوا (ح د ث) تم حدیث بیان کرو

الْحَدِيدُ (ح د د) لوہا

حَرْمُوهُ (ح ر م) تم اسے حرام سمجھو

حَرَّهَا (ح ر ر) گرمی اُس کی

حَسَبٍ حسب و نسب۔ خاندان

حَسْبُكَ تو بس کر۔ تیرے لیے کافی ہے

الْحُفَاةُ (ح ف ی) ننگے پاؤں چلنے والے

حُفَّتِ (ح ف ف) گھری ہوئی

حُفِرَ كُرْهُ (حُفْرَةٌ واحد)

حُفْرَةٌ (ح ف ر) گڑھا

حَكْمًا فیصلہ کرنے والا

حَلَاوَةٌ (ح ل و) مٹھاس۔ شیرینی

حُلُوٌّ میٹھا۔ میٹھی

حَلِيلَةٌ (ح ل ل) بیوی

حِمَارٌ گدھا

حُمَمًا (ح م م) راکھ۔ کونلہ

حَمِيلِ السَّيْلِ (ح م ل) سیلاب کا کوڑا کرکٹ

حَنْظَلَةٌ حَنْظَلٌ۔ تمہ۔ ایک کڑوا پھل

حَوَارِيًّا (ح و ر) حواری۔ مخلص مددگار

حَوْلَهُ اُس کا ارد گرد

حَيِّيٌّ (ح ی ی) حیا دار

(خ)

خَاصِمٌ (خ ص م) اُس نے جھگڑا کیا

خَالِيًّا (خ ل و) خلوت / تنہائی میں بیٹھنے والا

خَانَ (خ و ن) اُس نے خیانت کی

خَتِيمٌ اختتام ہو گیا

خَذُوهُ (ء خ ذ) تم اُسے لو / پکڑ لو

خَرَدَلٍ، خَرَدَلِيَّةٍ رَائِي۔ رَائِي كَا دَانِه

خُرُوجًا (خ ر ج) نکلنا

خَسَفَ زَمِينَ كَا دَهْنَس جَانَا

خُسُوفٌ زَمِينَ كَا دَهْنَس جَانَا (خَسْفٌ واحد)

خَشِيَّةٌ (خ ش ی) ڈرنا۔ خوف

خُلُقًا عَادَتٌ۔ صِفَتٌ

خَمْسٍ پانچ (5)

خَمْسِينَ پچاس (50)

ذَاتُ والی

خَمِيسَ جمعرات کا دن

ذَاتُ يَوْمٍ ایک دن

خِيَارُهُمْ اُن میں سے بہتر لوگ (خَيْرٌ واحد)

ذَاقَ (ذوق) اُس نے چکھا

(و)

ذَبِيحَتَنَا (ذ ب ح) ہمارا ذبیحہ۔ ذبح کیا ہوا جانور

الدَّابَّةُ (د ب ب) رینگنے والا جانور/ کیڑا مکوڑا

ذِرَاعًا (ذ ر ع) ہاتھ۔ بازو

الدَّالُّ (د ل ل) رہنما۔ ترغیب دینے والا

ذَرَفْتُ (ذ ر ف) آنسو بہہ نکلے

دَبِيبٍ (د ب ب) چیونٹی کے چلنے کی آواز

ذَرُونِي (و ذ ر) تم مجھے چھوڑ دو

الدُّخَانُ (د خ ن) دھواں

ذَكَرْتُ (ذ ك ر) تونے تذکیر/ نصیحت کی

دُخُولًا (د خ ل) داخل ہونا

ذِمَّةٌ (ذ م م) ذمہ۔ عہد۔ معاہدہ

دُرِّيٌّ (د ر ر) روشن۔ چمک دار

ذُنُوبٌ (ذ ن ب) گناہ (ذَنْبٌ واحد)

دَعْتُهُ (د ع و) اُس (عورت) نے بلایا/ گناہ کی

ذَهَبٌ سونا

دعوت دی۔

الدِّبْتُ بھیڑیا

دَعُوهُ (د ع و) تم اسے چھوڑ دو

ذِي نَابٍ (ن ی ب) کچلی/ نوکیلے دانتوں والا

الدُّلْجَةُ (د ل ج) رات کا اندھیرا

الرَّابِعَةَ چوتھا۔ چوتھی

دُلْنِي (د ل ل) مجھے بتا۔ میری رہنمائی کر

(ر)

دِمَاءَهُمْ خون اُن کے (دُمٌ واحد)

الرَّايِبُ سوار

دَوَّابٌ (د ب ب) کیڑے مکوڑے/ جانور

رَائِيٌّ میری رائے

دُونَكَ (د و ن) تم لے لو

رُبَّ كَيْ- کئی۔ اکثر اوقات

الدَّهْرُ زمانہ۔ وقت

الرَّبَّاءُ (ر ب و) سود

(ز)

رَبَّتْهَا (ر ب ب) اُس کی مالکہ

رَحْلٍ کجاوہ

ذَا والا

رَدُّ (ر و د) رد کیا گیا۔ مردود۔ نامنظور

ذَا الْوَجْهَيْنِ دو چہروں منہ والا

الرَّزْمَانُ (زمن) زمانہ	رِدْفٌ سوار کے پیچھے بیٹھنے والا دوسرا سوار
زُمْرَةٌ (زم ر) جماعت۔ گروہ	رَدِيفٌ (ردف) سوار کے پیچھے بیٹھنے والا
زَوَايَاهُ (زوی) اُس کے اطراف (زَاوِيَةٌ واحد)	رُسُلِهِ (رسل) اُس کے رسولوں
زَوْجَتَانِ (زوج) دو بیویاں	رَشْحٌ پسینہ
زَوْرٌ (زور) ملنے والا۔ ملاقاتی	رِضْوَانِي (رضی) میری رضا
(س)	رَضِيْتُمْ (رضی) تم راضی/خوش ہوئے
السَّابِقُونَ (س بق) سبقت کرنے والے۔	رِعَاءٌ (رع ی) چرواہے (رَاعِيٌّ واحد)
آگے بڑھنے والے	رَغِبَ عَنْ اُس نے منہ موڑا
سَاجِدًا (س ج د) سجدہ کرتے ہوئے/کرتا ہوا	رُكْبَتِيهِ اُس کے دونوں گھٹنے
السَّارِقُ (س رق) چور	رُوحًا (روح) تم شام کرو
سَأَلْتُ (س ءل) اُس (مؤنث) نے پوچھا	رَوْضَةٌ (روض) باغ
السَّامِيَّةُ (س ءم) اُکتانا۔ اُکتاہٹ	رَهْطٌ گروہ۔ جماعت۔ آدمی
سَبْعُ سَات	رُءُوسًا (رءس) سردار۔ حکمران (رَاسٌ واحد)
السَّبَاعِ (س ب ع) درندہ	رُءْيِيَّتِهِ (رءی) اُس کا دیکھنا
سَبْعَةٌ سَات	رِيَاضٌ باغات (رَوْضَةٌ باغ)
سَبْعُونَ ستر (70)	رِيحٌ آندھی۔ خوشبو
سَبْعِينَ ستر (70)	الرَّيْحَانَةُ نازبو۔ ایک خوشبودار پودا
سَبَقْتُ (س بق) وہ آگے بڑھ گئی	(ز)
سَبِيْلًا راستہ	الزَّانِي (زن ی) زنا کرنے والا
سِتٌّ چھ (6)	الزَّحْفِ لِزَانِي
سِتْرٌ اُس نے پردہ پوشی کی	الزَّرْعِ کھیتی
سِتْرٌ پردہ	زَرَعُوا (زرع) اُنھوں نے کھیتی اُگائی

سَنَةٌ (س ن ہ) سال	سَتْرُونَ عنقریب تم دیکھو گے
سُنُّنٌ طریقے	سِتُونٌ ساٹھ (60)
سِنِينَ (س ن ن) سال۔ برس۔ قحط (سِنُّ واحد)	سِتِيرٌ (س ت ر) پردہ دار
سَوَادٌ (س و د) سیاہی	سِتِينَ ساٹھ (60)
سَوَادِ الشَّعْرِ (س و د) سیاہ بالوں والا	سِجْنٌ قید خانہ
السِّوَاكُ مسواک	سَحَاءٌ (س ح و) سخی۔ سخاوت کرنے والا
سَوَاهِمَا دونوں کے سوا	السِّحْرُ جادو
سَوَاطِجٌ چابک۔ کوڑا	سَدَدٌ (س د د) میں نے درست کام کیا/ میانہ روی اختیار کی
سُوقِيْنٌ (س و ق) اُن (عورتوں) کی پنڈلیاں	سَدِدُوا (س د د) تم سیدھے/ درست رہو
سَهَّلْتُ (س ہ ل) میں نے آسان کر دیا	سَرَّةٌ (س ر ر) وہ خوش کرے اُس کو
سَيَعُوْدُ (ع و د) عنقریب وہ لوٹ جائے گا/ واپس پہلی حالت پر ہو جائے گا	سَعَادَةٌ (س ع د) خوش قسمتی
السَّيْلِ سلاب	سَعِيدٌ (س ع د) خوش قسمت
(ش)	السَّفْرَةُ (س ف ر) لکھنے والے
شَابٌ جوان	سَقُوا (س ق ی) اُنھوں نے پلایا
شَاقٌ گراں۔ دشوار۔ مشکل	سَلَبْتُ میں نے چھین لیا
الشَّاءِ (ش و ہ) بکریوں والے	سَلَطَهُ (س ل ط) اُس نے اُسے مسلط کیا
شَبْرًا بالشت	سَلَكٌ وہ چلا
شَبْعَانٌ (ش ب ع) جس کا پیٹ بھرا ہوا ہو	سَلَكْتُ (س ل ک) وہ چلی
شَتَّى (ش ت ت) الگ (جمع اشْتَاتٌ)	سَلَكْتُ (س ل ک) میں چلا۔ میں چلوں گا
شُحٌّ (ش ح ح) بخل۔ کنجوسی	سَلِمَ وہ سلامت/ محفوظ رہا
شِدَّةٌ (ش د د) تکلیف۔ تنگی	سَنُّ (س ن ن) اُس نے طریقہ شروع کیا

شَرُّ الْأُمُورِ سب سے برے کام

شَرُّ النَّاسِ سب لوگوں میں برا انسان

شَرِبُّ پینا

شِعْبًا گھاٹی

شُعْبَةٌ (ش ع ب) شاخ

شَقَاوَةٌ (ش ق ی) بد قسمتی۔ بد بختی

شَقِيٌّ (ش ق ی) بد قسمت۔ بد بخت

شَكُونًا (ش ک و) ہم نے شکایت کی

شِمَالُهُ اُس کا بائیں ہاتھ

الشَّهَوَاتِ خَوَاهِشِ (الشَّهْوَةُ وَاحِدٌ)

شِئْتُ تُوْنِے چاہا

شِئْتُ مِیْنِے چاہا

(ص)

صَاحِبُهَا (ص ح ب) اُس (مونث) کا ساتھی۔

مالک اُس کا

صَامَ (ص و م) اُس نے روزہ رکھا

صَبَّحَهُمْ (ص ب ح) اُس نے اُن کی اچھی

طرح صبح کی۔ اُس نے اُن کو تہس نہس کر دیا

صَبْغَةٌ (ص ب غ) غوطہ

صَفْرَاءُ (ص ف ر) زرد۔ پیلا

صَلَاتِنَا (ص ل و) ہماری نماز

صَلَّى (ص ل و) اُس نے نماز پڑھی

صَمَّ (ص و م) تو روزہ رکھ

صُورَتِكُمْ (ص و ر) تمہاری صورتیں/شکلیں

صِيَامٌ (ص و م) روزے۔ روزہ رکھنا

(ض)

ضَبَّ گواہ

ضَحِكَ وہ ہنسا

ضُرِّ تَكْلِيفٍ۔ برائی

ضِعْفٍ مرتبہ۔ کئی گنا

ضَلُّوا (ض ل ل) وہ گمراہ ہوئے

(ط)

طَافَ (ط و ف) اُس نے چکر لگایا

الطَّرْفِ آنکھ جھپکنا۔ نظر۔ نگاہ

طَرِيقٌ (ط ر ق) راستہ

طَعْمٌ چکھنا۔ ذائقہ

طَلَعَتْ (ط ل ع) وہ طلوع ہوئی/ہوا

طَلَعَ عَلَيْنَا وہ ہم پر ظاہر/ نمودار ہوا

طُوبَى (ط ی ب) خوشخبری۔ مبارک۔ جنت میں

ایک درخت کا نام

طَهُورًا (ط ه و ر) پاکیزہ۔ پاک کرنے والا/والی

(ظ)

ظِلٌّ (ظ ل ل) سایہ

(ع)

عَصَمُوا (ع ص م) انہوں نے بچالیا / محفوظ کر لیا

عَضُّوا (ع ض ض) تم دانتوں سے پکڑو

الْعَظْمِ ہڈی

عَفَا (ع ف ی) اُس نے معاف کیا

عُقِلَهَا رسی اُس کی

عَلَقَهُ (ع ل ق) جما ہوا خون / لہو

عَلَاتٍ (ع ل ل) ایسے بھائی بہن جن کی مائیں

الگ الگ مگر باپ ایک ہو

عَلَّمَ (ع ل م) اُس نے سکھایا

عَلَى (علی + ی) مجھ پر

عَلَيْكُمْ تم پر واجب / لازمی ہے

عُوقِبَ اُسے اپنے کیے کی سزا ملی

الْعَيْنِ موٹی آنکھوں والی عورتیں / حوریں

عَيْنَاهُ اُس کی دونوں آنکھیں

عَيْنِي میری دو آنکھیں

عْيُونُ آنکھیں۔ چشمے

(غ)

الْغَافِلَاتِ (غ ف ل) بے خبر۔ بھولی بھالی

الْغَدْوَةَ (غ د و) صبح کا وقت

غَدَرَ اُس نے بے وفائی / عہد شکنی کی

الْغُرَبَاءِ (غ ر ب) اجنبی۔ مسافر۔ (غَرِيبٌ

واحد)

عَادُوا (ع و د) وہ ہو چکے / بدل چکے

الْعَاشِرَةَ (ع ش ر) دسویں

عَاقَبَ (ع ق ب) اُس نے گناہ پر سزا دی

الْعَالَةَ (ع ی ل) تنگ دست۔ بھوکے

عَامٍ (ع و م) سال

عَامَّتِهِمْ (ع م م) اُن کے عام لوگ۔ عوام الناس

عَاهَدَ (ع ہ د) اُس نے عہد کیا / ذمہ لیا

عَجِبْنَا (ع ج ب) ہم نے تعجب کیا

عَدَلًا انصاف کرنے والا۔ عادل

عَدْنُ ہمیشہ۔ جنت کا ایک نام۔ ایک شہر کا نام

عُرَاةً (ع ر ی) ننگے بدن والے (عُرْيَانٌ واحد)

عُرِضَ پیش کیا گیا

الْعُرْيَانَ برہنہ۔ ننگا

عُرْيَانًا برہنہ۔ ننگا

الْعُشْبِ گھاس۔ سبز چارہ

عَشِيًّا شام کا وقت

الْعَشِيِّ شام کا وقت

عِصَابَةً (ع ص ب) جماعت۔ دس سے چالیس

تک کے افراد کا مجموعہ

عَصَانِي (ع ص ی) اُس نے میری نافرمانی کی

عَصَبٌ پٹھے

غُرْلًا بغیر ختنے کے

فُقَّهَ اُس نے سمجھ بوجھ پائی

غَرِيْبًا اجنبی۔ مسافر

فَقَّهُوْا (فَقَّهُوْا) (ف ق ہ) اُنھوں نے سمجھ بوجھ

الْغَنَائِمِ (غ ن م) مال غنیمت۔ (غَنِيْمَةٌ واحد)

حاصل کی

غَنِمِهٖ اُس کی بھیڑ بکریاں

فَلْيَبْلُغْ (ب ل غ) پس چاہیے کہ وہ پہنچا دے

غِنِيْ دولت مندی۔ خوشحالی۔ بے نیازی

(ق)

الْغَيْثِ بارش۔ زیادہ بارش

قَارِبُوْا (ق ر ب) تم سیدھے راستے پر رہو

قَبْضِ جان قبض کر کے

(ف)

فَاتُوْا (ء ت ی) پس تم کرو

قَبِلْتُ اُس (مَوْنَتْ) نے قبول کیا

فَاصْنَعْ (ص ن ع) پھر تو کر/ بنا

قَذْفُ زنا کی تہمت لگانا

فَاصْتُ (ف ی ض) اس (عورت) نے آنسو

الْقَصْدُ میانہ روی۔ اعتدال

بہائے

قَطُّ کبھی۔ بالکل۔ فقط

فَافْتُوْا (ف ت ی) پھر وہ فتویٰ دیں گے

قَعْبِ آخری کنارہ۔ گہرائی

فِتْنٌ فتنے (فِتْنَةٌ واحد)

قَلَّ (ق ل ل) وہ کم/ تھوڑا ہوا

فَجَرَ اُس نے گالی گلوچ کی

قَمُّ (ق و م) تو کھڑا ہوا/ اٹھ

فَخَذِيْهِ اپنی دونوں رانوں پر

قِيْعَانٌ (ق ی ع) چٹیل میدان

فَخَرَّ (خ ر ر) پھر وہ گر گیا/ پڑا

قِيَمٌ سرپرست۔ محافظ۔ کفیل

الْفَرَّاشُ (ف ر ش) پتنگے

(ک)

فُرِضَ مقرر کیا گیا

كَافَّةً سب۔ تمام

فَسْئَلُوْا (س ء ل) پھر اُن سے سوال کیا گیا

كَانَ گویا کہ

فُضِّلْتُ (ف ض ل) اُسے (مَوْنَتْ) فضیلت

كَذَا جیسا۔ جیسا کہ۔ ایسا

فُضِّلْتُ (ف ض ل) مجھے فضیلت دی گئی

الْكِرَامِ (ك ر م) معزز (كِرِيْمٌ واحد)

فِضَّةٌ چاندی

كَفَّارَةٌ (ك ف ر) کفارہ۔ گناہ کا کفارہ۔ وہ چیز

جس سے کسی گناہ کا ازالہ ہو جائے

كِفْلٌ حصہ

كَفِيهِ (ک ف ف) اُس کی دونوں ہتھیلیاں

الْكَلَا گھاس۔ چارہ

الْكَلِمَ کلمات۔ باتیں (الْكَلِمَةُ واحد)

كَلِمُ اللّٰهِ اللہ سے کلام کرنے والا، مراد حضرت

موسیٰ علیہ السلام

كُنَّ (ک و ن) وہ تھیں / ہیں

كُنَّا (ک و ن) ہم تھے / ہیں

كَوْكَبٌ ستارا

كَهَاتَيْنِ جیسے یہ دو (انگلیاں)

كَيْزَانُهُ پیالے اُس کے

(ل)

لَا بُدَّ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ناگزیر

لَا تَأْتُوا (ب) (ء ت ی) تم نہ لاؤ / نہ کرو

لَا خُشَاكُمْ (خ ش ی) ضرورت میں سے زیادہ

ڈرنے والا

لَا تَزْنُوا (ز ن ی) نہ تم زنا کرو

لَا تَسْرِقُوا (س ر ق) نہ تم چوری کرو

لَا مِرْيَیْ آدی کے لیے

لَا يَزَالُ (ز و ل) ہمیشہ

لَبِثْتُ (ل ب ث) میں رہا۔ میں ٹھہرا رہا

لَبَكَيْتُمْ (ب ک ی) ضرورت تم روتے

لَبِنَةٌ اینٹ

لَبَيْتِكَ میں حاضر ہوں

لَبَيْتِكَ وَسَعْدَيْكَ میں حاضر ہوں اور آپ

کے لیے دو سعادتیں / بھلائیاں ہوں!

لَتَتَّبِعَنَّ (ت ب ع) ضرورت تم پیروی کرو گے

لَحْمٌ گوشت

لَسْتُ (ل ی س) تو نہیں ہے

لَسْتُ (ل ی س) میں نہیں ہوں

لَسَلَكْتُ (س ل ک) ضرورت میں چلتا

لَسْنَا (ل ی س) ہم نہیں ہیں

لَضَحِكْتُمْ (ض ح ک) ضرورت تم ہنستے

لَقَابٌ قَوْسٍ ضرورت فاصلہ ایک کمان کا

لُقْطَةٌ گری پڑی چیز

لَقِيَ وہ ملا

لَقِينَا (ل ق ی) ہم کو پہنچا / ملا

لَكَافِيَةٌ (ک ف ی) ضرورت کافی ہے

لَوَدِدْتُ (و د د) ضرورت میں چاہتا

لَيَالٍ راتیں (لَیْلٌ واحد)

لَيْتَكَلَّمُ چاہیے کہ وہ کلام / بات کرے

لَيَتَمَنَّ ضرورت پورا ہو کر رہے گا

لَيَسْتَظِلُّ (ظ ل ل) چاہیے کہ وہ سایہ چاہے

مُنْحٌ (م خ خ) گودا۔ مغز (ہڈی کا)	لَيَقْعُدُ (ق ع د) چاہیے کہ وہ بیٹھے
مَخَافَةٌ (خ و ف) ڈر۔ خوف	لَيُوشِكَنَّ ضرور وہ عنقریب / جلدی ہوگا
مُدٌّ سے (حرف جار)	(م)
مَرٌّ (م ر ر) وہ گزرا	مَاتَ (م و ت) وہ مر گیا
مُرٌّ (م ر ر) کڑوا	مَاءٌ (م و ہ) پانی
مَرَّةً ایک دفعہ	مَاجٍ (م و ج) بھیڑ ہونا۔ موجوں کا ٹکرانا
مَرَّتَيْنِ دو دفعہ	مُبَلَّغٌ (ب ل غ) جسے پہنچایا جائے
مُرْسَلِينَ (ر س ل) بھیجے گئے / رسول (مُرْسَلٌ	الْمُتَحَابُّونَ (ح ب ب) آپس میں محبت
واحد)	کرنے والے
مُرْوَةٌ (ء م ر) تم اُسے حکم دو	مُتَعَمِّدًا (ع م د) جان بوجھ کر۔ دانستہ
مَسْلَكًا (س ل ک) راستہ	مُتَوَسِّدٌ (و س د) ٹیک لگانے والا / بنانے والا
مِسْكٌ مشک۔ کستوری	مِثْقَالٌ (ث ق ل) وزن۔ بوجھ۔ ثقل
الْمَسْئُولُ (س ء ل) جس سے سوال کیا جائے	مَجَامِرٍ (ج م ر) انگیٹھیاں (مِجْمَرَةٌ واحد)
مَسِيرَةٌ (س ی ر) فاصلہ۔ مسافت	الْمَجَانَّةُ (ج ن ی) زیادتی۔ جرم
مُضْغَةٌ (م ض غ) بوٹی۔ گوشت کا ٹکڑا	الْمُجَاهِرُونَ (ج ہ ر) کھلم کھلا / سرعام گناہ
مَعَادِنٌ (ع د ن) کانیں۔ معدنیات (مَعْدِنٌ	کرنے والے
واحد)	مَحَامِدٌ (ح م د) تعریفیں (مَحْمَدَةٌ واحد)
مُعَافًا (ع ف و) معاف کیا گیا۔ قابل معافی	مُحَدَّثَةٌ (ح د ث) نئی بات / چیز
مُعَاهِدٍ (ع ہ د) معاہدہ کرنے والا۔ ذمی۔ غیر مسلم	مُحَدَّثَاتٍ (ح د ث) نئی باتیں / چیزیں
مَعْصِيَةٌ (ع ص ی) گناہ۔ نافرمانی	الْمُحْصَنَاتِ (ح ص ن) پاک دامن عورتیں
مُعَلَّقٌ (ع ل ق) لٹکا / اٹکا ہوا	(الْمُحْصَنَةُ واحد)
مَفَاتِيحُ کنجیاں (مِفْتَاحٌ واحد)	مُحَمَّرٌ (ح م ر) سرخ۔ لال

الْمَهْدِيْنَ (ہدی) ہدایت یافتہ (الْمَهْدِيُّ

واحد)

مَهْلِ اطمینان۔ نرمی۔ آرام سے

مَيْسِرٌ (ی س ر) میسر۔ آسان۔ موافق۔ سازگار

(ن)

نَادَاهُ (ن د) اُس نے اُسے پکارا

نَبَاتُهُ (ن ب ت) اُس کی پیداوار

نَتَذَاكِرُ (ذ ک ر) ہم ایک دوسرے سے ذکر کرتے

ہیں

نَتَكِلُ (و ک ل) ہم توکل / بھروسہ کر لیں

النَّجَاءُ (ن ج و) بچو۔ نجات

نَجَوْنَا (ن ج و) وہ نجات پا گئے / بچ گئے

نُجُومٌ ستارے (ن ج م واحد)

نِدًّا (ن د د) شریک

نَدَعُ (و د ع) ہم چھوڑ دیں

نَذَرَ اُس نے نذر مانی

نَذَكْرٌ (ذ ک ر) ہم ذکر / یاد کرتے ہیں

نَرْضَى (ر ض ی) ہم راضی ہیں

نَزَلَ وہ اتر۔ وہ مہمان بنا

النَّسِيَانُ (ن س ی) بھول چوک۔ بھول جانا

نَشَأَ وہ پروان چڑھا / جوان ہوا

النَّصِيْحُ نصیحت / خیر خواہی کرنا

مَفْرُوضَةٌ (ف ر ض) فرض۔ لازم

مَقَالَتِي (ق و ل) بات میری

مَقْعَدُهُ (ق ع د) ٹھکانہ اُس کا

مَكَارِهِ (ک ر ہ) ناگوار چیزیں

مَكَانَهُمْ (ک و ن) اُن کی جگہ / ٹھکانا / درجہ

مَكْتُوبٌ (ک ت ب) لکھا ہوا

مَكَتٌ وہ ٹھہرا رہا۔ اُس نے انتظار کیا

مَلَأَى (م ل ء) بھرا ہوا

مُلْتَوِيَةٌ (ل و ی) لپٹا ہوا

مُلُوكٌ بادشاہ (م ل ك واحد)

مَلِيًّا (م ل و) کچھ دیر۔ زیادہ دیر

مُنْتَعِلٌ (ن ع ل) جوتا پہننا ہوا شخص

مَنْزِلَةٌ (ن ز ل) ٹھکانہ۔ جگہ

مِنْشَارٌ (ن ش ر) آری۔ آرا

المُؤَبَّقَاتِ (و ب ق) ہلاک کرنے والے۔

ڈبونے والے۔ مہلک چیزیں

مُوجِبَتَانِ (و ج ب) دو واجب / لازم کرنے والی

چیزیں

مُودِعٌ (و د ع) رخصت / الوداع ہونے والا

مَوْضِعٌ (و ض ع) جگہ

مَوْلُودٌ (و ل د) بچہ۔ نومولود

مُؤَخَّرَةٌ (ء خ ر) کجاوے کا پچھلا حصہ

نَصْرَتْ (ن ص ر) میری مدد کی گئی

نَصْنَعُهُ (ص ن ع) ہم بناتے/کرتے ہیں اُس کو

نَضَرَ (ن ض ر) وہ تروتازہ/خوش و خرم رکھے

النُّظَّارُ (ن ظ ر) دیکھنے والے (ناظِرٌ واحد)

نَعْلَيْنِ دو جوتے

نَعِيمٌ (ن ع م) نعمت

نُفِخَ وہ پھونکا گیا/جاتا ہے

نَفَقَةٌ (ن ف ق) خرچ کرنا

لَقِصْتُ (ن ق ص) وہ کم/تھوڑی ہوئی

نَمٌّ (ن و م) تو سو جا

نَوَاجِدُ عَقْلٍ/آخری داڑھیں (نَاجِدٌ واحد)

نَوَى (ن و ی) اُس نے نیت کی

نَهَبَةٌ (ن ہ ب) مال لوٹنا

نَهَيْتُكُمْ (ن ہ ی) میں نے تمہیں منع کیا/روکا

نِيَّاتٌ نِيَّتِينَ (نِیَّةٌ واحد)

(و)

وَجِلْتُ (و ج ل) ڈر گئی۔ ڈر گئے

وَجْهَيْنِ دو منہ۔ دو چہرے

وَرَاءَ پیچھے

وَسُوسَتْ (و س و س) اُسے وسوسہ آیا

وَضَعَ اُس نے رکھا

وَعَاَهَا (و ع ی) اُس نے اُسے محفوظ کیا/یاد رکھا

وَعَزَّتْ تیری عزت کی قسم

وَعَزَّتِي میری عزت کی قسم

وَفِي اُس نے وفا کی/پورا کیا

وُقُودٌ (و ق د) ایندھن

وَلَّى اُس نے منہ موڑا۔ وہ واپس گیا

(ہ)

هَاجَرَ (ہ ج ر) اُس نے ہجرت کی

الْهَرَجُ قتل۔ قتل و غارت

هَجَرَ اُس نے چھوڑ دیا/ہجرت کی

هَلَكْتِهِ (ہ ل ک) اُسے لٹانا/خوب خرچ کرنا

(ی)

يَأْتُونَ (ء ت ی) وہ آئیں گے

يَأْتِي (ء ت ی) وہ آئے گا

يَأْتِينِي (ب) (ء ت ی) وہ میرے پاس لائے گا

يَبْعُثُ (ب ع ث) وہ بھیجتا ہے

يُبْقِي (ب ق ی) وہ باقی چھوڑے گا

يُبْلِغُ (ب ل غ) وہ پہنچاتا ہے

يُبُولُونَ (ب و ل) وہ بول/پیشاب کریں گے

يَتَتَعَّعُ (ت ع ع) وہ اٹکتا/ہکلاتا ہے

يَتَحَدَّثُ (ح د ث) وہ باتیں کرتا ہے

يَتَخَوَّلُنَا (خ و ل) وہ ہمیں وقفہ دیتا/ناغہ کرتا ہے

يَتَزَوَّجُهَا (ز و ج) وہ نکاح/شادی کرے اُس

یَخْطُبُ (خ ط ب) وہ خطبہ دیتا / خطاب کرتا ہے	سے (عورت)
يَخْفِضُ (خ ف ض) وہ پست کرتا ہے	يَتَسَاءَلُونَ (س ء ل) وہ آپس میں پوچھتے ہیں
يَخْلُقُ (خ ل ق) وہ پیدا کرتا ہے	يَتَطَاوَلُونَ (ط و ل) وہ بلندی پر مقابلہ کریں گے
يُخَيِّلُ (خ ي ل) اُسے شبہ ہوگا / خیال ہوگا	يَتَعَجَّبُونَ (ع ج ب) وہ تعجب کرتے ہیں
يَدَعُهَا (و د ع) وہ اُسے چھوڑ دے	يَتَغَمَّدُنِي (غ م د) وہ مجھے ڈھانپ لے
يَذْكُرُ (ذ ك ر) وہ تذکیر / نصیحت کرتا ہے	يَتَغَوَّطُونَ (غ و ط) وہ پاخانہ کریں گے
يَرَاكَ (ر ء ي) وہ تجھے دیکھتا ہے	يَتَقَارَبُ (ق ر ب) وہ قریب قریب ہو جائے گا
يُرِدُّ (ر و د) وہ ارادہ کرے	يَتَقَحَّمَنَّ (ق ح م) وہ گرتی / کود پڑتی ہیں
يُرْفَعُ (ر ف ع) وہ بلند کیا / اٹھالیا جائے گا	يَتَكَلَّمُ (ك ل م) وہ کلام / بات کرتا ہے
يُرَى (ر ء ي) وہ دکھائی دیتا ہے	يَتَكَلَّوْا (و ك ل) وہ توکل / بھروسہ کر لیں
يَزْنِي (ز ن ي) وہ زنا کرتا ہے	يَتَمَنَّى (م ن ي) وہ تمنا / آرزو کرے گا
يَسِبُّ (س ب ب) وہ گالی دیتا ہے	يَتَمَنَّيَنَّ (م ن ي) وہ ضرور تمنا / آرزو کرے گا
يُسَبِّحُونَ (س ب ح) وہ تسبیح کرتے ہیں	يُجَاءُ (ب) وہ مجبور کر کے لایا جاتا ہے
يَسْبِقُ (س ب ق) وہ غالب آتا / آگے بڑھتا ہے	يُجْعَلُ (ج ع ل) وہ ڈالا جاتا ہے
يَسْتَشِيرُوا (ب ش ر) وہ خوشخبری پائیں	يُجِئُ (ج ي ء) وہ مجبور کر کے لاتا ہے
يَسْتُرُ (س ت ر) وہ پردہ پوشی کرتا ہے	يُحْتَبِئُ (ح ث و) وہ جمع کرتا / جھولی میں ڈالتا ہے
يَسْتَظِلُّ (ظ ل ل) وہ سایہ چاہتا ہے	يُحْجِزُهُنَّ (ح ج ز) وہ اُن کو روکتا ہے
يَسْتَغْنِي (غ ن ي) وہ بے نیاز کرتا ہے	يُحْشَرُ (ح ش ر) وہ جمع کیا جاتا ہے
يَسْرِقُ (س ر ق) وہ چوری کرتا ہے	يُحْفَرُ (ح ف ر) گرڑھا کھودا جاتا ہے
يَسْقُمُونَ (س ق م) وہ بیمار ہوں گے	يُحِلُّ (ح ل ل) وہ حلال ہے
يَسْتَهْوُونَ (ش ه و) وہ چاہیں / خواہش کریں گے	يُخَافُ (خ و ف) وہ ڈرتا ہے
يَشْرَبُ (ش ر ب) وہ پیتا ہے	يُخْرِجُونَ (خ ر ج) وہ نکالتے ہیں

يُغْلِبَنَّ (غ ل ب) وہ غلبہ کرتی ہیں	يَشُقُّ (ش ق ق) وہ پھٹ جاتا ہے
يَغْلِي (غ ل ي) وہ کھولتا/ اُبلتا ہے	يَشْهَدُوا (ش ه د) وہ گواہی دیں
يَغِيضُ (غ ي ض) وہ کم ہوتا ہے	يُصْبِحُ (ص ب ح) وہ صبح کرتا ہے
يَفْخَرُ (ف خ ر) وہ فخر کرتا ہے	يُصْبَغُ (ص ب غ) اُسے غوطہ دیا جائے گا
يُفَقِّهُهُ (ف ق ه) وہ اُس کو سمجھ دیتا ہے	يُصَدُّ (ص د د) وہ روکتا ہے
يَفِيضُ (ف ي ض) اُس کی کثرت ہوگی	يُصَدِّقُ (ص د ق) وہ تصدیق کرتا ہے
يُقَالُ (ق و ل) اُسے کہا جائے گا	يُصَيِّبُهَا (ص و ب) وہ اُسے پالیتا ہے
يَقْبِضُ (ق ب ض) مٹھی/ ہاتھ میں لینا۔ چھین لینا	يَضَعُ (ض ع) وہ ختم کرے گا
يَقْرَأُ (ق ر ء) وہ پڑھتا ہے	يَطْعَمُ (ط ع م) وہ کھائے/ چکھے
يَقْرُوهُ (ق ر ي) وہ اُس کی مہمانی کریں	يَطْوِي (ط و ي) وہ لپیٹے گا
يَقْضِي (ق ض ي) وہ فیصلہ کرتا ہے	يُظِلُّ (ظ ل ل) وہ سایہ کرے گا
يَقْطَعُ (ق ط ع) وہ کاٹتا ہے/ قطع کرے گا	يُظْمَأُ (ظ م ء) وہ پیاسا ہوتا ہے
يَقْعُدُ (ق ع د) وہ بیٹھتا ہے	يُظْهِرُ (ظ ه ر) وہ ظاہر ہوگا
يَقْعَنُ (وق ع) وہ گرتے ہیں/ گرتی ہیں	يَعْجِزُ (ع ج ز) وہ عاجز ہوتا ہے۔ کام نہیں کر سکتا
يَقِلُّ (ق ل ل) وہ کم ہوگا	يَعِشُ (ع ي ش) وہ زندہ کر رہے گا
يُقِيمُوا (ق و م) وہ قائم کریں	يُعْطِي (ع ط و) وہ عطا کرتا ہے
يَكْثُرُ (ك ث ر) وہ زیادہ ہوگا	يُعْقِبُهُمْ (ع ق ب) وہ اُن کو سزا دے گا
يَكْسِرُ (ك س ر) وہ توڑتا ہے	يُعَلِّمُكُمْ (ع ل م) وہ تمہیں سکھاتا ہے
يَكْشِفُ (ك ش ف) وہ کھولتا/ دور کرتا ہے	يُعَوِّدُ (ع و د) وہ لوٹتا/ واپس آتا ہے
يُلْدَغُ (ل د غ) وہ ڈسا جاتا ہے	يَغْتَسِلُ (غ س ل) وہ غسل کرتا ہے
يُلْقَى (ل ق ي) وہ ڈالا جائے	يَغْضُ (غ ي ض) کم ہوتا
يُلْقُونَ (ل ق ي) وہ ڈالے جائیں گے	يَغْلُ (غ ل ل) وہ خیانت کرتا ہے

يَنْفُلُونَ (ن ف ل) وہ تھوکیں گے	يَلُونَهُمْ (ول ی) وہ اُن کے بعد آئیں گے
يَنْقُصُ (ن ق ص) وہ کم کرتا ہے	يُلْهِمُنِي (ل ه م) وہ مجھے الہام کرے گا
يُولَدُ (ول د) وہ جنا گیا۔ وہ پیدا ہوا	يَمْتَحِطُونَ (م خ ط) اُن کی ناک سے آلائش نکلے گی
يُوحِي إِلَيْهِ اُس کی طرف وحی کی جاتی ہے	يُمَجِّسَانِهِ (م ج س) وہ اسے مجوسی بنا دیتے ہیں
يُوشِكُ (و ش ك) وہ بہت جلد (واقع) ہوگا۔ قریب ہے	يَمْشُطُ (م ش ط) وہ کنگھی کرتا ہے
يُوضَعُ (و ض ع) وہ رکھا جاتا ہے	يَمْنَعُنِي (م ن ع) وہ مجھے روکتا ہے
يُهَوِّدَانِهِ (ه و د) وہ اُسے یہودی بنا دیتے ہیں	يَمِينُ (ی م ن) دایاں ہاتھ۔ قسم
يُؤَبِّرُونَ (ء ب ر) وہ کھجور کے درختوں کو پیوند کاری کے ذریعے بار آور کرتے تھے	يَنْتَزِعُهُ (ن ز ع) وہ اُسے چھین لے گا
يُؤْتُوا (ء ت ی) وہ دیں / ادا کریں	يَنْتَهَبُ (ن ه ب) وہ لوٹ مار کرتا ہے
يُؤْتِي (ب) (ء ت ی) اُسے دیا جاتا ہے / وہ لایا جائے گا	يَنْبِتُونَ (ن ب ت) وہ اُگیں گے
يُؤْذَنُ (ء ذ ن) اُسے اجازت دی جاتی ہے	يُنْتَفِعُ (ن ف ع) اُس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے
يُؤْذِنِي (ء ذ ی) وہ مجھے ایذا / تکلیف دیتا ہے	يُنَجُّوْا (ن ج و) وہ نجات پاتا ہے
يُيَسِّرُ (ی س ر) اُسے میسر ہوتا ہے	يُنَجِّي (ن ج و) وہ نجات دیتا ہے
	يُنزِلُ (ن ز ل) وہ اُترتا ہے
	يُنصِرَانِهِ (ن ص ر) وہ اسے عیسائی بناتے ہیں

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا سُوْرَةُ
”اور رسول (ﷺ) تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رُک جاؤ“

مشکوٰۃ الحدیث

جس میں

”مشکوٰۃ المصابیح“ کی منتخب صحیح احادیث کا آسان اردو ترجمہ و تشریح
مفصل مقدمہ، اشاریہ، فرہنگ الفاظ، صحاح ستہ کا تعارف
اور راویان حدیث کے مختصر حالات زندگی شامل ہیں

جلد اول: ایمانیات

پروفیسر مولانا محمد رفیق ^{العالی} _{مدظلہ}